مسائل نو

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

مسائل نو

جہاں نو کا تازہ ایڈیشن جس میں صرف چار پرانے اور تیرہ نئے مضامین شامل ہیں

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

891.4394 Barq, Dr. Ghulam Gilani
Masail-e-Nau/ Dr. Ghulam Gilani Barq.-
Lahore: Al-Faisal Nashran, 2014.
264P.

1. Urdu Adab - Mazameen I. Title.

ISBN 969-503-926-X

جملہ حقوق محفوظ۔

مارچ 2014ء
محمد فیصل نے
آر۔آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔
قیمت:-/300 روپے

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan
Phone: 042-7230777 & 042-7231387
http: www.alfaisalpublishers.com
e.mail: alfaisalpublisher@yahoo.com

Marfat.com

الفہرس

1۔	مکھی کی کتاب	8
2۔	کیا اسلام عصر رواں کا ساتھ دے سکتا ہے؟	20
3۔	انگریزی اور ملت پاکستان	29
4۔	مری کے خوفناک مناظر	55
5۔	لاطینی رسم الخط	63
6۔	امریکہ میں حرام کاری	95
7۔	عائلی مسائل	103
8۔	اگر رسول خدا دوبارہ تشریف لائیں تو......	116
9۔	شیعہ وسنی کو دعوت اتحاد ومحبت	122
10۔	ایک کارتوس ایک ہی دفعہ چلتا ہے	137
11۔	کیا غربی پاکستان میں اردو ایک اجنبی زبان ہے؟	142
12۔	دل ودنیائے آب وگل	158
13۔	مسئلہ کشمیر کا حل	170
14۔	عورت کا صحیح مقام (قرآن کی روشنی میں)	177
15۔	فدیہ صیام	187
16۔	شریعت کیا ہے؟	206
17۔	ہم اور ہمارے اسلاف	219

Marfat.com

حرف اول

مسائل نو''جہان نو'' کا تازہ عنوان ہے۔ظہور پاکستان کے وقت ہمارے ملی مسائل کچھ اور تھے اور اب کچھ اور۔اس وقت کے مسائل پر میں نے نو مضامین لکھے تھے جن کے مجموعے کا نام''جہان نو'' رکھا تھا۔آج سولہ برس کے بعد ہمارے مسائل کی نوعیت بدل گئی ہے۔چنانچہ جب تازہ ایڈیشن نکالنے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے''جہان نو'' کے پانچ مضامین جو اپنی افادیت کھو چکے تھے کتاب سے خارج کر دیئے اور تیرہ نئے مضامین داخل کر دیئے اس اہم اضافے کی وجہ اس کا عنوان بھی بدل دیا گیا ہے پاکستان مختلف مسائل سے دو چار ہے۔مثلاً

۱۔ طلبہ کی بے راہ روی

۲۔ ہمارے حکام، وزرائ، اساتذہ اور لیڈروں کا مذہب سے فرار

۳۔ عیاشی، بادہ نوشی

۴۔ کشمیر

۵۔ فولاد

۶۔ بے اثر نصاب تعلیم

۷۔ قومی زبان

۸۔ رسم الخط

۹۔ محرم میں شیعہ و سنی تصادم

۱۰۔ دنیائے دل سے بے اعتنائی وغیرہ وغیرہ

یہ وہ مسائل ہیں۔جن پر ہمارے ارباب فکر و نظر مسلسل لکھ رہے ہیں۔میں نے ان مسائل کے متعلق کیا سوچا اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

برق

کیمبلپور ۱۳ اپریل ۱۹۶۴ء

Marfat.com

مکھی کی کتاب

اپنے آپ کو عقل منداور دوسروں کو احمق سمجھنے کا مرض اس قدر ہمہ گیر ہے کہ جسے دیکھو دنیا کے ہر فرد، ہر نظام اور حکومت کے ہر شعبے پر تنقید کر رہا ہے۔ میرا حجام جب میری حجامت بناتا ہے تو صدر سے لے کر اردلی تک کے بیسیوں عیب گن ڈالتا ہے۔ میرے ایک دوست کا تکیہ کلام ہی گدھا ہے کسی کا ذکر آجائے ارشاد ہوتا ہے۔ ''اجی وہ گدھا ہے''۔ دنیائے انسانی میں کچھ مستثنیات بھی ہیں مثلاً سقراط، ارسطو، افلاطون، لقمان وغیرہ جنہیں ہر شخص عقل مند سمجھتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اپنی عقل کا سکہ منوانے کے لئے سقراط بننا پڑتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ سقراط بننا آسان نہیں۔

مکھی کی کتاب حشرات

یہ مرض صرف انسانوں ہی میں نہیں بلکہ حیوانات وطیور میں بھی پایا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک مکھی کو خیال آیا کہ باغوں کی متعفن فضا میں تتلیاں اور بھونرے خواہ مخواہ خراب ہو رہے ہیں۔ ایک کتاب لکھ کر انہیں بدرروؤں اور بیت الخلاؤں میں بلایا جائے۔ چنانچہ اس نے کئی سو صفحات کی ایک کتاب لکھی جس میں مسائل ذیل پر تفصیلی بحث تھی۔

۱۔ کہ باغوں میں ہر طرف تعفن پھیلا ہوا ہے جو صحت کے لئے مضر ہے۔

۲۔ کہ قصاب کی دوکان کا ماحول از بس حسین، حیات پرور اور راحت افزا ہے۔

۳۔ کہ غلاظت میں وٹامنز کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔

۴۔ کہ قصاب خانہ، بدرو اور غلاظت خانہ اصل دنیا ہے باقی سب کچھ محض بیکار۔

مکھی نے اس کتاب کے لاکھوں نسخے باغوں میں مفت تقسیم کئے اس کتاب کی خاطر جابجا لائبریریاں کھولیں، سفری کتب خانوں کا انتظام کیا ہر طرف مبلغ بھیجے اور پوسٹر چھاپے، پہلے تو بھونروں اور تتلیوں نے اس کتاب کا مضحکہ اڑایا لیکن رفتہ رفتہ اثر ہونے لگا کچھ نوجوان بھونرے شہروں میں آکر بدرروؤں کا جائزہ لینے لگے۔ بدبو کی لپٹ سے پریشان ہو کر بھاگتے اور پھر لوٹ

Marfat.com

آتے رفتہ رفتہ چند بھونروں نے بھی بدروؤں کی خوبیوں اور چمن کی خرابیوں پر تقریریں شروع کر دیں اور دس پندرہ برس میں تمام بھونرے اور تتلیاں گندی نالیوں میں آ کر غلاظت چاٹنے لگے۔

مقام فکر

ذرا سوچئے کہ کیا وہ کتابیں جو گذشتہ سو سال سے آپ کو مدارس میں پڑھائی جا رہی ہیں کسی ایسی ہی مکھی کی لکھی ہوئی تو نہیں؟

آپ جانتے ہیں کہ صدیوں سے یورپ اسیر ہوا و ہوس اور رہین نا و نوش ہے۔ وہاں اخلاقی و روحانی اقدار کا کوئی تصور تک موجود نہیں غریب اقوام کو لوٹنا۔ دن بھر تنور شکم تاپنا اور شام کو جنسی پستیوں میں ڈوب جانا ان کی زندگی ہے۔ خدا اور آخرت سے بے خبر، حرام و حلال سے ناآشنا اور پست لذتوں کے دل دادہ۔ یوں سمجھئے کہ یورپ ایک بدرو ہے جس میں وہاں کے لوگ مکھیوں کی طرح غلاظت چاٹ رہے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ گناہ کی راہوں پر اب وہ اتنی دور جا چکے ہیں کہ ان کا رجوع اللہ کی طرف ناممکن ہو گیا ہے۔ دوسری طرف ان کا مد مقابل یعنی مسلمان روحانی اقدار کا شد و مد سے قائل ہے اور یہ نظریاتی اختلاف بار بار سیاسی تصادم کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو انہوں نے ایک نہیں بلکہ ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں اس موضوع پر لکھیں۔

۱۔ کہ زندگی کا انجام موت ہے اور آگے کچھ بھی نہیں۔

۲۔ کہ مذہب ایک داستان پارینہ ہے جو عصر رواں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

۳۔ کہ ایشیا کی اخلاقی و روحانی اقدار کمتر از افیوں نہیں۔

۴۔ کہ کھانا، پینا، ناچنا اور عیش اڑانا اصل زندگی ہے۔

۵۔ کہ مذہب اور سیاست کا دائرہ کار جدا جدا ہے۔

۶۔ کہ وطن اساس قومیت ہے اور تصور ملت یعنی پان اسلام ازم ایک سرخ خطرہ ہے۔

۷۔ کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ خوراک ہے۔ وہ کھیتی باڑی میں لگے رہیں اور خام مال ہمیں بھیجتے رہیں اور لوہے کی مصنوعات ان کی خدمت میں ہم پیش کرتے رہیں گے۔

۸۔ کہ انگریزی ام الالسنہ اور سرچشمہ تہذیب ہے۔

Marfat.com

۹۔ کہ انگریزی خط نہایت ترقی یافتہ خط ہے اسے اختیار کرنا اور قرآنی خط سے جان چھڑانا ترقی کے لئے لازمی ہے۔

۱۰۔ کہ نپولین، نیلسن، ملٹن، بیکن، نیوٹن وغیرہ محسنین انسانیت تھے اور باقی یہ سینا و رومی و فارابی وغیرہ تاریکی میں بھٹکنے والے اندھے۔

۱۱۔ کہ یورپ کے در و دیوار باغ و راغ اور بحور و طیور بے حد حسین ہیں اور یہ دجلہ و فرات اور سیحوں و جیحوں گندے نالے، ککو پرندوں کا بادشاہ ہے اور یہ بلبل، چکور، تیتر اور مور سب کے سب بیکار و بے ہودہ ہیں۔

یہ کتابیں پڑھنے کے بعد ہم یورپ میں گئے، شروع شروع میں تو وہاں کی عریانی فحاشی اور عیاشی سے قدرے بد کے لیکن بہت جلد ان اثرات کو قبول کرلیا۔ واپس آ کر انہی باتوں کا پرچار شروع کردیا اور اب یہ حال ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں سے فوج در فوج ایسے گریجوایٹ نکل رہے ہیں۔

۱۔ جو خدا اور رسول سے بیزار مے و نغمہ کے پرستار اور زنجیر شکم میں گرفتار ہیں۔

۲۔ جو تمام بلند اخلاقی و روحانی اقدار کے منکر ہیں۔

۳۔ جو اپنی تاریخ روایات، اسلاف، ماضی، حال، مستقبل و منزل سے اصلاً بے خبر ہیں۔

۴۔ جو اپنوں سے متنفر اور یورپ کی ہر چیز کے گرویدہ ہیں۔

۵۔ جو اپنی زبان، اپنے ادب، بلکہ قرآنی خط تک کے دشمن ہیں۔

۶۔ جن کے ہاں زندگی کی سب سے بڑی قدر شراب پینا اور نامحرم نیم عریاں عورتوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر چلنا ہے۔

آج یورپ بے حد خوش ہے کہ آخر اس نے اپنے اس حریف کو پچھاڑ ہی دیا جس سے وہ پہلے چودہ سو برس میں ہزار بار پٹ چکا تھا۔

Marfat.com

علم کیسا علم؟

علم کے بغیر تو چارہ نہیں لیکن علم کی بھی سینکڑوں شاخیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم پاکستانیوں کو کس قسم کا علم چاہئے۔ اس کا جواب بڑا واضح ہے کہ اسلام ہماری دنیا و آخرت ہر دو کو سنوارنا چاہتا ہے۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ و فی الاخرۃ حسنتہ

اے رب! ہماری دنیا و آخرت ہر دو کو بہتر بنا۔

اس لئے ہمارے لئے وہی علم کارآمد ہو سکتا ہے جو ہمیں دنیا و عقبیٰ دونوں میں سرخرو بنائے۔ دنیوی علوم میں سائنس کا مقام سب سے پہلے ہے کہ اس کے بغیر ہم کائنات کے لامحدود خزائن قوت مثلاً فولاد، بجلی، پٹرول ایٹم وغیرہ سے متمتع نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد دیگر علوم مثلاً فلسفہ، تاریخ جغرافیہ وغیرہ کا درجہ آتا ہے ہمارے موجودہ نظام تعلیم کی بنیادی خامی یہ ہے کہ اس میں سارا زور دنیوی علوم پر دیا جاتا ہے اور اس زندگی کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی جاتی جو بعد از لحد شروع ہوتی ہے اور جس کا کوئی انجام نہیں۔

اسلام زندگی کو غیر قانونی سمجھتا ہے زندگی چند برس کے لئے کرہ خاک پہ آتی اور پھر اثیری بلندیوں کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اثیر کی وسیع دنیاؤں میں کروڑوں مقامات ہیں۔ کچھ حسین، رنگین، دلنواز ونظر وفریب اور کچھ غلیظ، تاریک، ہولناک و آتشیں ان میں حیات کا قیام حسب اعمال ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے۔

> جہنم بدکاروں کی گھات میں ہے وہ خدائی باغیوں کی قیام گاہ ہے اس میں یہ لوگ صدیوں رہیں گے وہاں ٹھنڈک اور ٹھنڈا پانی نہیں ملے گا صرف کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہوگی۔ یہ ہے بداعمالی کی سزا۔ انہیں خیال ہی نہیں تھا کہ حساب ہوگا۔ اس لئے انہوں نے ہماری ہدایات کو توڑا۔ ہم نے ہر چیز کو لکھ رکھا ہے۔
>
> اپنے اعمال کی سزا بھگتو۔ اس سزا میں ہر روز اضافہ ہی ہوگا۔ صرف اہل

Marfat.com

تقویٰ جیتیں گے۔ ان کے لئے وہاں انگور اور دیگر اثمار کے باغات ہیں۔
ہم عمر حسینائیں ہیں اور چھلکتے ہوئے جام۔ (نبا۔۳۱۔۳۲)

"وہاں صرف اہل تقویٰ جیتیں گے" ذرا اپنے نصاب کو دیکھ کر بتایئے کہ کون سی کتاب درس تقویٰ دیتی ہے؟

ہنگامہ وشور

سو برس سے ہنگامہ بپا ہے کہ نظام تعلیم کو درست کرو لیکن یہ کسی نے نہ بتایا کہ خرابی کہاں ہے؟ بیسیوں کمیشن بیٹھے۔ انہوں نے چند سطحی اور بے نتیجہ سفارشات کیں۔ ان پر عمل ہوا لیکن ہماری دانشگاہوں کی پیداوار اور زیادہ نالائق اور بدکار بنتی گئی اس لئے کہ کمیشن کے ممبران بنیادی حقائق سے ناآشنا تھے۔

۱۔ کہ حیات میں تسلسل ہے۔

۲۔ کہ یہ زندگی عارضی ہے اور اگلی زندگی ابدی ولافانی۔

۳۔ کہ وہ زندگی صرف پاکیزگی وتقویٰ سے سنورتی ہے۔

ان کمیشنوں کے اکثر ممبر برطانوی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل تھے جن کی نظر آسمان سے پرے، لحد سے آگے اور سطح سے نیچے دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ اسلامی تعلیمات سے محض ناآشنا اور دل کی عظیم وجلیل دنیا سے بالکل بے خبر تھے۔ ان کی بلا جانے کہ مسلمان کیا ہوتا ہے اور کیسے بنتا ہے؟ اور ستم بالائے ستم یہ کہ ہمارے کارپردازان تعلیم بھی اسلام کے عظیم پیغام اور اس کے مقاصد سے لاعلم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا نصاب از آغاز تا انجام بے مقصد رہا۔ ہماری مختصر دنیوی زندگی کے لئے تو وہ کسی حد تک مفید تھا لیکن ابدی زندگی سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اگر آج ہماری درسگاہیں بد کردار ٹیڈیوں کم علم و بے عمل اساتذہ سے لبریز ہیں تو قصور کس کا؟ اسی نصاب کا ہے جو اس قدر مردہ و بے روح ہے کہ پہلی جماعت سے ایم۔ اے تک کی تمام کتابوں کا مجموعہ اثر گلستان سعدی کی ایک حکایت جتنا بھی نہیں۔

آج اس زمانے میں کہ دنیا کا ہر شہر بین الاقوامی کاروانوں کی گزرگاہ بنا ہوا ہے اپنے

Marfat.com

یورپ کے لوگ دھن جمع کرنے کے لئے ہر چار سو دوڑ بھاگ رہے ہیں اور اپنا فلسفہ پھیلا رہے ہیں ان کا روح کش لٹریچر ہر گھر میں داخل ہو رہا ہے۔ ان کی تقلید میں جا بجا رقص گاہیں، تھیٹر خانے اور شراب خانے کھل چکے ہیں اور روحانی و اخلاقی اقدار پر زمین و آسمان سے آگ برسائی جا رہی ہے۔ پاکستانی نوجوان کو مسلمان بنانا اور پھر صراط مستقیم پہ ثابت رکھنا بڑا ہی مشکل امر ہے۔ اس مقصد کے لئے حکومت محکمہ تعلیم، یونیورسٹیوں اور اساتذہ کو مل کر سوچنا ہوگا ورنہ یہ موجودہ روز افزاں اخلاقی انحطاط ہمیں ایک دن آزادی سے بھی محروم کر دے گا۔ یاد رکھئے قدرت گناہ کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔

وانا امن المجرمین المنتتمون۔ (قرآن)

ہم بدکاروں سے لازماً انتقام لیتے ہیں۔

اگر محکمہ تعلیم اور یونیورسٹیوں کی موجودہ بے خبری و بے اعتنائی اساتذہ کی کم عملی و بے عملی اور طلبہ کی بدروی کا یہی عالم رہا تو ہم دنیا اور آخرت ہر دو میں رسوا و ذلیل ہو جائیں گے اور حکومت کو خدا اور مستقبل کے مؤرخ کے سامنے جواب دینا پڑے گا۔

نصاب کی اہمیت

ہمارے دیہات میں یہ کہانی مشہور ہے کہ ایک آدمی کو دوسرے نے کہا ''تمہارا کان کتا لے گیا ہے'' وہ فوراً لٹھ اٹھا کر کتے کے پیچھے بھاگ نکلا اور کان کو چھونے کی تکلیف ہی گوارہ نہ کی۔ یہ کوئی لطیفہ نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ بقول سعدی ''گوش گذشتہ اثرے دارد'' کان سے گزری ہوئی ہر بات دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ جو لوگ دوسری شادی کر لیتے ہیں وہ عموماً اپنی اولاد سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ پہلی اولاد سے کوئی قصور ہو جاتا ہے بلکہ یہ کوئی نئی بیوی خاوند کے کان بھرتی رہتی ہے اور شوہر لاکھ حکیم و فلسفی ہو ان اثرات سے بچ نہیں سکتا۔

ہٹلر اپنی کتاب ''مائین کیمف'' میں لکھتا ہے کہ ایک جھوٹ کو اتنی بار دہراؤ کہ دنیا اسے سچ سمجھنے پر مجبور ہو جائے۔ گذشتہ جنگ عظیم میں برطانیہ نے کہا کہ جمہوریت ایک مقدس نظام حکومت ہے اور ہٹلر دشمن جمہوریت ہے۔ ہٹلر نے کہا کہ جمہوریت دراصل چوروں اور ڈاکوؤں کی

Marfat.com

منڈلی ہے جو غریب ایشیا اور افریقہ کو لوٹ رہی ہے۔ آدھی دنیا ہٹلر پر ایمان لے آئی اور آدھی چرچل پر۔ پراپیگنڈہ حقیقتاً ایک نہایت خوفناک حربہ ہے جس کے اثرات بڑے دور رس ہوتے ہیں۔ اس کے کئی طریقے ہیں مثلاً اخبارات، رسائل، سینما، ریڈیو، تقاریر وغیرہ ان تمام میں موثر ترین نصاب تعلیم ہے جو نئی نسل کے دل و دماغ میں گھر بنالیتا ہے اور زندگی کو ایک خاص ڈگر پر ڈال دیتا ہے۔

انگریز بڑی ہی ہوشیار قوم ہے۔ ہندوستان پر قابض ہونے کے بعد اگر اسے خطرہ تھا تو صرف مسلمان سے۔ اس لئے اس نے یہاں ایک ایسا نصاب تعلیم نافذ کیا جس کا لازمی نتیجہ مذہب سے نفرت اپنی تہذیب و روایات سے بیزاری روحانی و اخلاقی اقدار سے بے خبری عظیم اسلاف سے بے تعلقی اور حیات کی لامقصدی تھا چنانچہ گذشتہ سو سال میں ہماری یونیورسٹیوں سے رشوت خور بابو، مغرور و متکبر افسر اور عیش پسند جنٹلمین تو کروڑوں کی تعداد میں پیدا ہوئے لیکن ایک بھی ابن حنبل یا ابن قیم پیدا نہ ہو سکا۔

ایک سوال

سوال یہ ہے کہ کیا انگریز کے جانے کے بعد ہمارے نصاب میں کوئی خاص تبدیلی ہوئی ہے؟ جواب ہے:۔

''بالکل نہیں یا بہت کم''۔

مولوی صاحب کے گھوڑے کے ساتھ پنڈت جی کی بہلی اب بھی اسی طرح رواں ہے۔ گلہری، مکڑی اور مکھی بدستور ہماری نظموں کے موضوع ہیں ہمارا نصاب تعلیم ہمارے عظیم اسلاف کے ذکر سے اسی طرح خالی ہے۔

نصاب دینیات

اشک شوئی کے لئے پہلی آٹھ جماعتوں میں دینیات کی چند ایسی کتابیں رکھ دی گئی ہیں جو نماز وضو کے مسائل تو بتاتی ہیں لیکن خدا اور رسول سے شیفتگی پیدا کرنے کی اہلیت قطعاً نہیں

Marfat.com

رکھتیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ کتابیں چند ایسے پیشہ ور نصاب نویسوں سے لکھوائی گئی ہیں جو سوز و گداز، بصیرت، نظر اور دانش اعلیٰ کی نعمت سے محروم تھے اور ان کا مقصد نسل نو کو اقدار عالیہ کا درس دینا نہیں تھا بلکہ ایک عرضی نویس کی طرح لکھائی کی اجرت بٹورنا تھا۔ بس دانشور اقوام نصاب وضع کرنے سے پہلے سوچتی ہیں کہ نئی نسل کو کیا بنانا ہے؟ کہاں لے جانا ہے؟ اور اس میں کون سی صفات پیدا کرنا ہیں؟ اس مقصد کے لئے وہ بلند پایہ اہل قلم کی خدمات مستعار لیتی ہیں۔ ہر سبق بلکہ ہر سطر کے اثر کا اندازہ لگاتی ہیں اور ہر پانچ برس کے بعد نتائج کا جائزہ لے کر نصاب میں مناسب ترمیم کرتی ہیں۔ کیا ہمارے ہاں بھی کوئی ایسا نظام موجود ہے؟ قطعاً نہیں، چند سال پہلے کی بات ہے کہ اگر خاص جماعت کے لئے نصاب سازی کا کام میرے حوالے ہوا۔ اجرت تھی پندرہ سو روپیہ۔ لاہور کے چند پیشہ وریوں پیچھے پڑے کہ یہ کام انہیں مل گیا اور میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ مجھے رقم کا افسوس نہیں کہ میں طبعاً فقیر ہوں اور دنیوی مال و متاع سے گریزاں بلکہ افسوس اس امر کا ہے کہ لاکھوں نوجوانوں کے دل و دماغ کو متاثر کرنے کا ایک زریں موقعہ ہاتھ سے نکل گیا۔

تحریر میں اثر

آپ نے حصول پاکستان کے سلسلے میں سینکڑوں تقاریر سنی ہوں گی آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ جو اثر حضرت قائد اعظم کے الفاظ میں تھا اس کا عشر عشیر بھی کہیں اور نہیں ملتا کیوں؟ اس لئے کہ قائد اعظم میں خلوص تھا، تڑپ تھی، بلکہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ جو الفاظ میں منتقل ہو جاتی تھی۔ اگر سینہ ایمان و عشق کی حرارت سے خالی ہو تو الفاظ بے اثر بے نتیجہ اور بے جان ہوتے ہیں۔ رومی گذشتہ آٹھ صدیوں سے دنیائے اسلام پہ اثر انداز ہے۔ اقبال نے دس کروڑ اسلامیان ہند کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی دوسری طرف ہزاروں ایسے اہل قلم بھی ہیں جنہوں نے زندگی بھر قلم چلایا لیکن کسی ایک فرد کو بھی متاثر نہ کر سکے۔ الفاظ محض خول ہیں جن میں اثر حرارت یا زندگی صاحب الفاظ کے سینے سے منتقل ہوتی ہے۔ انگریز سے پہلے ہم ایسی کتابیں پڑھتے تھے جن کے لکھنے والے سعدی، جامی، خاقانی، رازی، ابن یمین، حافظ اور رومی جیسے لوگ تھے۔ بادہ عشق سے سرشار، حسن و جمال کے پیکر، جلال خداوندی کے مظہر، عابد، زاہد، عظیم و توانا، ان کے الفاظ میں

Marfat.com

بجلیاں تھیں جو رگ وپے میں سرور و مستی کی لہر دوڑا دیتی تھیں۔ لیکن اب نصاب لکھنے والے ایرے غیرے اور اس کی قدر و قیمت متعین کرنے والے نتھو خیرے، جذبات عالیہ سے وہ خالی اور فکر و بصیرت سے یہ محروم ہیں۔ ہر دو انسان کی منزل اور مقصد حیات سے نا آشنا۔ فرمایئے ایسی مردہ کتابوں سے وہ شاہین بچے کیسے پیدا ہوں گے جن کی پرواز لامکاں تک ہو جو اپنے عزم بلند، ایمان محکم اور عشق جہاں آرا سے ساری کائنات کو متاثر کریں اور انسان کو حیوانی پستیوں سے اٹھا کر الوہیت کے سپہر بریں تک پہنچا سکیں۔

فضا تری مہ و پروین سے ہے ذرا آگے
قدم اٹھا یہ مقام آسمان سے دور نہیں (اقبالؒ)

سیدھی سی بات

بات سیدھی سی ہے کہ ہم نے اس دنیا میں بھی ایک باعزت زندگی گزارنا ہے اور اگلی دنیا میں بھی۔ عزت اور قوت مترادف الفاظ ہیں ایک کمزور قوم کبھی معزز نہیں ہو سکتی۔ نسل انسانی کے لاکھوں سالہ تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ علم ایک مہیب قوت ہے جو بطن زمین سے فولاد اور پٹرول کے ذخائر نکال سکتی ہے۔ یہ معادن ایک حد تک ہماری بقاء کی ضامن ہیں۔ انہی سے ہم خدا اور رسول کے باغیوں اور اپنے دشمنوں کا منہ توڑ سکتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ نے فولاد کو خدا اور رسول کی حمایت کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع الناس و لیعلم اللہ من ینصرہ و رسلہ بالغیب ...... (حدید)

ہم نے فولاد پیدا کیا۔ جس میں بڑی ہیبت ہے اور دنیائے انسانی کے لئے بے شمار فوائد ہیں ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ کون لوگ فولاد سے مسلح ہو کر بن دیکھے خدا اور رسول کی مدد کرتے ہیں۔

علم کے علاوہ بھی چند چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو عزت، عظمت اور طاقت بخشتی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ سچ قوت ہے اور جھوٹ ضعف، دیانت شجاعت، عفت اور ہمت قوت ہیں اور

Marfat.com

خیانت، بزدلی، بے حیائی اور دوں ہمتی ضعف، وفا، ایثار، اتفاق، اتحاد انکسار اور ایمان قوت ہیں اور بے وفائی خود غرضی، بخل، انتشار، نخوت اور لا ایمانی ضعف۔ ان تمام طاقتوں سے بڑی ایک اور قوت ہے جو خدا و جبریل پر بھی کمند پھینک سکتی ہے اور ارض و سما کی تمام طاقتوں کو تعاون پر مجبور کر سکتی ہے اس کا نام عشق ہے جو صرف اللہ کی عبادت سے حاصل ہوتا ہے۔ کس قدر عظیم و مہیب ہیں وہ اقوام جو علم و عشق ہر دو کی مالک ہیں۔

آج اقوام یورپ کے پاس علم تو ہے لیکن عشق نہیں۔ نتیجہ ان کا علم کائنات اور خود ان کے لئے ایک لعنت بنا ہوا ہے یہ لوگ سخت مضطرب اور نا آسودہ ہیں اور ایک دوسرے کو فنا کرنے کے لئے نہایت مہلک اسلحہ تیار کر رہے ہیں۔ نوع انسانی کی طویل تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جو لوگ دولت عشق کھو بیٹھے وہ مٹ گئے:

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنو وعملو الصالحات واتوصو بالحق وتواصو بالصبر.... (قرآن)

تاریخ عالم شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ خسارے ہیں رہا۔ ہاں وہ لوگ بچ گئے جن کے سینوں میں عشق و ایمان کے چراغ جل رہے تھے جن کے اعمال پاکیزہ تھے اور جو دنیا کو سچائی اور استقامت کا درس دیا کرتے تھے۔

پاکستان کی مشکلات

اس وقت پاکستان مختلف مشکلات میں مبتلا ہے۔ مسئلہ کشمیر لاینحل پڑا ہے۔ انڈیا ہمیں ہڑپ کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے ہمارے حلیف ہندوؤں سے ملے ہوئے ہیں ہم امریکہ کی آغوش میں گھسیں تو خروشیف (روس کا وزیر اعظم) دھمکاتا ہے۔ روس کا رخ کریں تو لندن سے واشنگٹن تک ایک کہرام بپا ہو جاتا ہے ان تمام مشکلات کا واحد حل اللہ سے رابطہ ہے۔ اگر اللہ ہمارا ہو جائے تو پھر ہم اس قدر قوی، پر ہیبت اور عظیم بن جائیں گے کہ ہماری للکار سے بھارت پر لرزہ طاری ہو جائے گا اور ہماری ایک ضرب سے بت کدہ ہند پاش پاش ہو جائے گا۔ اگر ہم عشق کی قوت سے محروم رہے تو سب کچھ کھو بیٹھیں گے اللہ ساتھ نہ ہو تو کوئی قدم سیدھا نہیں پڑتا، کوئی تدبیر کارگر

Marfat.com

نہیں ہوتی اور کوئی تیر نشانے پہ نہیں بیٹھتا۔ عشق بڑی چیز ہے بہت بڑی قوت ہے، ایک بے نظیر وسیلہ عظمت ہے اور کائنات کی سب سے بڑی دولت ہے، اس لئے اے خدا اور رسول کا نام لینے والو!

واذکر اسم ربك بکرۃ واصیلا ومن الیل فاسجد له وسبحه لیلا طویلا.... (الدھر)

صبح وشام اللہ کو پکار اور رات کو سجدوں میں گرو اور اس کی حمد وثنا کے گیت گاؤ۔

کامیاب نصاب

ہمارے لئے وہی نصاب کار آمد ہو سکتا ہے جو:۔

۱۔ ہمارے علم میں اضافہ کرے۔

۲۔ اخلاق عالیہ کا درس دے۔

۳۔ اللہ سے ہمارا رابطہ استوار کرے۔

۴۔ اور اس کے لکھنے والے صاحب فکر ونظر ہوں۔

ہم تشکیل سیرت اور تخلیق عشق کا کام اردو سے لے سکتے ہیں جو جماعت اول سے ایف اے تک لازمی ہے اردو کے نصاب میں کچھ اس قسم کی چیزیں ہونی چاہئیں۔

۱۔ گلستان کی طرز پر اخلاقی کہانیاں۔

۲۔ آیات، احادیث اور حکایات رومی کا سلیس ترجمہ۔

۳۔ صحابہ وصحابیات کے واقعات زندگی۔

۴۔ اپنے عظیم سپہ سالاروں، فرمانرواؤں، فلسفیوں، فقیہوں، اماموں، ججوں اور عالموں کے حالات۔

۵۔ آسان زبان میں اسلامی افکار ونظریات۔

۶۔ حکماء، اولیاء وانبیاء کے اقوال وحالات۔

۷۔ اوامر ونواہی کی تفصیل۔

Marfat.com

۸۔ غزوات وفتوحات۔
۹۔ بنیادی عقائد کی تفصیل۔
۱۰۔ بدکاری کے نتائج پر تاریخی والہامی شہادت۔
۱۱۔ خوف خدا، تقوی وعبادت کا بار بار درس۔
۱۲۔ اخلاقی صفات پر دل نشین انداز میں بحث وقس علی ہذا۔

ہمارے موجودہ نصاب میں یہ چیزیں موجود نہیں اس لئے اس سے نہ ہماری دنیا سنورتی ہے نہ عقبیٰ اور ہمارے موجودہ نظام تعلیم کا بنیادی نقص یہی ہے کہ ہمارا نصاب بے مقصد ہے۔

خداوندان تعلیم کا یہ فرض ہے کہ وہ فوراً اس طرف متوجہ ہوں اور ایسے لوگوں کی تلاش کریں جو نصاب کو بامقصد بنانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

خطرہ

لیکن خطرہ یہ ہے کہ ہمارے یہ دو ہزار تنخواہ پانے والے ڈائریکٹر ایک غریب مدرس کی بات قطعاً نہیں سنیں گے اور اس عظیم قوم کے بچوں کو گلہری، مکھی اور مکڑے کی کہانیاں پڑھا پڑھا کر تباہ کرتے رہیں گے۔ اگر آپ نے ان بچوں کو اپنی تہذیب، ثقافت، روایات، تاریخ کا دلدادہ نہ بنایا، راہ ومنزل سے آگاہ نہ کیا خدا اور رسول سے ان کا ناطہ نہ جوڑا تو یہ لازماً ٹیڈی بن جائیں گے اور وطن کی مقدس زمین کو گناہ سے بھر دیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ عیاش وبدکار اقوام زندہ رہنے کا حق کھو دیتی ہیں۔

وکاین من قریته تحت عن امر ربها ورسله فحاسنبا حسابا شدیدا او عذبناه عذاب تکرا فذاقت وبال امرها وکان عاقبته امرها خسرا اعدالله لهم عذابا شدیدا فاتقو الله یا اولی الالباب۔ (طلاق)

ایسی کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے خدا وانبیاء سے منہ موڑ لیا ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا انہیں خوفناک سزا دی۔ ان کے اعمال باعث وبال بنے ان کا انجام بڑا ہی عبرتناک تھا، ایک اور خوفناک عذاب (بعد از مرگ) ان کا منتظر ہے۔ اے اہل دانش اللہ سے ڈرو۔

Marfat.com

کیا اسلام عصر حاضر کا ساتھ دے سکتا ہے

بعض حلقوں سے دمادم یہ صدا اٹھ رہی ہے کہ اسلام کو عصر حاضر کے سانچوں میں ڈھال کر ''ماڈرن'' بناؤ۔ دو باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔

اول یہ کہ ان حضرات کے ہاں اسلام کا تصور کیا ہے؟

دوم کہ اسلامی تعلیمات میں کون سی چیز عصر رواں کا ساتھ نہیں دے سکتی اسلامی تعلیمات کا مقصد انسان کی دونوں دنیائیں سنوارنا ہے اور اس سلسلے میں جو ہدایات نافذ کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

(۱) سچ بولو (۲) مال حرام سے بچو (۳) چوری، ظلم، زنا، غیبت، خیانت، غرور، بدگوئی اور بدخلقی سے احتراز کرو (۴) حلم، عفو، خدمت خلق اور انکسار کو اپنا شیوہ بناؤ (۵) اپنی صفوں میں اتحاد رکھو (۶) اپنے اعدا کے لئے اسلحہ قوت و ہیبت فراہم کرو (۷) تمام کائنات کو علم کے زور سے مسخر کرو (۸) اگر علم کی تلاش میں چین بھی جانا پڑے تو جاؤ۔

ان ہدایات کو دوبار پڑھئے اور فرمایئے کہ کون سی چیز عصر رواں کا ساتھ نہیں دے سکتی؟ کیا اس دور میں کوئی ایسا معاشرہ کہیں موجود ہے جس کی بقاء کے لئے دیانت کی جگہ خیانت، عدل کے بجائے ظلم اور سچ کی جگہ جھوٹ ضروری ہو یا جو لاعلمی، بدخلقی، تکبر، جہالت اور عیاشی سے پروان چڑھ سکتا ہو البتہ چند چیزیں ایسی ہیں جو آدم جدید کے ہاں محل نظر اول ہیں۔

چور اور زانی کی سزا

چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا اور زنا کی سزا سو درے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ یہ بہت سخت ہیں اور انہیں ذہن جدید کبھی قبول نہیں کر سکتا اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہاتھ کاٹنا چوری کی انتہائی سزا ہے اس سے نیچے بھی کئی سزائیں ہو سکتی ہیں مثلاً جرمانہ، قید یا درے، عدالت نے جرم کی نوعیت دیکھ کر سزا دینا ہے، اگر کوئی لڑکا دوسرے لڑکے کی پنسل چرا لے تو اسے

Marfat.com

زیادہ سے زیادہ دو آنہ جرمانہ یا ایک چپت کی سزا دی جا سکتی ہے۔ اس کا ہاتھ کاٹنا سراسر ظلم اور خلاف انصاف ہوگا۔ اسلام کی بنیاد ہی عدل واحسان پہ رکھی گئی ہے اس لئے سزا نوعیت جرم کے مطابق ہوگی۔ قرآن نے انتہائی سزا مقرر کرنے کے بعد سزاؤں کا معاملہ عدالت کی دانش وخرد پہ چھوڑ دیا ہے اور یہ بات آج دنیا کی ہر عدالت میں ہو رہی ہے کہ ایک جرم کی سزا ضابطہ فوجداری میں سات برس قید لکھی ہوئی ہے۔ لیکن عدالت جتنی چاہے دیتی ہے۔

یوں تو جرائم کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے مثلاً مار پیٹ، دھوکہ، قمار بازی، شراب نوشی، اغلام، رشوت، خیانت وغیرہ لیکن قرآن حکیم میں صرف پانچ جرائم کی سزا درج ہے۔ قتل کی موت، چوری کی قطع دست، زنا کے سو درے اور بغاوت کی جلاوطنی سولی قتل یا قطع دست دیا اور باقی جرائم کی سزا انسانی اجتہاد پہ چھوڑ دی ہے یہی حال چوری کا ہے چوری ہزاروں طرح کی ہو سکتی ہے ہلکی، معمولی، خاصی، سنگین، خوفناک، ہولناک، بھیانک نہایت سنگین اور انتہائی بھیانک ان کے لئے سزا تجویز کرنا عدالت کا کام ہے۔ عدالت پہ صرف ایک ہی پابندی ہے کہ وہ انتہائی سزا سے آگے نہ جائے یعنی چور کو نہ آگ میں پھینکے نہ پھانسی دے۔

قطع دست

آدم جدید کہتا ہے کہ قطع دست کی سزا بہت سخت ہے اور خلاف انصاف ہے۔ بہت اچھا! فرض کیجئے کہ ایک غنڈہ پہلے آپ کی کار اور بندوق چراتا ہے اور پھر شہر سے دور کاروں اور ٹرکوں کو لوٹنا شروع کر دیتا ہے سینکڑوں وارداتوں کے بعد گرفتار ہوتا ہے چھ برس کے لئے جیل میں پھینک دیا جاتا ہے باہر آتا ہے پھر وہی کام شروع کر دیتا ہے کئی وارداتوں کے بعد پھر پکڑا جاتا ہے اس مرتبہ اسے چالیس دروں سات سال قید اور چالیس ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ملتی ہے۔ سزا کاٹنے کے بعد اس کی وارداتوں کی نوعیت شدید تر ہو جاتی ہے وہ بڑے بڑے بینک لوٹتا ہے اور گلیوں سے بچے اٹھا کر دور بیچ آتا ہے کیا ایسے سیاہ کار ظالم اور سنگدل ڈاکو کا دوسری یا تیسری مرتبہ ہاتھ کاٹ دینا ظلم ہے؟ اس سزا کو وہی شخص ظلم قرار دے سکتا ہے جو چور کا یار غار اور مال غنیمت میں برابر کا حصہ دار ہو۔

Marfat.com

زنا کی سزا

زنا کی انتہائی سزا سو درے ہے بشرطیکہ موقع کے چار گواہ موجود ہوں یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی غنڈہ کسی گھر میں مسلح ساتھیوں کے ساتھ داخل ہو کر کسی لڑکی کی عصمت تمام اہل خانہ کے سامنے لوٹ لے۔ کیا اس غنڈے کو سو درے لگانا ظلم ہے؟ ضروری نہیں زنا کی ہر واردات چار گواہوں کے سامنے ہو۔ ہو سکتا ہے گواہ صرف شوہر ہو۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے کہ ایک شوہر سفر سے گھر آیا دبے پاؤں خواب گاہ میں جا پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا ایک دوست بیگم صاحبہ کے ساتھ ہم بستر ہے۔ اس طرح کے حالات میں عدالت قید و بند کی سزا تو دے سکتی ہے لیکن انتہائی سزا نافذ نہیں کر سکتی کیونکہ گواہوں کی تعداد کم ہے۔

صلوٰۃ و عبادت

نئی نسل کہتی ہے کہ دنیا کی دیگر اقوام شب و روز کام کر رہی ہیں اور ہم اوقات کا ایک حصہ نماز میں گنوا دیتے ہیں۔ حساب یوں لگاتی ہے کہ اگر ہر آدمی ہر روز پانچ نمازوں میں دو گھنٹے صرف کرے تو ستر کروڑ مسلمانوں کے ایک ارب چالیس کروڑ گھنٹے ضائع ہو جائیں گے اگر ایک آدمی ایک گھنٹہ میں اوسطاً چار آنے کما سکتا ہے تو ساری قوم کو روزانہ 35 کروڑ مہینہ میں ساڑھے دس ارب اور سال میں بارہ کھرب ساٹھ ارب روپے کا نقصان ہوگا۔

جواباً اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ اول تو یہ حساب اور یہ انداز فکر ہی غلط ہے۔ اگر گھرانے کی آمدنی دو سو روپیہ ماہوار ہے تو نماز چھوڑنے سے اس میں اضافہ نہیں ہوگا اور نہ نماز پڑھنے سے کوئی کمی ہوگی، دوم۔ اسلام کا مقصد شکم پرست مہاجن اور سود خور دھوتی پرشاد نہیں بلکہ ایسی جماعت پیدا کرنا ہے۔

۱۔ جو دنیا کو امن و سلام کا پیام دے۔

۲۔ اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملائے۔

۳۔ گناہ کے خلاف جنگ کرے۔

۴۔ قناعت، صبر، تقویٰ، محبت، ایثار، رحم، عدل، احسان اور دیگر فضائل عالیہ کا درس دے۔

Marfat.com

۵۔ کاروان حیات کو منزل کا پتہ بتائے۔

۶۔ ایک ایسا معاشرہ پیدا کرے جو حرص، عیاشی، بدکاری، ستم، حسد، نفاق، دروغ، فریب اور بد دیانتی وغیرہ کی آلائشوں سے منزہ ہو۔

۷۔ اور انسانوں کو اس قوت و عظمت کی خبر دے جو اللہ سے رابطہ پیدا کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

اس خدامست وخود آگاہ قوم کو سیم وزر سے کیا تعلق اس کے ہاں ترقی کا پیمانہ اسباب عیش کی فراوانی نہیں بلکہ تطہیر وتزکیہ دل ہے اس کی سرمستیاں نا ونوش میں نہیں بلکہ ذکر وفکر میں ہیں، علم اس کا ساز ہے اور عشق اس کا سوز، یہ صاحب پناہ بھی ہے اور صاحب نگاہ بھی، اس کے ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے میں قلم ہوتا ہے اس کا سر خاک پر اور افلاک پر ہوتا ہے، یہ خاکی بھی ہے اور نوری بھی، بندہ بھی ہے اور فرشتہ بھی۔ ایں جہانی بھی ہے اور آں جہانی بھی۔ اس کی خودی خدائی ہے اور بے خودی جہاں آگاہی۔ ایسی عظیم وجلیل مخلوق کے متعلق یہ سوچنا کہ چند لمحات کے لئے اللہ کے تصور میں ڈوب جانے سے اتنے روپوں اور اتنے آنوں کا خسارہ ہوگا اس کے مذاق کی انتہائی توہین ہے۔

نماز خدا اور بندے کے درمیان ایک نوری رابطہ ہے جب انسان جبیں نیاز خاک پر رکھ کر رب العرش کو پکارتا ہے تو وہاں سے نور وسرور کی شبنم خیابان دل پہ ٹپکتی ہے اور کیف ومستی کی ایک دنیا بسا جاتی ہے عبادت اعتراف عبودیت اور ترک عبادت اللہ سے استغناء بغاوت ہے۔ یہ ایک عظیم لذت ومسرت اور رب العرش سے سلسلہ مودت ومحبت ہے دنیا دار بندہ زر ہے اور عابد ندیم خدائے اکبر، یہاں اگر کسی فرد کو صدر پاکستان کا قرب حاصل ہو جائے تو اس میں احساس بزرگی و عظمت پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ اس کا احترام کرتے ہیں۔ تو کیا خیال ہے اس شخص کے متعلق جو ندیم خدا بن جائے۔ حقیقتاً کائنات میں اس سے بڑی رفعت وعزت موجود ہی نہیں۔

آپ نے سنا ہوگا کہ جنگ احزاب میں کفار کے عظیم لشکر کو آندھی نے تباہ کر دیا تھا جنگ بدر میں چھ تلواریں ایک ہزار تلواروں پر غالب آگئی تھیں شام وایران کے میدانوں میں صحابہ کی

Marfat.com

مختصر سی فوج نے قیصر و کسریٰ کی مہیب عساکر کو سترپیہم شکستیں دی تھیں کس کے ایک اشارے سے قلزم کا سینہ چاک ہو گیا تھا اور کوہ طور جھک کر بنی اسرائیل کے سروں پر آ گیا تھا ذرا سوچئے یہ سب کچھ کیسے اور کیوں کر ہوا۔ جواب ایک اور صرف ایک ہے کہ وہ جلیل و جمیل لوگ اللہ کے پرستار تھے اللہ ان کے ساتھ تھا اللہ کے لاتعداد فرشتے ان کے معاون تھے، جب چاہتے تھے آندھیوں، طوفانوں اور بجلیوں تک کو اپنی مدد کے لیے بلا لیتے تھے۔

عبادت کے دو اور فائدے بھی ہیں:

اول:۔ کہ انسان بیمار نہیں ہوتا اور اگر پہلے سے بیمار ہو تو صحت ہو جاتی ہے۔ سائنس کو بالآخر یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ ذکر و فکر کی سرخوشی (مستی) سے خون کی تمام غلاظتیں جل جاتی ہیں اور تمام جراثیم امراض ہلاک ہو جاتے ہیں، یہ میرا ہزار بار کا تجربہ و مشاہدہ ہے اور رب عظیم شاہد ہے کہ میں درست کہہ رہا ہوں۔

دوم:۔ عبادت سے سکون و سرور کی لہر روح میں دوڑ جاتی ہے جسے رفتہ رفتہ رنگ استقلال مل جاتا ہے۔ مجنوں زندگی بھر لیلیٰ کے تصور میں غرق رہا یہی تصور اس کی زندگی اور سب سے بڑی لذت تھی، جو لوگ اللہ کو دل میں بسا لیتے ہیں اور خود اس کی ذات جمیل میں بس جاتے ہیں وہ ایک ایسی لذت میں کھو جاتے ہیں کہ جہاں، ہست و بود کا کوئی سانحہ انہیں پریشان نہیں کر سکتا۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

لوگو یہ بات کان کھول کر سن لو کہ سکون و اطمینان صرف اللہ کی یاد سے ملتا ہے۔

آج دنیا اور خصوصاً یورپ ترک عبادت کی وجہ سے سکون دل کی نعمت سے محروم ہیں۔

ہر چند وہاں کاریں بھی ہیں اور کوٹھیاں بھی، شراب و کباب بھی ہے اور چنگ و رباب بھی دولت کے انبار بھی ہیں اور حسن عشق کی بہار بھی، لیکن وہ لوگ انتہائی اضطراب کا شکار ہیں اور ان کی روح کسی گمشدہ دولت کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔ بات یہ ہے کہ سکون ایک خاص قسم کے نقطۂ نگاہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جس شخص کا مقصد روپیہ جمع کرنا اسے گن گن کر رکھنا ہزار کو لاکھ اور لاکھ کو

Marfat.com

کروڑ بنانا ہو وہ لالچ کے بھڑکتے ہوئے الاؤ میں جلتا رہتا ہے اسی طرح جو شخص حسینوں کا شکار کھیل رہا ہو وہ کبھی آتش فراق میں جلتا ہے اور کبھی آتش رقابت میں لیکن جو شخص اللہ کے دامن سے وابستہ ہو۔ اسے کائنات کی کوئی چیز اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتی اور اس کی دنیائے دل اس شاداب چمن کی طرح بن جاتی ہے جس میں چارسو قافلہ ہائے حسن و بہار خیمہ آرا ہوں۔

مخصوص عظمت

اسلام میں اعاظم رجال کا ایک خاص طبقہ نظر آتا ہے جو کہیں اور نہیں ملتا اور وہ ہے جماعت اولیاء اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے اسلام بحر الکاہل کے بعد ترین جزائر تک جا پہنچا تھا آج سے ایک ہزار سال پہلے خیبر سے لاہور تک ایک بھی کلمہ گو موجود نہیں تھا اور آج ایک بھی کافر نہیں ملتا یہ کس کا اعجاز ہے صرف چند خرقہ پوشوں کا جن میں حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور حضرت سلطان باہوؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ملک سپاہ سے فتح ہوتے ہیں اور دل نگاہ سے۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپاہ کی تیغ بازی وہ نگاہ کی تیغ بازی (اقبالؒ)

قلعوں کا فتح کرنا آسان ہے لیکن دلوں کی تسخیر آسان نہیں اس کے لئے داتا کی نگاہ اور اجمیری کا غمزہ سرکش چاہئے۔ اگر دل صرف علم سے مسخر ہو سکتے تو ابوالکلام آزاد سارے ہندوستان کو حلقہ بگوش اسلام بنا جاتے لیکن وہ اپنی بہتر سالہ زندگی میں کسی ایک فرد کا عقیدہ بھی نہ بدل سکے اور دوسری طرف یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایک دن کئی ہزار ہندو خواجہ اجمیری کو صرف دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ نگاہوں میں یہ ساحری اداؤں میں یہ دلبری اور حسن میں یہ رعنائی صرف عبادت سے پیدا ہوتی ہے۔

عبادت ہماری قوت، ہماری عظمت ہمارا حسن ہماری پناہ گاہ اور ہمارا حصار ہے اگر اسلام عبادت کو لازمی قرار نہ دیتا تو واللہ یہ نظام ایک پیکر بے روح بن کر رہ جاتا۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ دنیا کے تمام کام چھوڑ کر گوشتہ عبادت میں جا بیٹھو بلکہ یہ ہے کہ سرور دو عالم ﷺ اور صحابہ اکرام کی طرح دنیا بھر کے کام کرو، روزی کماؤ، پڑھو، پڑھاؤ ملک کے انتظام

Marfat.com

کرو، گھر بناؤ، نکاح کرو، کاریں خریدو، محل بناؤ جو چاہو کرو لیکن اللہ کو دیدہ و دل سے اوجھل نہ ہونے دو۔ ہر روز پانچ وقت اس کے حضور میں جاؤ اور اس کے تصور میں ڈوب کر اسے پکارو بس اتنا سا عمل تمہاری شخصیت کو پرکشش تمہارے چہروں کو حسین تمہاری نگاہوں کو سحر کار تمہاری حیات کو پرسکون اور تمہارے مستقبل کو روشن بنا دے گا اور بعد از مرگ تمہیں جوار یزداں میں پہنچا دے گا۔

آج یورپ کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ سلطنت، سیاست، تدبر، تمول، قوت وغیرہ وغیرہ لیکن بایں ہمہ وہ سکون و اطمینان کی دولت سے محروم ہیں وہ دو ہولناک جنگوں کا شکار ہو چکا ہے اور اب اس کے سر پر تیسری جنگ کی تلوار لٹک رہی ہے وہاں عورتوں کی آزادی و بے راہ روی کی وجہ سے ہر گھر برباد اور ہر نوجوان آوارہ و ناشاد ہے تاجر حریص، حاکم عیاش اور عوام اس حد تک نامطمئن ہیں کہ جب تک خواب آور گولیاں نہ کھائیں ان میں سے اکثر کو نیند ہی نہیں آتی۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ ان کا رشتہ اللہ سے منقطع ہو چکا ہے اور اب یورپ ایک ایسے کھڈ کے دھانے پر کھڑا ہے جس کی تہہ میں سرخ لاوا کھول رہا ہے۔

عبادت کو اسلام سے خارج کرنے کا مشورہ وہی دے سکتا ہے جو حقائق بالا سے بے خبر اور عبادت کے عظیم اثرات سے ناآشنا ہو۔

روزہ

صوم کے فوائد سے آپ آگاہ ہیں۔

۱۔ اس سے صحت بہتر ہوتی ہے۔

۲۔ جفاکشی کی عادت پڑتی ہے جو قومی بقاء کے لئے نہایت ضروری ہے۔

۳۔ تمام عادات مثلاً مے نوشی، تمباکو، چرس وغیرہ سے نجات مل جاتی ہے۔

۴۔ بدگوئی، غیبت، دنگہ فساد اور گالی گلوچ سے بھی جان چھوٹ جاتی ہے اور اس طرح صائم تقویٰ و پاکیزگی کی ایک خاص سطح پہ جا پہنچتا ہے اور آپ جانتے ہیں تقویٰ بہت بڑی قوت ہے۔

مت بھولئے کہ کائنات کی مہیب طاقتیں دو ہیں علم جس سے ہم ساری کائنات مسخر کر سکتے

Marfat.com

ہیں اور تقویٰ یعنی اللہ سے رابطہ عبادت۔

صوم میں رعایت

قرآن کریم نے صائم کو یقیناً رعایات عطاء کی ہیں۔

۱۔ کہ اگر تم سفر میں ہو۔

۲۔ یا بیمار ہو تو روزہ نہ رکھو اور بعد میں اس گنتی کو پورا کر لو۔

۳۔ اگر روزے میں تمہیں کوئی دقت محسوس ہوتی ہو مثلاً پیری کی وجہ سے شاق گزرتا ہو یا جون کی دوپہر کو سڑک کھودنے پر مجبور ہو یا اپنے فرائض کو ادا نہیں کر سکتے تو ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دو لیکن یاد رکھو روزہ فدیہ سے بہتر ہے۔

صدقہ وزکوٰۃ

جسم کی نشوونما صحت مند غذا سے ہوتی ہے اور روح کی بالیدگی نیکی سے نیکیوں میں صدقہ و عبادت کو ایک مقام بلند حاصل ہے۔ ایک چور دوسروں سے ان کی کمائی چھینتا ہے اور اسی لئے گردن زدنی ہے لیکن ایک نیک انسان اپنی کمائی سے غربا و مساکین کو پالتا ہے اور اس لئے خدا اور خلق کا محبوب بن جاتا ہے۔ روح کو جو سرور و کیف دینے سے ملتا ہے وہ لینے میں کہاں، دنیا کے بیشتر ادارے صدقہ و خیرات سے چل رہے ہیں مثلاً علی گڑھ یونیورسٹی، اردو کالج کراچی، دیال سنگھ کالج، تمام اسلامیہ کالج اور آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیاں، بیشمار شفاخانے اور کتب خانے، ظاہر ہے کہ ایسا مفید حکم عصر رواں کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

حج

رہا حج، یعنی بیت اللہ الحرام کی زیارت تو اس کے فوائد اس قدر واضح ہیں کہ مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں تمام مسلمانان عالم کا ایک مرکز پر ایک لباس میں ہر سال جمع ہونا وحدت ملی کا قدیم الشال مظاہرہ ہے۔ کعبہ میں پہنچنے سے اس مرد جلیل کی داستان دماغ میں گھومنے لگتی ہے جسے نمرود نے آگ میں پھینک دیا تھا جس نے خواب میں اشارہ پا کر بیٹے کے گلے پر چھری چلا

Marfat.com

دی تھی، جس کے مقدس ہاتھوں نے کعبہ تعمیر کیا تھا، جس کی پشت سے انبیاء کا وہ عظیم سلسلہ شروع ہوا جس کی آخری کڑی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

بیت اللہ الحرام کا ماحول اس قدر موثر ہے کہ جو شخص وہاں جاتا ہے اس کی دنیا ہی بدل جاتی ہے وہ خدا و انبیاء سے یوں منسلک ہو جاتا ہے کہ زندگی کی کوئی ترغیب یا تربیت اسے اپنے مسلک سے نہیں ہٹا سکتی۔

لباس وغیرہ

اسلام نے لباس پر کوئی پابندی نہیں لگائی، صرف اتنا ہی کہا ہے کہ لباس انسان کی زینت ہے اسے صاف و پاک رکھو شلوار پہنو یا پتلون، سر پر کلا ہو یا ہیٹ، اسلام کو کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ کوئی چیز عبادت میں مخل نہ ہو عورتوں کا لباس ایسا ہونا چاہئے کہ ہاتھ پاؤں اور چہرے کے سوا کوئی اور حصہ جس سے جسم عریاں نہ ہو۔ وہ گھروں سے باہر جائیں تو اپنی تمام آرائش و زینت کو ایک بڑی چادر (برقعہ وغیرہ) سے ڈھانپ لیں نامحرم سے بات کرتے وقت نگاہ نیچے رکھیں۔

ریش

قرآن عظیم نے بالوں کو جزو مذہب نہیں بنایا۔ داڑھی ہر زمانے میں وقار بزرگی کا نشان رہی ہے۔ تمام انبیاء اولیاء داڑھی رکھتے تھے اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تتبع میں داڑھی رکھتا ہو تو اسے مبارک ہو اور اگر کوئی نہیں رکھتا تو ہم اسے ناقص الاسلام نہیں کہہ سکتے اسلام چند اخلاقی و روحانی اقدار کا نام ہے۔ کسی فرد میں یہ اقدار موجود ہیں تو مسلم ہے خواہ وہ باریش ہو یا بے ریش۔

تفاصیل بالا سے یہ حقیقت آپ پر کھل گئی ہوگی کہ اسلام کی بلند تعلیمات ہر دور میں انسانی نور و فلاح کی ضامن ہیں اور ان میں کسی قسم کا رد و بدل گویا خدائے علیم و خبیر کو حکمت و دانش پر نکتہ چینی کرنا ہے۔

Marfat.com

انگریزی اور ملت پاکستان

(صدر پاکستان نے 1958ء میں ایک تعلیمی کمیشن بنایا تھا۔ اس کمیشن نے سفارش کی ہے کہ انگریزی زبان کو مزید پندرہ برس کے لئے اعلیٰ درسگاہوں اور دفاتر حکومت میں رائج رکھا جائے میرے ناقص نقطہ نگاہ سے یہ سفارش بوجہ ذیل ایک ملی حادثہ ہے)

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کے دودھ کے ساتھ ماں کی زبان بھی اس کی روح میں تحلیل ہونے لگتی ہے۔ بڑا ہو کر وہ اسی زبان میں بولتا اور گاتا ہے۔ ادب عالیہ دراصل روح کی آواز ہے، جو گیتوں اور نثر پاروں میں ڈھل جاتی ہے اگر کسی قوم کی دانش گاہوں میں اس کی مادری زبان ذریعہ تعلیم نہ ہو تو اس کی روح بے آواز رہ جاتی ہے اور اس کا ادب اول تو معرض وجود میں آتا ہی نہیں اور اگر آئے بھی تو بے جان و بے رواں ہوتا ہے۔ جس طرح آم اور لیچی کے درخت ایک خاص ماحول میں پرورش پاتے ہیں اسی طرح ایک قوم کا ادب اس کی زبان کی آغوش ہی میں جوان ہو سکتا ہے، ادب روح کی تخلیق ہے اور روح مادری زبان ہی میں بول سکتی ہے۔ اگر اقبالؒ انگریزی میں شعر کہتے ہیں، تو شاید ان کی طرف ایک دل بھی متوجہ نہ ہوتا لیکن جب ان کی عظیم روح اردو اشعار میں ڈھل کر سامنے آئی تو دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے قلب و دماغ میں نور و سرور کی ایک دنیا بسا گئی۔ اگر حسرت، تاثیر، پطرس، جوش، نیاز وغیرہ انگریزی میں لکھتے تو تمسخر بن کر رہ جاتے۔ اگر آج ہمارے ادب میں کچھ جان ہے تو انہی حضرات کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ یہ لوگ یونیورسٹیوں کی تخلیق نہیں بلکہ رائج نظام تعلیم کے خلاف بغاوت کا نتیجہ تھے۔ ان لوگوں نے اپنی روح کو ناطق و گویا رکھنے کے لئے ایک ایسی زبان میں مہارت پیدا کی جس کی حیثیت ملکی درس گاہوں میں بلیچھ سے زیادہ نہیں تھی۔

کون نہیں چاہتا کہ جسمانی دھندوں سے فراغت پانے کے بعد وہ روحی تقاضوں کی تسکین کا بھی سامان کرے۔ ہلکی پھلکی کتابیں پڑھے، محبت کے گائے ہوئے گیت سنے، ملکی ادب میں

Marfat.com

اپنی قوم کے ذہن و کردار کی تصویر دیکھے اور اپنے ادیبوں کی لکھی ہوئی کہانیوں میں اپنی داستان پڑھے۔ کیا یہ چیز انگریزی میں ہو سکتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو گزشتہ ڈیڑھ سو برس میں آخر ایک ایسا ادیب تو ہندوستان میں پیدا ہوتا جس کی تخلیقات کو ہماری روح قبول کرتی، ایسا کوئی نہیں اور نہ آئندہ کوئی ہو گا۔

اپنے دیہات میں گھومئے آپ کو گھر گھر ماہئے، ڈھولے، ہیر، بلھے شاہ اور باہو کی کافیوں کا چرچا ملے گا، یہ کیوں؟ اس لئے کہ ان شاعروں کی روح انگریزی زبان کی کال کوٹھریوں میں مقید نہیں تھی، یہ لوگ واردات دل اپنی ماں کی پیاری زبان میں سناتے رہے اور دل کی بات دل ہی میں جا ٹھہرتی ہے۔ بقول جگر۔

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو

روح سنے اور روح سنائے

ان گیتوں میں کہیں وصل و انتظار کی داستانیں ہیں، کہیں قدیم روایات کی کہانی، کہیں جان کائنات کے سامنے بے تاب روح کی گڑگڑاہٹ اور کہیں پاکیزہ و بلند اقدار آدمیت کی تفصیل۔ یہ گیت کانوں تک پہنچتے ہی دل میں اتر جاتے ہیں اور ہماری روح میں یوں جذب ہو جاتے ہیں، جیسے برسات کی ہواؤں میں نم۔ یہی ہمارا سرمایہ ہے اور اسی پر ہم نازاں ہیں۔

انگریزی زبان کی افادیت

انگریزی زبان کی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسی زبان ہے جو علوم و فنون سے مالا مال ہے۔ ان علوم تک پہنچنے کے راستے دو ہی ہیں کہ یا تو ہم انگریزی پڑھیں اور یا ان علوم کو اپنی زبان میں منتقل کریں۔ تعلیمی کمیشن نے پہلا راستہ اختیار کیا ہے اور دوسرے کے متعلق اتنا ہی نہیں بتایا کہ تصنیف و ترجمہ کے ادارے کب بنیں گے؟ کون بنائے گا؟ اور اس کی رفتار کار کیا ہو گی۔

اگر حکومت آج اعلان کر دے، کہ سائنس، تاریخ، فلسفہ، تنقید، آئین، قانون، شہریت، اقتصادیات و دیگر علوم کی دس دس کتابیں ترجمہ کرنے کے لئے سو آدمی مطلوب ہیں۔ جنہیں پانچ

Marfat.com

روپیہ فی صفحہ کے حساب سے معاوضہ دیا جائے گا تو پانچ پانچ سو صفحات کی سو کتابیں سو دنوں میں ترجمہ ہو جائیں۔ میں نے القفطی کی مشہور عربی کتاب تاریخ الحکماء جو چھ سو صفحات پر مشتمل تھی اسی دنوں میں ترجمہ کر ڈالی تھی، پانچ سو صفحات کی ایک کتاب کے ترجمہ و طباعت پر اندازاً پانچ ہزار خرچ آتا ہے اگر طباعت و اشاعت کا کام بھی حکومت ہی کو کرنا پڑے تو ایک لاکھ میں بیس، دس لاکھ میں دو سو کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔ اگر رقم دگنی کردی جائے تو ایک برس میں چار سو اور دس برس میں چار ہزار کتابیں ترجمہ ہو سکتی ہیں لیکن یہ کام کرنے ہی سے ہوگا۔

روسی ۱۹۱۸ء تک اور چینی ۱۹۵۴ء تک جہالت میں رسوائے عالم تھے، آج علوم و فنون کے امام مانے جاتے ہیں یہ لوگ اپنے بچوں کو سائنسی علوم انگریزی میں نہیں پڑھاتے ان بلند ہمتوں نے مختلف یورپی زبانوں کا سائنسی ادب اپنی زبانوں میں منتقل کر لیا ہے۔ کیا ہم یہ کام نہیں کر سکتے؟ دو منٹ کے لئے تسلیم کیجئے کہ اردو کا دامن سائنسی علوم سے خالی ہے اس لئے سر دست اس میں سائنسی علوم کی تدریس اعلیٰ پیمانے پر نہیں ہو سکتی لیکن قوم کو یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے۔

۱۔ کہ بی اے میں تاریخ، شہریت اور جغرافیہ جیسے مضامین کو انگریزی میں کیوں پڑھایا جا رہا ہے؟ اگر مقصد یہ ہو کہ بچے انگریزی میں زیادہ ماہر ہو جائیں تو میں پوچھتا ہوں کہ ہم نے گذشتہ ڈیڑھ سو برس میں ایسے ماہرین کتنے پیدا کئے ہیں؟ ماضی کو جانے دیجئے یہ فرمائیے کہ اس وقت اس زبان کو صحیح لکھنے والے کتنے ہیں شاید ایک سو بھی نہ ہوں۔ اگر ہوں بھی تو ہمارے کس کام؟ کیا قوم کے ہزارہا بچوں کو محض اس لئے انگریزی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے کہ شاید ہر سال دو چار اچھے مقرر پیدا ہو جائیں یہ مقصد تو کوئی مقصد نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بین الاقوامی حلقوں مثلاً اقوام متحدہ وغیرہ میں انگریزی کی ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے تو میں عرض کروں گا کہ جب انہی اداروں میں دیگر تمام نمائندے اپنی اپنی زبانوں میں خطاب کرتے ہیں تو ہماری راہ میں کونسی رکاوٹ ہے۔

۲۔ یہ کیوں ہے! کہ ہر کالج کا پرنسپل اسناد و انعامات کے جلسے میں انگریزی میں رپورٹ پڑھتا ہے؟ پرنسپل پاکستانی، طلبہ پاکستانی، مہمان پاکستانی اور تقریریں انگریزی ہیں۔

Marfat.com

۳۔ یہ کیوں ہے کہ پاکستان کے تمام دفاتر انگریزی میں خط و کتابت کر رہے ہیں۔ حکام ماتحتوں سے یہی زبان بول رہے ہیں۔ نوٹنگ اور ڈرافٹنگ تب اسی زبان میں ہو رہا ہے۔ اگر انگلستان میں یہی حرکت کوئی انگریز کر بیٹھے یعنی کوئی حکم، اردو، چینی، روسی یا فارسی میں جاری کر دے تو قوم اسے اٹھا کر رود بار انگلستان میں پھینک دے۔

انٹرویوز

انٹرویو کا مقصد تو یہ ہے کہ امیدوار کی ذہنی صلاحیتوں کے متعلق کوئی رائے قائم کی جائے۔ یہ مقصد تبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ امیدوار سے اس کی اپنی زبان میں سوال پوچھے جائیں۔ اگر ہم ایک جرمن سے پشتو میں گفتگو شروع کر دیں تو ظاہر ہے کہ وہ منہ تکتا رہ جائے گا۔ ہمارے ملک میں یہ حادثہ ہر امیدوار کے ساتھ ہو رہا ہے۔ سروس کمیشن اور دیگر بورڈز میں بڑے بڑے انگریزی دان بیٹھ جاتے ہیں۔ جب ایک امیدوار ڈرتے کانپتے سامنے آتا ہے تو انگریزی میں الجھے ہوئے سوالات اس سے پوچھے جاتے ہیں۔ امیدوار کی نس نس سے پسینہ پھوٹ نکلتا ہے۔ اس کی سانس تیز ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ دیوانے کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ کتنے ہی ایسے جوہر قابل ہیں جو ان انٹرویوز کا شکار ہو کر رہ گئے اور نااہل منتخب ہو گئے۔

میں خود کئی مرتبہ اس حادثے سے دو چار ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ ایک بورڈ کے سامنے گیا تو ایک ممبر نے میری اپنی کتاب ''قرآن'' کے متعلق انگریزی میں سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ اس کتاب میں کافی سائنسی نظریات بیان ہوئے ہیں۔ میں ٹھہرا آرٹس کا طالب علم، سائنسی اصلاحات سے ناآشنا۔ چنانچہ میں اپنی اس تخلیق کے متعلق بورڈ کو مطمئن نہ کر سکا اور اس نے مجھے نالائق سمجھ کر مسترد کر دیا۔

میرے ایک دوست جو ایم۔ اے عربی فرسٹ کلاس اور ایم۔ اے اسلامیات سیکنڈ کلاس ہونے کے علاوہ مدارس نظامیہ کے فارغ التحصیل تھے اور عربی کے لیکچرار بننا چاہتے تھے۔ چار مرتبہ انٹرویو میں محض اس لئے ناکام رہے ہیں کہ وہ رواں انگریزی نہیں بول سکتے تھے۔ حالانکہ ایم۔ اے تک عربی اردو میں پڑھائی جاتی ہے اور انگریزی کسی منزل پر بھی ذریعہ تعلیم نہیں۔ تو صورت

Marfat.com

حال یوں ہوئی کہ فوج میں کوئی افسر لینا ہو یا کالج میں کوئی لیکچرار، ایکسائز کا کوئی انسپکٹر درکار ہو یا کسی دفتر میں کوئی اکاؤنٹنٹ، اگر امیدوار انگریزی بول سکتا ہے تو بہت اچھا ہے ورنہ نالائق۔

اقدار

اسلام دو قسم کی اقدار کا قائل ہے ایک وہ جو حالات زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی جاتی ہیں۔ مثلاً نظام سلطنت کیسا ہو، شخصی یا جمہوری، وزراء منتخب ہوں یا نامزد عدلیہ کی تشکیل کیسی ہو، ریل اور ڈاک کے قوانین کیا ہوں، لباس کیسا پہنا جائے، سر کے بال کس وضع کے ہوں، وقس علی ہذا اور دوسرے وہ جو محکم اٹل اور نا قابل بدل ہیں، مثلاً عدل، حیات، عفت، احسان، رحم، ایثار، حصول علم، تنظیم، ایمان، توحید، محبت وغیرہ، یہی وہ اقدار ہیں جن کے زوال سے قومیں تباہ ہوتی رہیں اور جن کی بقا حیات ملی کی ضامن ہے۔ ان کی اقدار کی تفصیل یا تو عربی و فارسی میں ملتی ہے یا اردو میں، اردو میں رشتہ منقطع ہونے کے بعد ان اقدار کو زندہ رکھنا مشکل ہے۔

ہر زبان کا ادب قومی کردار کا آئینہ ہوتا ہے۔ جہاں جہاں یہ ادب پہنچتا ہے اس قوم کے افکار و نظریات اور اقدار حیات کو بھی ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان افکار و اقدار میں کچھ اچھی ہوتی ہیں اور کچھ بری۔ برے اثرات کو زائل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اپنی اقدار اپنی زبان میں دیں۔ اگر اجنبی افکار کا زہر ہمارے معاشرہ کے رگ و پے میں داخل ہوتا رہا اور اس کا علاج نہ کیا گیا تو دیر زود ہمیں اس کے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔

اب مغرب سے یہ صدا اٹھ رہی ہے کہ مذہب کو زمین سے اور خدا کو آسمان سے نکال دو، زن و مرد کے میل ملاپ پر سے پابندیاں اٹھا دو، پیٹ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کے گرد گھومتے رہو جنسیت بلند ترین جذبہ ہے، اس کی خاطر سب کچھ کر گزرو، بھینس اسی کی ہے جس کے پاس لاٹھی ہے۔ انسان کی فوقیت رنگ و نسل کی وجہ سے ہے، سب سے بڑا قبلہ وطن ہے جتنے وطن اتنی ہی قومیں ہیں۔

کیا کوئی مخلص پاکستانی یہ برداشت کر سکتا ہے کہ نوجوانان پاکستان افکار و نظریات کی ان تند آندھیوں میں تنکوں کی طرح اڑتے پھریں؟ کچھ فرائڈ کی گود میں چلے جائیں، کچھ کارل مارکس

Marfat.com

کے گرد جمع ہو جائیں، کچھ یورپ کی عیش کوشی کو اپنا دین بنا بیٹھیں اور اقبال اور قائداعظم کی عظیم روحیں تڑپتی رہ جائیں۔

آج ہر دوسرے یا تیسرے پاکستانی گریجوایٹ کی کیفیت یہ ہے کہ اسلام کی اقدار عالیہ سے ناآشنا ہے۔ حیات بعدالموت کا منکر ہے۔ قرآن کو دور جدید کے تقاضوں کے لئے ناکافی سمجھتا ہے، ان میں سے بعض خدا تک سے انکاری ہیں اور انسانیت کبریٰ کے تصور تک سے بیگانہ ہیں۔ اگر اس صورتحال کا جلد علاج نہ کیا گیا تو ملت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ہمارا کارواں ایک بے مقصد و بے منزل بھیڑ بن کر رہ جائے گا۔

دروغ گوئی

انگریزی بڑی ٹیڑھی زبان ہے۔ اس کے محاورات لاتعداد اور الجھے ہوئے ہیں۔ مترادفات میں تمیز بہت مشکل ہے ہزار میں سے بمشکل ایک یا دو طلبہ ایسے نکلتے ہیں جو اس زبان کو کسی حد تک صحیح بول یا لکھ سکتے ہوں۔ پھر ہمارے ہاں انگریزی زدہ حکام کی دماغی کیفیت یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں اور دوستوں سے انگریزی میں بات کرتے ہیں، مخاطب احتراماً انگریزی میں جواب دینے کی کوشش کرتا ہے اور جہاں زبان ساتھ نہیں دیتی وہاں جھوٹ بھول کر جان چھڑا لیتا ہے، فرض کیجئے کہ ایک کلرک کے کولہے میں درد ہو رہا ہے اور وہ اپنی کرسی پر بیٹھا کراہ رہا ہے اوپر سے افسر آ جاتا ہے اسے دیکھ کر پوچھتا ہے''What is wrong with you'' اب کلرک نہ کولہے کی انگریزی جانتا ہے۔ نہ ''درد'' کی اس لئے وہ ''Nothing Sir'' کہہ کر جان چھڑا لیتا ہے۔ یہ حادثہ کلرکوں ہی کو پیش نہیں آتا بلکہ ہر روز ہزار ہا ملازمین اس مصیبت کا شکار بنتے ہیں اور یوں اچھے خاصے شریف آدمیوں کو بلاوجہ جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور جھوٹ دیگر تمام قبائح مثلاً منافقت، وعدہ شکنی، خیانت، بددیانتی وغیرہ کے دروازے کھول دیتا ہے۔

مسخرا پن

چھوٹے بڑوں کی نقل اتارتے ہیں۔ جب بڑے لوگ اٹھتے، بیٹھتے انگریزی بولتے اور اس پر اتراتے ہیں تو چھوٹوں میں بھی بڑا بننے کا شوق پیدا ہوتا ہے، مافی الضمیر کو مکمل طور پر ادا نہیں

Marfat.com

کر سکتے اس لئے ایک فقرہ اردو کا اور دوسرا انگریزی کا بولتے ہیں، ان کی زبان کچھ اس طرح کی ہوتی ہے۔

میرا guess یہ ہے کہ سٹ کانفرنس میں Disarmament اور کنٹرول آن اٹامک انرجی کے علاوہ انڈو چاینا ڈسپیوٹ اور ٹرمینیشن آف کمیونسٹک سفیر بھی انڈر ڈس کشن آئیں گے And my opinion is that ایسٹ اور ویسٹ میں کلیش Invitablo ہے"۔

یہ ہے وہ زبان جو پاکستانی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ ہر مقام پر ہر وقت بول رہے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان ایک سٹیج ہے جس پر ہم لوگ مسخروں کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔

اصل اور نقل

معتبر راوی کا بیان ہے کہ موجودہ حکومت کے ایک سیکرٹری کراچی سے سوار ہوئے۔ اس ڈبے میں ایک انگریز بھی سفر کر رہا تھا۔ ٹرین چل پڑی تو سیکرٹری اور انگریز میں گفتگو ہوئی۔

سیکرٹری:۔ سناؤ صاحب! کیہہ حال اے۔ بال بچے راضی نے۔

انگریز:۔ "Sorry, I dont follow you"

سیکرٹری:۔ میں پچھداہاں، تیرا گھر کھتے ہے، گھر۔ گھر۔

انگریز:۔ ہماڑا گھر لنکا شائیر۔

سیکرٹری:۔ بیوی نال ای، کہ چھڑا چھانڈا ای۔

انگریز:۔ بیوی لوگ ادھر ولایت میں ہونا مانگتا۔

اس نہج پر گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ کوئی بڑا اسٹیشن آ گیا۔ جہاں اس سیکرٹری کے کچھ ماتحت افسر پلیٹ فارم پر انتظار کر رہے تھے۔ سیکرٹری نے سر باہر نکالا، ان سے انگریزی میں چند ایک باتیں کیں۔ جب گاڑی چل پڑی تو اپنی سیٹ پر واپس آ گیا، اس اثناء میں انگریز کا پارہ کافی چڑھ چکا تھا۔ اس نے غصے سے پوچھا۔

انگریز:۔ جب آپ اتنی اچھی انگریزی بول سکتے ہیں تو اتنی دیر تک مجھے کیوں خراب کرتے رہے؟

Marfat.com

سیکرٹری:۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا تھا کہ آپ پاکستان میں ہیں اور آپ کا یہ فرض ہے کہ اس ملک کے باسیوں سے ان کی زبان میں گفتگو کریں۔ ولایت میں آپ اصل ہوتے ہیں اور ہم نقل، ہمیں بھی یہ موقعہ ملنا چاہیے کہ کسی وقت ہم اصل کا پارٹ ادا کر رہے ہوں اور آپ نقل کا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ ولایت میں بھی اصل ہوں اور پاکستان میں بھی اور ہم دونوں جگہ نقل ہی رہیں۔

انگریز:۔ اس نادر خیالی سے بہت متاثر ہوا۔

یہ کتنا بڑا قومی حادثہ ہے کہ ہم ملک کے اندر اور باہر ہر جگہ مسخرے اور نقال کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ ہماری نہ کوئی زبان ہے نہ کوئی لٹریچر، نہ ثقافت اور نہ روایات۔ بیرونی ممالک سے چند سطحی سی چیزیں سیکھ آتے ہیں اور انہیں اپنے ملک میں رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس قوم کے پاس خدا کا آخری اور مکمل پیغام موجود ہو، جس کی تاریخ عظیم و جمیل روایات سے لبریز ہو، جس کا ماضی غزالی، رومی، ابن حنبل، ابن قیم، رازی، طوسی اور اس قسم کے ہزار ہا آفتابوں اور مہتابوں سے درخشاں ہو، جس کے پاس اقبال و غالب جیسے شعرا، داتا، عطار، اجمیری اور جنید جیسے اہل دل، ابن خلدون و البیرونی جیسے مؤرخ، جاحظ و کندی جیسے علمائے طبیعی، ابن رشد و رازی جیسے فلسفی، بخاری و مسلم جیسے محدث، ابن تیمیہ و ولی اللہ جیسے محقق، طارق، خالد اور ابن قاسم جیسے جرنیل، فاروق اعظم و حیدر جیسے خلفائی، اتاترک و قائداعظم جیسے رہنما موجود ہوں اسے نقال بننے کی ضرورت کیا ہے۔

انگریز کا اردو سے سلوک

جب کوئی قوم کسی دوسرے ملک پہ قابض ہو جاتی ہے تو محکوموں کی قومیت، حمیت، تہذیب، ادب، زبان اور روایات کو ختم کرنے کے لئے کئی قدم اٹھاتی ہے۔ ان میں سے مہلک ترین یہ کہ دفتروں اور سکولوں میں اپنی زبان جاری کر دیتی ہے اور جو محکوم اس اجنبی زبان میں کچھ دسترس پیدا کر لیتے ہیں انہیں راج دربار میں بڑا مقام دیتی۔ اپنی زبان بولنے والوں سے توہین آمیز سلوک کرتی ہے اور رفتہ رفتہ ملکی زبان علوم وفنون سے خالی ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

گذشتہ دو سو برس میں انگریز نے جو سلوک ہماری زبان سے کیا اس سے آپ آگاہ ہیں۔ اسے دفتروں، عدالتوں اور درسگاہوں سے نکال باہر کیا اور جن لوگوں نے اس زبان میں مہارت پیدا کی انہیں کوئی مقام نہ دیا۔ اگر کیا بھی تو صرف اتنا کہ بارہ روپے کا پٹواری بنا دیا یا پندرہ روپے کا دیہاتی مدرس اور یا چنگی محرر۔

انگریز چلے گئے لیکن اردو کی بیکسی کا وہ عالم ہے کہ آج تک کسی مجسٹریٹ یا جج کو اردو میں فیصلہ لکھنے کی جرات نہیں ہوئی۔ آج تک کسی پرنسپل نے اپنی سالانہ رپورٹ اردو میں نہیں لکھی، آج تک لاہور سیکرٹریٹ سے کوئی خط اردو میں جاری نہیں ہوا اور اب تک کسی یونیورسٹی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اردو کو لازمی قرار دے۔ ہمارے ہاں ایسے افراد بھی موجود ہیں جنہوں نے آج تک نجی خطوط اردو میں نہیں لکھے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے منہ سے اردو کا کوئی جملہ کسی شدید مجبوری کے سوا آج تک نہیں نکلا۔

علوم وفنون اور اقوام عالم

آج اس زمانے میں کہ جرمنی، فرانس، برطانیہ، ماسکو اور روم اپنی لاکھوں بلکہ کروڑوں کتابوں پہ نازاں ہیں۔ ہم پاکستانی اپنی لائبریریوں میں جاتے ہیں تو آہ بھر کر رہ جاتے ہیں۔ یہ المناک صورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک ہمارا نوجوان اپنی زبان میں تعلیم حاصل نہیں کرے گا اور اس میں قومیت کا شدید احساس پیدا نہیں ہوگا۔ علوم وفنون قصر قومیت کے ستون ہیں اور ستونوں کے بغیر محل کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔

انگریزی زبان کی کہانی

جن حالات سے اس وقت ہم دو چار ہیں ان سے کبھی انگریز بھی گزر رہے تھے۔ فرق یہ ہے کہ ہم آزاد ہوتے ہی اپنی زبان کو ترقی دینے کے لئے بے تاب ہو رہے ہیں اور دوسری طرف انگریز کو سنبھلتے سنبھلتے سولہ سو سال گزر گئے تھے۔ اس طویل عرصے میں یہ قوم لاطینی یا فرانسیسی میں لکھتی رہی اور اس کی اپنی زبان گھسیاروں اور مزدوروں کے جھونپڑوں سے باہر قدم نہ رکھ سکی۔

Marfat.com

اس دور میں اگر کوئی انگریز انگریزی میں کچھ لکھ بیٹھتا تو شرم سے چھپائے پھرتا کہ کہیں مہذب انگریزوں کی نگاہ سے گر نہ جائے۔

تفصیل داستان

قدیم زمانے میں انگلینڈ وحشی قبائل کا مسکن تھا پرانے آثار سے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ یہ لوگ ہل چلاتے، کپڑا بنتے اور مٹی کے برتن بناتے تھے۔ ۶۰۰ ق۔م میں یورپ سے کچھ حملہ آور ان جزائر میں داخل ہوئے یہ سیلٹس (Celts) اور بریطن (Briton) سلٹ کہلاتے تھے شمالی انگلستان اور آئیرلینڈ پہ قابض ہو گئے اور دوسری شاخ جنوبی حصے میں اقامت پذیر ہو گئی اور یہ حصہ بریطن یا رٹن کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ تمام قبائل کاشت کار تھے، ہر قبیلے کا سردار جدا جدا تھا۔ مذہباً بت پرست تھے اور آپس میں لڑتے رہتے تھے۔

رومنوں کی آمد

۵۵ ق۔م میں رومنوں کے مشہور شہنشاہ جولیس سیزر نے انگلستان پر حملہ کیا اور واپس چلا گیا۔ ایک سال بعد دوسرا حملہ کیا اور غلاموں کی ایک خاصی تعداد لے کر دوبارہ واپس چلا گیا اور جلد بروٹس کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے بعد رومن خانہ جنگی میں الجھ گئے اور برسوں کسی اور ملک کی طرف توجہ نہ کر سکے۔

ان دنوں فرانس روما کا ایک صوبہ تھا جہاں سے سینکڑوں سیاح اور تاجر ولایت جاتے اور وہاں رومی تہذیب وزبان اور لباس کی نمائش کرتے تھے۔ اس میل جول سے ولایت کے لوگ کافی متاثر ہوئے۔ اس دور کا مشہور برطانوی سردار سمبلین (Symbline) جو ۴ء ق۔م تک برسر اقتدار رہا لندن شہر کی بنیاد اس نے ڈالی تھی۔ یہ سردار رومی ادب واطوار سے بہت متاثر تھا اور اپنے حلقہ اثر میں رومی تہذیب کو فروغ دینے کے لئے کوشاں تھا۔ جب ۴۲ء میں رومی انگلستان پہ سہ بارہ حملہ آور ہوئے تو انہیں ملک کو مسخر اور لوگوں کو رام کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ رومیوں نے یہاں ۴۱۰ء تک حکومت کی۔

Marfat.com

نئے حملہ آور

رومیوں کے بعد یورپ سے تین اور قبائل جو اینگلز، سیکنز اور جوٹس کے نام سے مشہور تھے انگلستان پہ حملہ آور ہوئے اور مختلف حصوں پہ قابض ہو گئے۔ جو علاقہ اینگلز کے حصے میں آیا وہ اینگلز لینڈ کہلانے لگا۔ یہ قبائل لامذہب اور خونخوار تھے برطانیہ، رومیوں کے تحت عیسائیت قبول کر چکا تھا۔ ان قبائل نے پادریوں کو قتل اور گرجوں کو جلانا شروع کر دیا۔ لوگ ڈر سے عیسائیت چھوڑ گئے اور جنہیں مذہب بہت عزیز تھا وہ ویلز کے پہاڑوں اور شمالی خطوں میں بھاگ گئے، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان قبائل نے بھی عیسائیت قبول کر لی۔ حالات اسی نہج پر چلتے رہے اور گیارہویں صدی کے وسط میں واقعات نے ایک نئی کروٹ لی۔

فرانسیسیوں کی آمد

اس وقت انگلستان سات ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جن پر سات راجے حکمران تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ایڈورڈ تھا۔ اس کی والدہ فرانس کے ایک صوبہ نارمنڈی کی رہنے والی تھی، ایڈورڈ خود بھی وہیں پلا تھا، اسے فرانسیسیوں کے طور طریقے بہت پسند تھے اور اسی بنا پر اس نے اپنے دربار میں کافی فرانسیسی بھر لئے تھے۔ یہ ۱۰۴۲ء میں برسر اقتدار آیا۔ جب ۱۰۶۶ء میں اس کی وفات ہوئی تو اس کا چچازاد، جس کا نام ولیم تھا اور نارمنڈی کا ڈیوک تھا، جانشینی کا مدعی بن گیا۔ جب اس کے مطالبہ پر غور نہ ہوا...... تو اس نے ولایت پر حملہ کر دیا اور معمولی مزاحمت کے بعد ملک پر قابض ہو گیا نارمنڈی کی نسبت سے یہ لوگ نارمن کہلاتے تھے، ان کی حکومت ولایت پر بھی تھی اور نارمنڈی پر بھی۔ اندازاً سو سال کے بعد نارمنڈی ان کے قبضہ سے نکل گیا، اور رفتہ رفتہ یہ حکمران برطانوی قومیت ہی میں جذب ہو کر رہ گئے۔

زبان کے سلسلے میں دو ہی حملہ آور قابل ذکر ہیں۔ اول رومی جو ۴۳ء سے ۴۵۰ء تک حکمران رہے۔ دوم فرانسیسی یا نارمن، جو ۱۱۵۴ء کے بعد برطانیہ ہی میں جذب ہو گئے، ان دونوں کی سلطنت کا مجموعی زمانہ ساڑھے چار سو برس بنتا ہے...... لیکن انگریزی اجنبی اثرات کی سل کے

Marfat.com

پیچھے پندرہ سو برس تک دبی رہی۔

رومیوں کی زبان لاطینی تھی۔ جسے انہوں نے دفتروں، درباروں اور درسگاہوں میں جاری کر دیا اور اس زبان میں مہارت کو شرط ملازمت بنا دیا۔ رفتہ رفتہ اونچے طبقہ کے لوگ یہی زبان بولنے لگے اور اہل قلم بھی اسی زبان میں لکھنے لگے۔ گو ۴۱۰ء میں رومیوں کا اقتدار ولایت میں ختم ہو گیا تھا لیکن پندرہ سو برس تک کلیسا اور اہل علم کی زبان لاطینی ہی رہی بارہویں صدی میں Atne Ward نامی ایک انگریز تلاش علم میں بغداد پہنچا۔ وہاں مسلم علماء سے چند عربی کی کتابیں پڑھیں اور واپسی پر عربی زبان کی دو کتابیں ساتھ لے آیا، ایک علم نجوم پر تھی اور دوسری مقالات اقلیدس، اس نے دونوں کو لاطینی میں منتقل کیا اور ساتھ ہی ''اصطرلاب'' پر اسی زبان میں ایک کتاب لکھی۔ اس کے یہ تراجم برسوں تک ولایت کی درسگاہوں میں بطور نصاب استعمال ہوتے رہے۔

۱۱۴۰ء میں رابرٹ اور اس کا دوست ڈی ہرمن ولایت سے چل کر ہپانیہ پہنچے اور وہاں عرب اساتذہ سے عربی کی کتابیں پڑھتے رہے۔ واپسی پر رابرٹ نے قرآن کا ترجمہ لاطینی میں اپنے ہم وطنوں کے سامنے پیش کیا اسی زمانے میں الیگزینڈر میلکم نے سائنس پر ایک کتاب لکھی جو غالباً انگلستان میں اس موضوع پر پہلی کتاب تھی، لیکن لاطینی میں ایک اور انگریز ڈرہم نے بائبل کی تاریخ لاطینی اشعار میں قلمبند کی، اس دور کی مشہور تاریخی کتابیں (۱) ''ولیم اول کی تاریخ (۲) انگریز بادشاہوں کی تاریخ (۳) یومیہ واقعات'' وغیرہ سب لاطینی میں ہیں رومی پہلی صدی عیسوی میں آئے اور پانچویں صدی کے آغاز میں چلے گئے تھے لیکن ان کی زبان کی گرفت اتنی شدید تھی کہ انگریزی ذہن اور علم سولہ سو برس تک آزاد نہ ہو سکے تھے تھامس مور نے اپنی مشہور تصنیف ''یوٹوپیا'' (۱۵۱۶ئ) اور بیکن نے Novam Organum ۱۶۲۰ (ئ) لاطینی ہی میں لکھی تھی۔

فرانسیسیوں کا اثر

لاطینی کا طوطی تو بول ہی رہا تھا۔ ۱۰۶۶ء میں فرانسیسی آئے تو انگریزی زبان کی حیثیت اور گر گئی۔ اب صورتحال یہ تھی، کہ دفتروں، درباروں اور درسگاہوں کی زبان تو فرنچ ہو گئی اور کلیسا میں لاطینی کے ساتھ فرنچ بھی استعمال ہونے لگی۔ اونچے طبقے حکمرانوں کی زبان بولنے لگے اور

Marfat.com

انگریزی صرف مزدوروں چھوٹے دوکانداروں اور کاشت کاروں کی بولی بن کر رہ گئی۔

فرانسیسیوں کا سیاسی غلبہ صرف ایک سو برس رہا لیکن ان کی زبان ساڑھے تین سو برس تک دفتروں اور درسگاہوں پر چھائی رہی۔ ۱۳۵۰ء میں پہلی مرتبہ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا ۱۳۶۲ء میں کسی عدالت نے پہلا فیصلہ انگریزی میں لکھا اور ۱۳۹۹ء میں انگلستان کے بادشاہ ہنری چہارم نے پارلیمان کو پہلی مرتبہ انگریزی میں خطاب کیا۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ انگریزی میں کچھ لکھنا تو درکنار بات تک کرنا نشان ذلت و احقار سمجھا جاتا تھا، لیکن آج کا انگریز اس مجسٹریٹ کو اپنا ہیرو سمجھتا ہے جس نے پہلا فیصلہ انگریزی میں لکھا تھا اور اس بادشاہ کا انتہائی احترام کرتا ہے جس نے پارلیمان کو پہلی مرتبہ انگریزی میں خطاب کیا تھا۔

ہر قوم چند چیزوں پر فخر کیا کرتی ہے، اپنی تہذیب، زبان اپنے ادب، پرچم اور ترانے پر ان سب میں زبان اور ادب کو زبردست اہمیت حاصل ہے۔ جس قوم کے پاس اپنا ادب نہیں وہ جاہل سمجھی جاتی ہے، اسے اقوام عالم کی صف میں کوئی مقام حاصل نہیں ہوسکتا اور مورخ اس کا نام کبھی احترام سے نہیں لیتا۔

آپ نے چنگیز اور ہلاکو کے نام سنے ہوں گے، بلا کے فاتح اور غضب کے جرنیل تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ منگولیا سے ماسکو، شام اور ہندوستان تک ان کا پرچم لہرا رہا تھا لیکن مورخ انہیں وحشی خونخوار اور ڈاکو لکھتا ہے انہوں نے بیشک خون ریزی کی ہوگی لیکن اتنی نہیں جتنی پچھلی جنگ میں یورپ کے مہذب لوگ ایک، ایک دن میں کیا کرتے تھے، وہ لوگ عیاشی و شراب میں بھی فرنگیوں سے بہت پیچھے تھے، تو پھر وہ وحشی کیوں کہلائے؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے پاس اپنا ادب نہیں تھا، ان کی لائبریریاں اور ان کے سینے نور علم سے خالی تھے، اگر پاکستان نے جلد اپنی زبان کو اپنا نہ بنایا اس میں علوم و فنون کے انبار نہ لگائے تو کل کا مورخ ہمیں بھی جاہل، وحشی اور بے علم لکھنے پر مجبور ہو جائیگا اور آنے والی نسل ان ارباب اقتدار کو کبھی معاف نہیں کرے گی جو آج اردو کو دانش گاہوں، دفتروں اور عدالتوں میں داخل نہیں ہونے دیتے۔

Marfat.com

فتح قسطنطنیہ کا اثر یورپ پر

جب سلطان محمد عثمانی نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کیا تو وہاں سے علمی شوق کی ایک لہر اٹھی جو بہت جلد یورپ میں پھیل گئی ہر طرف حصول علم اور تصنیف و تالیف کا چرچا ہونے لگا۔ سب سے پہلے اٹلی پھر فرانس اور جرمنی آخر میں انگلستان متاثر ہوا۔ بعض انگریزی علماء نے یونانی و عربی سیکھ کر آکسفورڈ میں اس کی تدریس شروع کر دی، ساتھ ہی ملکی زبان کو فروغ دینے کی تحریک زور پکڑ گئی۔ چنانچہ ۱۵۱۶ئ۔ ۱۵۶۸ء کے درمیان خاصی تعداد میں ڈرامے، نظمیں اور کتابیں لکھی گئیں۔ بعد کے پچاس برس میں اکثر کلاسیکی ادب کا انگریزی میں ترجمہ ہو گیا۔ اب کچھ فتوحات بھی شروع ہو گئی تھیں۔ ایک انگریز ملاح ڈریک نامی ساری دنیا کا چکر کاٹ چکا تھا۔ برطانوی جہازوں نے ہسپانیہ کے طاقتور بیڑے کو تباہ کر دیا تھا، انگریز تاجر، سیاح اور ملاح نئے نئے جزائر، ممالک کی تلاش میں نکل گئے تھے اور شعراء و ادبا کو نئے نئے موضوع مل گئے تھے، اس دور میں چند ہستیاں پیدا ہوئیں۔ مثلاً جان ملی، سر فلپ سڈنی، ایڈمنڈ سپنسر بیکن، برٹن، شکسپیر وغیرہ۔ ۱۶۱۱ء میں بائبل کا وہ مشہور ترجمہ ہوا، جو اس وقت رائج ہے اور جو جیمز ٹرانسلیشن کے نام سے مشہور ہے اس کے بعد علم و حکمت کے ہر شعبے میں کتابیں لکھی جانے لگیں اور آج یہ عالم ہے کہ کوئی شعبہ لیجیے، سائنس ہو یا فلسفہ، تاریخ ہو یا ادب عمرانیات ہو یا روحانیات آپ کو ہزاروں کی کتابیں ملیں گی اور غالباً یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ آج انگریزی دنیا کی شاداب ترین اور متمول ترین زبان ہے۔

جب انگلستان اجنبی زبانوں کے سحر سے مسحور تھا تو خود انگریزوں کی رائے یہ تھی کہ انگریزی گنواروں کی زبان ہے جس میں ایک کامیاب افسانہ بھی لکھنا دشوار ہے لیکن آج یہ دنیا کی بلند ترین زبان سمجھی جاتی ہے۔

آج بعض پاکستانی ارباب اقتدار کی رائے بھی یہی ہے کہ اردو ایک غیر ترقی یافتہ اور خام زبان ہے اس میں علوم و فنون کو منتقل کرنا مشکل ہے، یہ خیال اتنا ہی غلط ہے جتنا کہ سترہویں صدی سے پہلے انگریزوں کا اپنی زبان کے متعلق۔ ان لوگوں نے ہمت کی تو لاطینی و فرانسیسی ادب کو میلوں پیچھے چھوڑ گئے، اگر آج ہم ہمت کریں گے تو انشاء اللہ نصف صدی میں یورپ کے علمی

Marfat.com

کارواں کو جالیں گے لیکن ایک بات ہمیشہ ذہن میں رکھئے کہ انگریزی کی نشوونما اس وقت شروع ہوئی تھی جب وہ درسگاہوں دفتروں اور دربار کی زبان بن گئی تھی، اس طرح اردو کا کوکب اقبال بھی اسی روز طلوع ہوگا جب اسے یونیورسٹیوں، عدالتوں اور دفتروں میں قدم رکھنے کی اجازت ملے گی۔ اس اجازت میں جتنی تاخیر ہوگی، ہماری بدبختی کے ایام اتنے ہی طویل ہوتے جائیں گے، آج یورپ کی تمام اور ایشیا کی بعض اقوام اپنے عظیم وجلیل ادب پر نازاں ہیں۔ نہ جانے میری قوم کو یہ دن کب دیکھنا نصیب ہوگا آج جن لوگوں نے ہماری زبان کا گلا دبوچ رکھا ہے اگر یہ لوگ قومی محاسبہ سے بچ بھی گئے تو آنے والی نسل اور تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

کانونٹ سکولز

قومی زبان کے مسئلے کو سمجھنے کے لئے چند باتیں ذہن میں رکھئے انگلینڈ ایک صنعتی ملک ہے، جس کی آبادی ساڑھے پانچ کروڑ کے قریب ہے اور زرعی زمین اتنی کم ہے کہ سو میں سے دس آدمیوں کی غذا بھی بمشکل پیدا کرتا ہے اور باقی آبادی کی زندگی کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ افریقہ اور ایشیا سدا زرعی رہیں، لوہے کی ہر چیز ولایت سے منگوائیں اور مبادلہ میں اپنی پیداوار وہاں بھیجتے رہیں۔ اگر یہ زرعی ممالک بھی فولاد اور فولادی مصنوعات (انجن، موٹریں، ٹرک، ٹریکٹر وغیرہ) کے کارخانے لگالیں تو ظاہر ہے کہ انگریز کا مال اس کے گوداموں ہی میں پڑا رہے گا اور اس کی نوے فیصد آبادی بھوک سے بلکنے لگے گی۔

روس انگریز کا دشمن ہے اور اس کی معاشی حالت سے پوری طرح آگاہ ہے۔ چنانچہ یہ جس ملک سے زیادہ گانٹھتا ہے، وہاں فولاد اور فولادی مصنوعات کے اتنے کارخانے لگا دیتا ہے کہ وہ ملک انگریزی مال سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ آج سے چھ برس پہلے چین انگریز کی اقتصادی گرفت میں تھا، وہاں کی زرعی پیداوار ولایت پہنچ جاتی تھی اور ولایت کی موٹریں ریڈیو اور دیگر بے شمار فولادی مصنوعات پہنچ جاتی تھیں۔ ۱۹۵۴ء میں وہاں روس نے قدم رکھا، صرف پانچ برس کی قلیل مدت میں ہزارہا کارخانے لگا دیئے اور انگریز دانت پیس کر رہ گیا، جنگ سویز کے بعد ناصر نے روس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور روس نے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں فولاد کے دو کارخانے لگا دیئے اور یہ

Marfat.com

منڈی بھی انگریز سے ہمیشہ کے لئے چھن گئی۔ پنڈت نہرو روس کی طرف مائل ہوا تو روس نے نوسو انجینئر بھیج دیئے کہ بمبئی میں فولاد کا ایک عظیم کارخانہ قائم کر دیا، غربی بلاک نے دیکھا کہ ہندوستان ہاتھ سے جانے لگا ہے تو انگریز، امریکہ اور مغربی جرمنی تینوں ایک ایک کارخانے لے کر بھارت پہنچے۔ اب وہاں پانچ کارخانے کام کر رہے ہیں، جن کی سالانہ پیداوار ۸۰ لاکھ ٹن ہے، آج بھارت موٹریں، انجن، توپیں، ٹینک، ٹرک، ٹریکٹر، سمندری جہاز، طیارے سب کچھ خود بنا رہا ہے اور آئندہ دس برس میں بھارت اتنی بڑی طاقت بن جائے گا کہ کمزور ہمسایوں کی نیند حرام ہو جائے گی۔ آج سے چند ماہ پہلے روسی وزیر اعظم خروشیف انڈونیشیا میں گیا تھا اور چند روز ہوئے اخبارات میں یہ خبر آ چکی ہے کہ وہاں روسی انجینئر فولاد کا کارخانہ قائم کرنے لگے ہیں۔

اب صورتحال یہ ہے کہ روس کے تمام دوست طاقتور بن رہے ہیں اپنے ملک کی تمام زرعی و معدنی پیداوار کے خود مالک ہیں اور دوسری طرف غربی بلاک کے تمام دوست کمزور، بے دست و پا، مفلس اور محض کاشتکار بن کر رہ گئے ہیں۔ یقین نہ آئے تو مراکش، الجیریا، ٹیونس، لیبیا، سوڈان، یوگینڈا گھانا، برٹش، شمالی لینڈ، مڈغاسکر، بحرین، یمن، عرب، جارڈن، ایران، ترکی وغیرہ پر نگاہ ڈالئے آپ کو فولاد کا کوئی کارخانہ کہیں نظر نہیں آئے گا، البتہ ترکی میں ایک کارخانہ لگایا گیا تھا۔ چونکہ مشیر انگریز تھے اس لئے بند پڑا ہے۔ ان تمام ممالک کی اجناس خام پر انگریز پل رہا ہے اور لوگ مفلس سے مفلس تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس حقیقت پر امریکہ کی شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

''ٹائم'' امریکہ کا ایک اہم میگزین ہے، جس کی اشاعت دو کروڑ کے قریب ہے اس کے ایک اشوع مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۹ء میں Nations کے عنوان کے تحت درج ہے۔

''طویل جمود کے بعد پچھلے ہفتے مفکرین کی بحث و نظر سے تین باتیں واضح ہوئیں ہیں''۔

ایک یہ

کہ جو ممالک کمیونزم کے حلقہ اثر سے باہر ہیں وہ غریب و مفلس تر ہوتے جا رہے ہیں۔

ترکی غربی بلاک کا پرانا دوست ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انگریز اور امریکی اسے اتنا طاقتور بنا دیتے کہ ایشیا کے دیگر ممالک میں بھی ان کی دوستی کی خواہش پیدا ہوتی لیکن ہوا یہ کہ ترکی کا تنہا

Marfat.com

کارخانہ فولاد بند پڑا ہے۔اس کی تمام زرعی پیداوار ولایت میں جا رہی ہے وہاں سے تبادلہ میں فولادی مصنوعات اور دیگر اشیا آ رہی ہیں اور ملک میں بھوک بڑھ رہی ہے۔

جون ۱۹۵۸ء میں ایک سیاح ڈکی چیپل نامی ترکی میں جانکلا وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ''ریڈرز ڈائجسٹ'' کی اشاعت جولائی ۱۹۵۸ء لندن، ایڈیشن میں لکھتا ہے۔

''ترک بلا کا کافی نوش ہے، بحیرہ روم کی کافی ''ترکش کافی'' کہلاتی ہے لیکن آج سارے ترکی میں کہیں بھی کافی موجود نہیں اور اس کی وجہ یہ کہ مندریز (ترکی کے وزیراعظم) سارا زر مبادلہ بعض سکیموں کی تکمیل پر صرف کر رہا ہے اور کافی کے لئے کچھ بھی نہیں بچتا۔ترکی زبردست مالی مشکلات میں مبتلا ہے۔وہ سکائی کریپرز پچاس ساٹھ منزلوں والے مکانات بنوار ہا ہے اور زمین دوز نالیاں تیار کروا رہا ہے، اس سے ترکی کا خزانہ خالی ہو گیا اور آج یہ حالت ہے کہ ترکی بعض اجنبی ممالک کے ہاں رہن ہو چکا ہے۔آج ترکی میں نہ کافی ملتی ہے، نہ موٹر، انجن، بس وغیرہ کا کوئی پرزہ وزیراعظم کے نکتہ چین اس پر الزام عائد کرتے ہیں کہ اس نے دیدہ دانستہ ملک کا دیوالیہ اس بھروسے سے نکال دیا ہے کہ امریکہ اس کی مالی امداد کرے گا۔اس صورتحال کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ پریس کی زبان بند ہے اور کوئی شخص یہ کہنے کی جرات نہیں کرسکتا کہ فلاں جگہ غلطی ہوئی تھی۔''

ملخص ص ۵۲۔۵۳

خوفناک حربے

سیاسی و اقتصادی میدان میں جیت حاصل کرنے کے لئے انگریز کے پاس دو خوفناک حربے ہیں۔

اول:۔انگریزی زبان جو نہایت بے قاعدہ اور مشکل زبان ہے۔ہم کچھ کریں اس میں مہارت پیدا نہیں کر سکتے۔ہمارے ساڑھے ننانوے فی صد بی۔اے اور اٹھانوے فیصد ایم۔ اے غلط انگریزی بولتے اور لکھتے ہیں ہمارے نمائندے جب مالی، سیاسی، تعلیمی اور دیگر امور طے کرنے کے لئے انگریزوں اور امریکیوں کے سامنے جاتے ہیں تو اس خوف سے کہ غلط انگریزی نہ بول بیٹھیں سہمے ہوئے رہتے ہیں۔نہ اپنا نقطہ نگاہ پیش کرنے کے لئے الفاظ، نہ تردید کی ہمت اس

Marfat.com

لئے جو کچھ انگریز انہیں کہتے ہیں وہ لے کر آ جاتے ہیں۔ چونکہ انگریزی ہماری دفتری و سیاسی زبان ہے اور ہم اسی میں بات چیت کرنے پر مجبور ہیں اس لئے ہر معاملہ میں انگریز کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہم سے منوا لیتا ہے اور ہماری حالت اس کے سامنے یوں ہوتی ہے جیسے شیر کے سامنے بھیڑ کی۔ اگر انگریز کو ہم سے اردو میں بات کرنا پڑتی تو اس کی گھبراہٹ دیکھنے کے قابل ہوتی۔ وہ بار بار پانی مانگتا، ماتھے کا پسینہ پونچھتا اور ہمارے دلائل کے سامنے دو منٹ میں دم توڑ دیتا لیکن موجودہ صورت میں وہ ڈکٹیٹر ہے اور ہم محض کلرک۔

کانونٹ سکولز

انگریزی مقاصد کی تکمیل کے لئے کانونٹ سکولز خوفناک ادارے ہیں ہمارے بڑے بڑے حکام اور گھرانوں کے بچے انہی سکولوں میں داخلہ لیتے ہیں، آٹھ، دس سال کے بعد خاصی انگریزی بولنے لگتے ہیں۔ چونکہ ہمارے ہاں قابلیت کا معیار صرف انگریزی بولنا ہے اس لئے یہ بچے اعلیٰ سروس کے لئے منتخب ہو کر پانچ چھ برس کے بعد ڈپٹی سیکرٹری اور دس برس کے بعد سیکرٹری بن جاتے ہیں، کانونٹ سکولوں سے وہ ایک خاص قسم کی ذہنیت ساتھ لاتے ہیں جسے اسلام کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ اپنے ماضی سے بیگانہ، اسلاف سے بے خبر، انگریزی تہذیب، ادب، آرٹ، موسیقی وغیرہ سے عشق، انگریز کا رعب۔ نتیجہ یہ کہ انگریز جو کچھ کہتا ہے وہ مانتا چلا جاتا ہے۔ اگر وہ کہے کہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور آپ صرف ہل چلایا کریں کہ آپ کے لئے فولاد کا کارخانہ مضر ہے۔ اردو گنواروں کی بولی ہے اور ذریعہ تعلیم نہیں بن سکتی، شراب، ناچ اور جواء تہذیب کے لوازمات ہیں، تو ہمارا ''صاحب'' مانتا جائے گا اور کہیں بھی بحث میں نہیں الجھے گا۔ الجھے کیسے اس لئے شستہ، صاف اور ٹکسالی انگریزی بولنا پڑتی ہے اور ہمارا ''صاحب اتنا اونچا نہیں اڑ سکتا۔''

دوم اکنامکس

انگریز کا دوسرا حربہ اس کی اکنامکس ہے جس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ممالک دو قسم کے ہیں ایک زرعی اور دوسرے صنعتی، زرعی ممالک کی تمام تر توجہ اپنی پیداوار بڑھانے پر مرکوز ہونی

Marfat.com

چاہیے، مطلب یہ کہ "ایشیا کی جاہل اور پسماندہ اقوام تم ہل چلاتے رہو، اپنا غلہ ہمیں بھیجتے جاؤ اور اس کے عوض ہم تمہیں موٹریں، ریڈیو کوکا کولا اور دیگر الا بلا دیتے رہیں گے سب لوگ ایک ہی کام نہیں کر سکتے۔ موچی کا کام موچی ہی کر سکتا ہے اور لوہار کا لوہار، اس لئے تم کاشتکاری کرو اور ہم صنعت کاری" اگر ایشیا کا کوئی آدمی یہ پوچھ بیٹھے کہ حضرت اگر کاشتکاری اتنی ہی اچھی چیز ہے تو آپ خود یہ کام کیوں نہیں کرتے تو صاحب بہادر سر کھجلانے لگیں گے۔

انگریز کا سلوک مسلمانوں سے

مسلمان آٹھ سو برس تک ہسپانیہ پہ حکمران رہے لیکن انہوں نے انگلستان پر ایک حملہ بھی نہ کیا اور نہ بعد میں برطانوی ایمپائر کے کسی حصے پر حریصانہ نگاہ ڈالی۔ دوسری طرف انگریز اپنے گھر سے چل کر...... صلاح الدین ایوبی کے خلاف صف آرا ہوا۔ اس کے بعد اس نے مغل ایمپائر کو تباہ کیا انیسویں صدی کے آخر میں مصر و سوڈان کو جا لیا۔ موجودہ صدی کے شروع میں ترکوں کو بلقان سے نکالا۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکوں سے عراق، شام عرب اور یورپ کے کچھ حصے چھین لئے ۱۹۱۸ء کے بعد تھکے ہارے ترکوں پر تازہ دم یونان کو چھوڑ دیا۔ دوسری جنگ میں ایران کو جا دبوچا، انگریز ہندوستان میں رہا تو سدا سرحدی افغانوں پر بم برساتا رہا۔ ۱۹۴۸ء میں کئی لاکھ عربوں کو تباہ کر کے فلسطین میں اسرائیلی حکومت قائم کر دی اور چھ برس کے بعد مصر پر حملہ کر دیا یہ تمام تاریخ کے وہ ٹھوس واقعات ہیں جن سے انکار ناممکن ہے ان سے ایک ہی نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ انگریز کو مسلمان سے فی سبیل اللہ بیر ہے۔ خود پاکستان سے انگریز نے کیا کیا؟ اس کے ریڈ کلف نے برطانوی حکومت کے اعلان (کہ تقسیم میں مسلم علاقے پاکستان کا حصہ رہیں گے) کی دھجیاں اڑا دیں اور کشمیر بھارت کے حوالے کر دیا۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے ایک طے شدہ سکیم کے تحت دس لاکھ مسلمان سکھوں سے مروا ڈالے اور اسی ہزار مسلم لڑکیاں اغوا کرا دیں۔ پاکستان بننے کے بعد یارانہ ہم سے گانٹھا اور فولاد کے تین کارخانے بھارت کو دے دیئے کہ اگر پاکستان سر اٹھائے تو سر توڑ دو۔

توازن قوت

اگر دنیا میں کوئی مسلم ریاست سامان قوت فراہم کرتی ہے تو انگریز شور مچا دیتا ہے کہ دوڑو،

Marfat.com

پکڑ وقوت کا توازن برہم ہو رہا ہے اور اگر یہی کام حکومت اسرائیل، بھارت، جاپان، امریکہ یا فرانس کرے تو چپ چاپ دیکھتا رہتا ہے اگر مسلمان کا شیرازہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی صورت میں بکھرا ہوا ہے تو خوش ہوتا ہے اور اگر اقبالؒ یہ کہہ دے کہ:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

یا ناصر متحدہ عرب جمہوریہ کا خواب دیکھنے لگے ''توپان اسلام ازم'' کے خطرے کی گھنٹی بجا کر سارے جہاں کو چوکنا کر دیتا ہے۔

الغرض انگریز نہ مسلمان کو متحد دیکھ سکتا ہے نہ طاقتور اور نہ یہ برداشت کر سکتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرے۔ پچھلے دنوں ایک انگریز نے ''پاکستان ٹائمز'' میں ترکوں پہ ایک مضمون لکھا تھا (افسوس کہ وہ پرچہ اس وقت سامنے نہیں) جس میں درج تھا کہ ترکی میں مساجد اور نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ صورتحال انگریزوں کے لئے باعث پریشانی بن رہی ہے، کیوں؟ انگریز ہمیشہ اس مسلمان سے خوف کھاتا ہے جو قرآن کو تھام لے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد ساٹھ کروڑ کے قریب ہے، اگر یہ کسی طرح متحد ہو جائیں۔ قرآن کو اپنا رہبر، سرفروشی کو اپنا مذہب اور شہادت کو اپنی منزل بنا لیں تو یہ ایک مہیب و جلیل طاقت بن سکتے ہیں۔ انگریز نے اس خطرے کا انسداد یوں کیا، مسلم جہاں بھی ہیں، انہیں فولاد کا کارخانہ نہیں لگانے دیتا، انہیں متحد نہیں ہونے دیتا۔ اور انہیں اپنی زبان میں تعلیم حاصل نہیں کرنے دیتا۔ یہ کانونٹ سکولز اسی سازش کی ایک کڑی ہیں۔ ان سے جو بچے نکلیں گے وہ ''صاحب'' زیادہ اور انسان کم ہوں گے، لنڈن ان کا کعبہ، انگریز ان کا آقا اور انگریزی کی سطح عریانی، بے جان اور ''پھوکی'' تہذیب ان کا مذہب ہوگا۔

تعلیم کا مقصد

سوال یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ کیا ہم نے درسگاہوں سے صرف انگریزی بولنے والے پیدا کرنا ہیں اور بس؟ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جہاں ہم ایک ایسی قوم پیدا کرنا چاہتے ہیں جس کی صفات یہ ہوں۔

(۱) وہ تمام علوم وفنون سے مرصع ہو اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس وقت

Marfat.com

تک انگریزی کو ایک لازمی مضمون پڑھایا جائے، جب تک ہمارا اپنا ادب خود کفیل نہ ہو جائے۔

(ب) وہ بلند کردار کا مالک ہو اور تمام اخلاقی وسماجی قبائح سے متنفر ہو۔

(ج) خدا، رسول اور قرآن سے اس کا مضبوط رشتہ قائم ہو اور اس کی موت وحیات سب اللہ کے لئے ہو۔

(د) وہ پابند صوم وصلوٰۃ، شب خیز، مخیر، ایثار پیشہ، راستی شعار، خادم انسان، خوش گفتار اور منکسر المزاج ہو۔

(ہ) وہ اپنے ماضی سے آشنا اور اپنے عظیم اسلاف پر نازاں ہو۔

(ز) اسے یہ یقین ہو کہ ایک زندگی بھی ہے جہاں اس زندگی کے اعمال کی بدولت یا گلستاں مہک رہے ہوں گے یا جہنم دہک رہے ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ کیا کانونٹ سکولوں میں ان چیزوں کی تعلیم دی جاتی ہے؟ کیا وہاں خدا اور رسول کا کوئی تصور قائم ہو سکتا ہے؟ کیا وہاں بچے کے کان میں بھولے سے بھی کوئی آیت یا حدیث پڑ سکتی ہے؟ کیا وہاں نئی نسل کو رومی وسعدی، حافظ وخیام، رازی وحنبل ومالک اور فاروقؓ وحیدرؓ کی مقدس ومطہر سیرت کا درس دیا جا سکتا ہے؟ کیا ان کے سامنے طارق وخالد کی جان بازی، مامون وہارون کی علم نوازی، جنید یا بایزید کی جذب وشوق کی داستانیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

اگر ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ وہاں ہے کیا؟ صرف انگریزی؟ Sorry اور Thank you کی گردان؟ رقص وسرود کی ابتدائی مشقیں اور ایک ایسی پرسنلیٹی جس پر عیسائیت کا رنگ وروغن چڑھا ہوا ہو اور اندر جہل وتاریکی کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔ ایک ایسا دماغ جس میں ملٹن، بیکن اور شیلے تو پوری آب وتاب سے جلوہ گر ہوں لیکن اقبال، غالب، باہو اور بلھے شاہ کا کوئی مقام نہ ہو ایسی نسل کو ہم کیا کریں گے؟ دنیا فانی اور آخرت جاودانی ہے۔ آنے والی بیکراں زندگی کو دنیا پر قربان کر دینا تو کوئی دانشمندانہ سودا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں دنیا بھی نہیں ملے گی۔ یہ بچے بڑے ہو کر انگریز کے اشاروں پر اسی طرح رقص کریں گے جس طرح مداری کی ڈگڈگی پر بندر ناچتا ہے۔ نہ اپنی کوئی رائے نہ فلسفہ نہ پالیسی نہ قومی حمیت نہ جرات اور

Marfat.com

انگریز کے جو ارادے دنیائے اسلام کے متعلق ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔

مشکل کا حل

چونکہ ہم نے انگریزی بھی پڑھنا ہے۔ ساتھ ساتھ بہتر انسان یعنی مسلمان بھی بننا ہے۔ قومی ادب کو بھی فروغ دینا ہے۔ اپنی زبان کا دامن بھی مغربی علوم سے بھرنا ہے۔ اس لئے مناسب صورت ایک ہی ہے کہ ان سکولوں میں انگریزی کو پہلی جماعت سے پڑھایا جائے لیکن باقی تمام مضامین کی تعلیم اردو میں ہو۔ اس وقت ان سکولوں میں اردو محض برائے نام ہے اور باقی تمام مضامین مثلاً تاریخ، جغرافیہ وغیرہ انگریزی میں پڑھائے جاتے ہیں۔

محکمہ تعلیم کی کمیٹی

جون ۱۹۶۰ء کے آغاز میں محکمہ تعلیم غربی پاکستان نے کانونٹ اور پبلک سکولوں کی اصلاح کی خاطر ایک کمیٹی ترتیب دی۔ خبر پریس میں آئی تو ہر سینے میں امیدوں کے چراغ جل اٹھے۔ ۱۷ جون کے "پاکستان ٹائمز" میں اس کمیٹی کی سفارشات شائع ہوئیں تو وہ تمام چراغ بجھ گئے۔

اس کمیٹی کے ارکان یہ تھے۔

۱۔ پرنسپل میرین ٹریننگ کالج لاہور

۲۔ ہیڈ مسٹریس کتھیڈرل ہائی سکول لاہور

۳۔ پرنسپل کانونٹ آف جیسس اینڈ میری لاہور

۴۔ ہیڈ مسٹریس اعظم گریسن ہائی سکول لاہور

۵۔ ہیڈ مسٹریس سینٹ اینڈریوز ہائی سکول لاہور

۶۔ ہیڈ مسٹریس کیتھیڈرل ہائی سکول لاہور

ممکن ہے کہ ان چھ میں سے اعظم گریسن سکول کی ہیڈ مسٹریس پاکستانی ہو باقی تمام کے تمام انگریز یا امریکی تھے۔ بات چیت انگریزی میں ہوتا تھی کسی پاکستانی لڑکی کی کیا مجال کہ ایسی مجالس میں بولنے کی جرات بھی کر سکے۔ وہ مسلسل اسی خوف میں مبتلا رہی ہوگی کہ منہ سے کوئی غلط

Marfat.com

نقرہ نہ نکل جاے اس لئے اتنے ہی فقرے کہے ہوں گے جن کی صحت پر اسے پورا یقین ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے بیشتر کا تعلق مزاج اور موسم سے ہو۔

اس کمیٹی کی سفارشات یہ تھیں۔

۱۔ کہ یورپی طرز کے سکولوں اور عام درسگاہوں کا نصاب تعلیم ایک ہی ہوگا فرق یہ کہ اول الذکر......میں ذریعہ تعلیم انگریزی ہوگا۔

۲۔ کہ آئندہ ان سکولوں میں وہ معلمات بھرتی کی جائیں گی جو کانونٹ سکولز کی فارغ التحصیل ہوں گے۔

۳۔ کہ آئندہ پانچ سال تک ان سکولوں میں اردو کا معیار عام سکولوں کے برابر کر دیا جائے گا۔

جہاں تک پہلی سفارش کا تعلق ہے، بات جہاں تھی وہیں رہی۔ ملک میں کانونٹ سکولز کا ایک جال بچھا ہوا ہے مری جیسے چھوٹے سے قصبے میں ان کی تعداد چار ہے۔ عیسائی ان سکولوں پر کروڑوں روپیہ صرف کررہے ہیں ان کا مقصد آپ کو پڑھانا نہیں بلکہ عیسائی بنانا ہے۔ یہ مشنریوں کے سکولز ہیں۔ یہ لوگ تبلیغ عیسائیت کے لئے کئی راستے اختیار کرتے ہیں۔ اول وعظ، دوم لٹریچر کی تقسیم، سوم ہسپتال اور چہارم مدارس جہاں ہوشیار اور تجربہ کار اساتذہ بڑے میٹھے انداز میں عیسوی عقائد وتصورات کے نقوش کم عمر بچوں کے دل ودماغ پر مرتسم کرتے رہتے ہیں، دو تین برس میں ان کا تعلق اپنے ماضی اور روایات سے منقطع کر دیتے ہیں اس کے بعد من کی دنیا میں ایک ایسا بت کدہ تعمیر ہو جاتا ہے جس میں ''خداوند یسوع مسیح'' سب سے بڑا صنم ہوتا ہے۔ مغربی تہذیب اپنے تمام عیوب وقبائح اور بائرن کے ساتھ ان کا مذہب بن جاتی ہے۔ اس ماحول میں فریڈا، ہیولاک، مکیاولی نطشے انبیاء کا مقام اختیار کر لیتے ہیں۔ اور تمام فلمی ایکٹرز اور کرکٹ کے کھلاڑی ہیروز اور شراب ورقص لازمہ حیات بن جاتے ہیں، انگریزی شعار برتری اور مذہب سے نفرت تہذیب سمجھی جاتی ہے اگر یقین نہ آئے تو کسی ایسے نوجوان کو دیکھ لیجئے جو ان سکولوں کا فارغ التحصیل ہو۔

دوسری سفارش پہلی سے زیادہ خطرناک ہے۔ آج تک تو یہ ہوتا رہا کہ صرف وہی بچے خطرے میں پڑتے تھے جو عیسائی سکولوں میں داخلہ لیتے تھے۔ اب اس سفارش کے تحت تمام وہ

Marfat.com

پبلک سکولز بھی جنہیں میونسپل اور کنٹونمنٹ بورڈز یا دیگر ملکی انجمنیں چلا رہی ہیں عیسائی مشنریوں کی زد میں آجائیں گے۔

اس طرح محکمہ تعلیم نے سکولوں کو منظور کرنے کے لئے چند شرائط رکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ سکول کی عمارت اچھی ہو، سامان پورا ہو، کھیل کا میدان ساتھ ہو اور اساتذہ ٹرینڈ ہوں۔ گورنمنٹ ٹریننگ کالج دو ہیں، ایک سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور، جہاں معلمین تربیت پاتے ہیں اور دوسرا لیڈی مک لیگن کالج لاہور۔ اسی طرح عیسائی مشنریوں نے بھی دو تربیتی ادارے کھول رکھے ہیں۔ (۱) میرین ٹریننگ کالج لاہور۔ (۲) سینٹ ڈینز کالج مری، ان میں صرف خواتین کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ انگریز کتنا بڑا جادوگر ہے۔ اس کے پاس وہ خواب آور گولیاں ہیں کہ جسے کھلا دیتا ہے صدیوں ہوش نہیں آتا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس نے گذشتہ تیرہ برس سے پاکستان کو ''کھاد گڑھوں میں دباؤ اور پولی تلف کرو'' کے چکر سے نہیں نکلنے دیا۔ اگر ہمارے بہترین دماغ اس ساحر کے سامنے بے بس ہیں تو ان پاکستانی نوعمر لڑکیوں کی اوقات ہی کیا ہے جو ان عیسائی اداروں میں ٹریننگ کے لئے جاتی ہیں، یہاں سے وہ جس قسم کی ذہنیت لے کر باہر آتی ہیں اس سے آپ آگاہ ہیں۔

اس دوسری سفارش کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ وہی پبلک سکول منظور کیا جائے گا جہاں معلمات ان مشنری کالجوں کی تربیت یافتہ ہوں گی یعنی اس سے پہلے عیسائی اثرات کا شکار وہ بچے تھے جو عیسائی مدارس میں داخلہ لیتے تھے اور اب سارا پاکستان ان اثرات کی زد میں ہوگا۔

کنٹونمنٹ پبلک سکولز

اس وقت منسٹری آف ڈیفنس نے تمام چھاؤنیوں میں پبلک سکول کھول رکھے ہیں جہاں اردو، مذہب، سیرت پر توجہ دی جاتی ہے لیکن ان میں سے چند ایک عارضی طور پر منظور کیے گئے ہیں۔ مستقل منظوری کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ معلمات عیسائی اداروں کی ٹرینڈ ہوں۔ ایسی لڑکیاں چند ایک ہوتی ہیں جو لاہور اور دیگر بڑے شہروں ہی میں جذب ہو جاتی ہیں۔ پبلک سکولوں کو نہ یہ لڑکیاں ملیں گی نہ وہ منظور ہوں گی۔ بالآخر یہ پبلک سکول ختم ہو جائیں گے اور ان کی جگہ کانونٹ

Marfat.com

سکول لے لیں گے۔ یہ دوسری سفارش پبلک سکولوں کو ختم کرنے کے لئے ایک ایٹم بم ہے۔ ان سکولوں کو ختم کرنے کے لئے کئی راستے تھے ان میں سے یہ سفارش (نمبر ۲) سب سے زیادہ کارگر اور موثر ہے۔

رہی تیسری سفارش کہ آئندہ پانچ برس تک ان مدارس میں اردو کی تدریس معیاری کر دی جائے گی۔ ایک بے جان سی سفارش ہے، جب تک وہاں ذریعہ تعلیم انگریزی ہے، اردو کے قدم کبھی جمنے نہیں پائیں گے پڑھانے والے انگریز، ماحول انگریزی، فضا اردو کش، ان حالات میں اردو کیسے پنپ سکتی ہے۔

پہلی سفارش کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ یورپی اور عام مدارس کا نصاب ایک ہی ہوگا۔ فرق یہ کہ یورپی سکولوں میں سب کچھ انگریزی میں پڑھایا جائے گا۔ عام مدارس کی مڈل کلاسز میں تاریخ، جغرافیہ، شہریت، سائنس، حساب اور اسلامیات کے لئے کافی "ضخیم" کتابیں بطور نصاب پڑھائی جاتی ہیں۔ انگریزی میں ویسی ایک کتاب بھی موجود نہیں، جو ہیں وہ نصاب پہ حاوی نہیں، نتیجہ یہ کہ عام مدارس کے بچے ان مضامین میں بہت آگے نکل جائیں گے۔ اور یورپی سکولز کے طلبہ چھ سات سال تک انگریزی زبان ہی سیکھتے رہیں گے اور ان کے پلے کچھ بھی نہیں پڑے گا۔

پچھلا طویل تجربہ شاہد ہے کہ یورپی سکولز کے بچے انگریزی میں تو کچھ گٹ مٹ کر لیتے ہیں لیکن باقی تمام مضامین میں بودے ہوتے ہیں۔

تفاصیل بالا کے پیش نظر ہم ارباب تعلیم سے التماس کرتے ہیں کہ ان مدارس میں ملکی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے جلد تر قدم اٹھائے۔

اگر انگلستان میں کوئی مولوی صاحب ایک ایسا سکول جاری کر دیں جس میں انگریز بچوں کو اردو میں تعلیم دے اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے تو غالباً اسے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا جائے گا دوسری طرف عیسائی مشنریوں نے ہمارے بہترین گھرانوں کے ہزاروں بچے قابو کر رکھے ہیں جنہیں اجنبی زبان میں اجنبی تہذیب کا درس دے رہے ہیں۔ ان پر مذہبی اثرات ڈال رہے ہیں اور ہماری حکومت ان پر اس قدر مہربان ہے کہ ان کے تمام مدارس کو پروانہ منظوری عطا کر رکھا ہے اور ساتھ گرانٹ بھی دے رہی ہے۔ رہے پبلک سکولز تو ان کی بہت بڑی تعداد منظوری اور گرانٹ سے ہر دور میں محروم رہی ہے۔ یہ جدول ملاحظہ فرمایئے۔

Marfat.com

منظور شدہ مشنری مدارس	علاقہ
۱۷	لاہور اور پشاور ریجن
گرانٹ پانیوالے مشنری مدارس	**منظور شدہ پبلک سکولز**
۱۲	۱۲

گرانٹ پانیوالے پبلک سکولز

۱

میرا یہ ایمان ہے کہ قومی زبان کو اپنائے بغیر ہم نہ دوسری اقوام کے سامنے سر اٹھا سکیں گے نہ اپنے ادب کو تعمیر کر سکیں گے اور نہ اسلامی کردار پیدا ہوگا امید ہے کہ حکومت اس سلسلے میں جلد کوئی قدم اٹھائے گی۔

Marfat.com

مری کے خوفناک مناظر

جولائی ۱۹۶۳ء کے پہلے ہفتے میں چند احباب مری لے گئے وہاں چار ایسے نظارے دیکھے جنہیں میں کبھی نہیں بھولوں گا اور جب مستقبل کا مؤرخ ہماری داستان بقادفنا لکھنے بیٹھے گا تو اسے ان واقعات کا ذکر کرنا ہی پڑے گا۔

اول۔ دو بجے کے قریب ہم مری پہنچے۔ شام کو مال روڈ پر نکلے تو آنکھیں فیشن کی چمک دمک سے خیرہ ہو گئیں، عمدہ لباس معیوب نہیں لیکن بے حیائی سے بہت دکھ ہوتا ہے۔ نوجوانوں نے اس قسم کا تنگ لباس پہن رکھا تھا کہ جس کا ہر حصہ مستور ہونے کے باوجود عریاں تھا۔ لڑکیاں رنگ برنگ کے شوخ لباسوں میں ملبوس ہر طرف قہقہے اور جلوے برسا رہی تھیں اور ان میں سے بعض ایسی بھی تھی جنہوں نے سر پر بالوں کے گنبد یا گھونسلے بنا رکھے تھے۔ نوجوانوں کے گروہ ان کا پیچھا کر رہے تھے دائیں بائیں سے ان پر نظریں اور انگلیاں اٹھ رہی تھیں۔ لطف یہ کہ بعض ایسی لڑکیوں کے ساتھ ان کے والد محترم بھی جا رہے تھے اور وہ غالباً اس بات پر نازاں تھے کہ ان کی لڑکی تماشہ بنی ہوئی ہے۔ ان حضرات نے گھر پہنچ کر ضرور کہا ہو گا کہ بیگم آج کی سیر بڑی کامیاب رہی۔ خدا رکھے، ہماری بٹیا تو پاکستان کی کرسٹائن کیلر ہے۔

یہ منظر دیکھ کر قرآن کی آیت ذیل دماغ میں گھومنے لگی اور میں سوچنے لگا کہ جس نظریہ حیات کو جامہ عمل پہنانے کے لئے ہم نے ایک الگ ریاست کا مطالبہ کیا تھا کیا اس کی عملی تفسیر یہی ہے۔

قل للمومنین یغضو من ابصارھم و یحفظو افروجھم ذالك ازکی لھم ان الله خبیر بما یصنعون۔ وقبل و للمومنت یغضفن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ (نور)

اے رسول! ایمان والوں سے کہیے کہ وہ آنکھیں نیچی رکھیں اور

Marfat.com

شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ چیز تزکیہ دل ودماغ کے لئے ضروری ہے
اللہ ان کے اعمال سے آگاہ ہے نیز خواتین کو ہدایت کیجئے کہ وہ بھی
آنکھیں نیچی رکھیں شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیب وزینت کو
(ہاتھ پاؤں کے سوا) چھپا کر رکھیں۔

کسی زمانے میں مسلمان اس قدر باغیرت تھا (اور آج بھی ہمارے دیہات میں ایسے مسلمان موجود ہیں) کہ وہ اپنی مستورات پر سورج کی نگاہ بھی نہیں پڑنے دیتے۔ لیکن برا ہو اس مغربی تہذیب کا جس نے ہمارے مردوں کو غیرت اور عورتوں کو حیا و حجاب سے محروم کر دیا ہے۔ بعض مغرب زدہ مرد کہتے ہیں۔ اجی عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کا موقعہ دو تا کہ ملک ترقی کرے ان سے کوئی پوچھے کہ آپ کے ہاں ترقی کا مفہوم کیا ہے؟ خواتین کو بے حیا اور بے حجاب بنانے سے کس قسم کی ترقی ہوتی ہے؟ اور یورپ کی موجودہ علمی وصنعتی ترقی میں وہاں کی بے حجاب عورت کا حصہ کتنا ہے؟ انہوں نے کتنی ایجادیں کی؟ کائنات کے کون سے راز دریافت کئے؟ اور علوم وفنون میں کیا اضافہ کیا؟ اتنا ہی سنا ہے کہ ان کی بدولت یورپ کا معاشرہ سنڈاس سے زیادہ متعفن بن چکا ہے۔ یورپ اس بلائے بے درماں کا علاج سوچ رہا ہے اور ہم ہیں کہ اس غلاظت کو مشک وعنبر سمجھ کر اس پر جان چھڑک رہے ہیں۔

دوسرا منظر

دوسرے روز ہمیں نتھیا گلی جانا تھا۔ دن کا کھانا وہاں کے ''پائن ہوٹل'' میں کھایا۔ ہوٹل کے وسیع لان سیاحوں سے پر تھے۔ وہاں تین عجیب قسم کی لڑکیاں دیکھیں تینوں کی تن پر جیکٹ تھی تا بہ کمر، ایک نے تنگ سی پتلون پہن رکھی تھی اور اس کی پنڈلیاں ننگی تھیں۔ دوسری نے چھوٹا سا ریشمی جانگیہ پہنا ہوا تھا۔ اس کی رانوں کا بالشت بھر حصہ عریاں تھا۔ تیسری نے پہلوانوں کی طرح ایک رنگین لنگوٹہ کسا ہوا تھا اور ان کے طول وعرض میں اپنی سڈول رانوں کی نمائش کر رہی تھی ظاہر ہے کہ ان لڑکیوں کے ساتھ ''ڈیڈی، انکل یا بھیا قسم کے کوئی بزرگ بھی ہوں گے۔ اور وہ اپنی ماڈرن لڑکی کی اَجلیٹی (Agility) دیکھ کر بے حد خوش ہو رہے ہوں گے۔

Marfat.com

قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد ہے یہ فرنگی معاشرت کا کہ مرد
جہاں شناس ہے لیکن یہ زن شناس نہیں (اقبال بہ ترمیم)

تیسرا منظر

اسی شام ہم مری کے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے گئے ڈائننگ ہال سے ملحق ایک وسیع ہال تھا جہاں سے بینڈ کی آواز آرہی تھی۔ معلوم ہوا کہ اندر ایک نئے قسم کا ناچ ہو رہا تھا۔ میں کھانے کی میز سے اٹھا اور ایک کھڑکی سے اندر جھانکا تو کئی مناظر دیکھے ہال میں تماشائیوں کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ بیشتر شراب پی رہے تھے وسط میں مختلف جوڑے مختلف قسم کے کرتب دکھا رہے تھے، ایک لڑکا ایک جوان لڑکی کو ہاتھوں میں اٹھا کر، اور دوسرا سینے کے ساتھ لگا کر لٹو کی طرح گھوم رہا تھا۔ دو جوڑے ٹوسٹ (Twist) دکھا رہے تھے۔ یعنی گز بھر کے فاصلے پر کھڑے ہو کر، بازوؤں میں کولہوں کو نہایت تیزی سے مٹکا رہے تھے اور زمین پر پاؤں مارنے سے ٹھک ٹھک ٹھکا ٹھک کی مسلسل آواز آرہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر دماغ میں کئی سوال ابھرے۔

ا۔ کیا یہ لڑکے ہماری یونیورسٹیوں کی تخلیق ہیں۔

۲۔ کیا علم عیاش اور بدکردار بناتا ہے۔

۳۔ کیا یہ لڑکیاں ان لڑکوں کی بہنیں ہیں؟ لیکن مسلمان اتنا بے غیرت تو نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنی بہنوں یا بیٹیوں کا ناچ دکھاتے پھریں، تو کیا یہ کسی اور کی بیٹیاں ہیں؟ کیا یہ اپنے باپ کی اجازت سے اپنے آرٹ کا مظاہرہ کر رہی ہیں؟ یا باپ کو الو بنا کر یہاں آ گئی ہیں؟

۴۔ کیا یہ تماشائی مسلمان ہیں؟ اگر ہیں تو شراب کیوں پی رہے ہیں۔

۵۔ کیا یہ باغیرت ہیں؟ اگر ہیں تو ان مسلمان زادوں کو اس بے حیائی اور بے غیرتی سے روکتے کیوں نہیں؟

Marfat.com

۶۔ کیا یہ اس رقص کی تہذیب سمجھتے ہیں؟ تہذیب کے معنی ہیں پاک کرنا، دھونا، چمکانا، کیا انسانیت رقص و شراب سے چمکتی، دھلتی اور پاک ہوتی ہے؟

۷۔ دس کروڑ مسلمانان ہند نے علیحدہ وطن کا متحدہ مطالبہ کیا تھا تا کہ اسلامی نظریہ حیات کو جامہ عمل پہنائیں، کیا رقص، مے نوشی، بے حیائی اور بے غیرتی بھی اس نظریہ کے اجزاء ہیں؟

کھانے کی میز پر میں اپنے ساتھیوں کے سامنے ان خیالات کا اظہار کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک صاحب بولے۔ ''ڈاکٹر صاحب'' آپ نے تو ایک ناچ گھر دیکھا اور غصے سے ابلنے لگے۔ لاہور میں اس قسم کے درجنوں اور کراچی میں سینکڑوں ہیں۔

قوموں کی زندگی میں طاؤس و رباب کی منزل آخر میں ہوتی ہے اور ہماری ابتداء ہی اس ''مقدس'' کام سے ہوئی ہے، نہ جانے ہمارا انجام کیا ہوگا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اگر ان عیاشیوں کی وجہ سے کل پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ گیا یا مٹ گیا تو دس کروڑ پاکستانیوں پہ جو بیتے گی سو بیتے گی، البتہ مؤرخ کو بڑی سہولت ہوگی، وہ ہماری تاریخ صرف ایک شعر میں لکھ کر قلم رکھ دے گا۔

آ تجھ کو سناؤں میں تاریخ زمیں پاک
طاؤس و رباب اول طاؤس و رباب آخر

کھانا کھانے کے بعد ہم اس ہوٹل سے نکلے تو دیکھا کہ بڑے بڑے ''شرفا'' جن میں حکام، تاجر سب شامل تھے، جوق در جوق اپنی جوان لڑکیوں کے ساتھ ناچ گھر میں داخل ہو رہے تھے اور قریب کی مسجد میں ایک دو مزدور اور تین چار کھانسی کے مارے ہوئے بوڑھے نماز عشاء کے لئے جمع تھے۔

چوتھا منظر

ہم ہوٹل سے نکل کر جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے ایک تنگ سی سڑک الگ ہو کر نیچے

Marfat.com

بس سٹینڈ کو جاتی ہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان قے کر رہا ہے اور اس کا ایک قدم تک سیدھا نہیں پڑتا وہ کسی اچھے گھرانے کا چشم و چراغ معلوم ہوتا تھا اور سال سوم یا چہارم کا طالب علم نظر آتا تھا اور اس نے کافی مے پی رکھی تھی۔

تبصرہ

تاریخ عالم کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ عیاشی اقوام کو تباہ کر دیتی ہے۔ جب آسودہ حال لوگ فسق و فجور میں ڈوب جاتے ہیں تو لازماً جفاکشی و جفاطلبی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مقابلہ و مقارمت کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔ موت تو بڑی چیز ہے وہ کوئی چھوٹا سا دکھ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کا نظام اخلاق اس قدر بوسیدہ و فرسودہ ہو جاتا ہے کہ ایک چھوٹے سے سکھ پر خواہ وہ دشمن ہی سے ملے ملک و ملت سے غداری کر جاتے ہیں، ہماری تاریخ غداروں کے ذکر سے لبریز ہے یہ تمام کے تمام آسودہ حال عیاش تھے جنہیں جنگ و جہاد کے وقت دشمن نے پچکارا اور وہ دم ہلاتے ہوئے اس کی ٹانگوں میں جا گھسے۔ غریبوں مزدوروں اور کسانوں کو خریدنا دشوار ہے کہ ان کے نزدیک سب سے بڑی دولت ایمان ہے جسے وہ کسی قیمت پہ نہیں بیچتے۔ رہے یہ عیاش تو ان کا نہ کوئی ایمان ہوتا ہے نہ اصول نہ مذہب، زر ان کا خدا ہوتا ہے اور جس در سے بھی لقمہ زر ملے گا وہیں سر جھکا دیں گے۔

ہماری حکومت کئی لیڈروں کو اس بنا پر گرفتار کر چکی ہے کہ ان کی سرگرمیاں ملکی مفاد کے خلاف ہیں لیکن ان مے کشوں، رقاصاؤں اور اوباشوں کی سرگرمیوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا یہ ملکی و ملی استحکام میں اضافہ کر رہی ہیں۔

ہم نے یہ ملک اسلامی نظریہ حیات کی اساس پہ حاصل کیا تھا۔ کیا ان لوگوں کی یہ حرکات اسلام کے خلاف بغاوت اور اسلامی اقدار کی تضحیک نہیں؟ اگر کل پنڈت نہرو ہیگ کی بین الاقوامی عدالت یا اقوام متحدہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش کر دے کہ ہندوستان ہمیشہ سے ایک وحدت چلا آتا تھا، مسلمانوں نے اسلامی نظریہ حیات کی بناء پر اس کی تقسیم کا مطالبہ کیا ہم نے ان کی بات مان لی۔ لیکن ان لوگوں نے اس نظریہ پر ایک لمحہ کے لئے بھی عمل نہیں کیا اس لئے پاکستان کو ختم کر کے حسب سابق اسے ہندوستان میں ضم کر دیا جائے تو اس دلیل کا کیا جواب ہوگا۔

Marfat.com

وحشی انسان

دور وحشت میں انسان کی تمام دوڑ دھوپ پیٹ بھرنے اور تسکین جنسیت کے لئے ہوا کرتی تھی۔ وہ شکار یا جنگلی پھلوں سے پیٹ بھرتا، جو کھجور سے شراب بناتا اور وقت تسکین ہوس میں گزار دیتا تھا۔ کیا ان وحشیوں اور ہمارے آج کی مہذب عیاشیوں میں کوئی فرق ہے؟ اگر ہے تو صرف لباس کا کہ وہ ریچھوں کی کھال پہنتے تھے اور ہم اون اور کپاس اوڑھتے ہیں۔

ترقی کا مفہوم

ترقی کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ ہر روز حلال یا حرام طریقوں سے دولت کما کر اس سے شراب کی پیٹیاں خریدیں، شام کو ناچ دیکھیں اور دروازے پر کاریں کھڑی کر لیں بلکہ اس سے مراد شخصیت کا ارتقا ہے جو کائناتی و دینی علم پاکیزہ اخلاق اور عبادت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی اوصاف وقار، عظمت اور احترام پیدا کرتے ہیں۔ یہ ہوں تو قوم پر وقار، عظیم اور محترم ہے۔ نہیں تو پھر اس کے اونچے محل وہ چونا گچ قبریں ہیں جن میں متعفن لاشیں گل سڑ رہی ہیں۔

حیرت انگیز

ہمارے رائٹرز گلڈ نے ''قلمکار'' کے عنوان سے حال ہی میں نظم و نثر کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے اس میں جناب ظہیر کاشمیری نے یہ واقعہ درج کیا ہے۔

پچھلے دنوں راولپنڈی کے ایک کیفے میں ایک خوش شکل ٹیڈی شاعر سے ملاقات ہوئی ان سے شعر و ادب کے فلسفہ پر گفتگو ہوئی۔ تو ان کے بیان کے مطابق فکر و فلسفہ اور انسانی اقدار کے اعلیٰ تصورات بے معنی چیزیں تھیں۔ وہ صنمیت اور حیاتی تلذذ کو شعر سمجھتے تھے...... اپنے ذہن کو مزید تعارف کرانے کے لئے مجھے اپنی رہائش گاہ پر لے گئے وہاں انہوں نے کمرے کے کونے سے پردہ سرکایا تو وہاں پتھر کا شیولنگ تھا اور پاس ہی سامگری کی ٹوکری دھری تھی۔ میرے استفسار پہ کہنے لگے کہ میں طبعاً و اعتقاداً بت پرست ہوں۔ شیولنگ اور کالی کو پوجنے میں ذہنی لذت محسوس کرتا ہوں یہ کہہ کر انہوں نے مجھے اپنی نظم ''کالی پوجا'' سنائی۔ (ص ۹۴)

Marfat.com

یہ نظم ''فلمکار'' ہی میں ملاحظہ فرمایئے میں اسے یہاں نقل کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا بے حد فحش وعریاں ہے۔

وجہ خرابی

اس اخلاقی انحطاط اور روز افزوں لذت پرستی کی کئی وجوہات ہیں۔

۱۔ پیسے کی بہتات۔ دولت جس گھر میں قدم رکھتی ہے، یہی گل کھلاتی ہے۔

۲۔ تہذیب مغرب کا اثر۔ یورپ کی تہذیب میں بے حد عریانی وعیاشی ہے۔ ہمارے بے تربیت نوجوان سینکڑوں کی تعداد میں ہر سال یورپ جاتے ہیں اور وہاں سے لذت پرستی کے بیسیوں طریقے سیکھ کر آتے ہیں پھر سینکڑوں امریکی ویورپی ہمارے ہر شعبے میں گھسے ہوئے ہیں اور عیاشی پھیلا رہے ہیں۔

۳۔ ہمارے تعلیم یافتہ حضرات انگریزی فلموں پر مرتے ہیں ان فلموں میں نظر بازی، عریانی، جنسی بے راہ روی اور اخلاق سوز مناظر کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۴۔ ایک اور مصیبت ہمارے لیڈروں کی زندگی ہے۔ ہمارے مشیر وزرائ، سفراء اور حکام اسلام سے بدکتے، خدا ورسول سے بھاگتے اور عیش ومستی پہ جان دیتے ہیں۔ بھلا عوام کیوں پیچھے رہیں۔

۵۔ ناقص اور گھٹیا نصاب تعلیم جس میں دل ودماغ کو متاثر کرنے اسلامی اقدار کے احیاء اور دلوں پہ تصورات عالیہ کا نقش راسخ کرنے کے لئے کوئی مواد نہیں۔ اگر ہے بھی تو بھونڈا اور بے اثر۔ ہمارے اونچے خاندانوں کے بچے کانونٹ یا پبلک سکولوں میں جاتے ہیں جہاں کا نصاب تعلیم انتہائی ضرر رساں ہے انگریزی مضمون کے نصاب میں نرسری سے آٹھویں تک ستائیس مرتبہ سؤر اور کئی مرتبہ شراب کا ذکر ترغیبی رنگ میں ملتا ہے ایک دو جگہ حضور پرنور کی ذات مقدس پر بھی حملے ہیں۔ کیپٹن ڈریک جیسے لٹیرے اور ڈک ٹرین جیسے بدمعاش ڈاکوؤں کو ہیرو بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ان میں ہمارے علی، عمر، غزالی، رازی، رومی، خالد طارق وغیرہ کا ذکر تک موجود نہیں اور اخلاقی، روحانی اقدار پر ایک سطر تک نہیں ملتی، لطف یہ کہ طلبا اور والدین کا مقصد حصول علم نہیں بلکہ

Marfat.com

صرف انگریزی سیکھنا ہوتا ہے اور بس ان سکولوں سے نکل کر بچے کالجوں میں پہنچتے ہیں تو وہاں جنٹلمین آف فرانس اور ہیملٹ جیسی کتابیں پڑھا کر انہیں بی۔اے کی ڈگری دیدی جاتی ہے۔

جب والدین، اساتذہ، لیڈر اور ماحول سب لامذہب ہوں تو لڑکا کیوں لذت پرست نہ بنے۔

یہ لذت پرست نوجوان جب حصول لذت کے وسائل نہیں پائیں گے تو چوری، ڈکیتی، اغوا اور جیب تراشی جیسی واردات پر اتر آئیں گے۔ (یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے) اور بڑے بڑے شہروں میں بھی کسی کی جان محفوظ ہوگی نہ عزت اور نہ مال، سر بازار ڈاکے پڑیں گے، کاریں چوری ہوں گی، سڑکوں سے لڑکیاں اٹھائی جائیں گی۔ بازاروں میں فائر ہونگے اور شہریوں کی زندگی عذاب بن جائے گی۔

کیا میرا اندازہ غلط ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر تم اپنی اولاد کے سامنے شراب نوشی، تماش بینی اور مذہب سے بے نیازی کی مثال بد کیوں پیش کر رہے ہو۔ انہیں کانونٹ اور پبلک سکولوں میں کیوں ذبح کرا رہے ہو۔ ان کی اخلاقی و روحانی تربیت سے کیوں غافل ہو؟ قومی زندگی میں ایک عمل کے نتائج برسوں بعد نکلتے ہیں۔ آنے والی نسلوں کو صحیح راہ پر ڈالنے کے لئے آج قدم اٹھاؤ گے تو کام بنے گا ورنہ جلد یا بدیر ملک مبتلائے بلا ہو جائے گا اور قوم جہنم کا ایندھن بن جائے گی۔

ہماری کج راہی کی ایک اور وجہ لائف، پوسٹ اور وومین جیسے انگریزی رسائل ہیں جو ہمیں شوخ و رنگین تصاویر کے ذریعے لذت پرستی کی ترغیب دیتے ہیں اگر ہماری حکومت رنگ و تصویر سے کام لے کر اسلامی اقدار کا پرچار کرتی تو آج ہمارا ماحول کچھ اور ہوتا۔

Marfat.com

لاطینی رسم الخط

اکتوبر ۱۹۵۸ء کے انقلاب کے بعد فرنگ اور اس کے پاکستانی چیلوں نے لاطینی رسم الخط کو اس ملک میں نافذ کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ جب مارچ ۱۹۶۱ء میں یہ خطرہ بڑھ گیا تو میں نے ایک خط صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی خدمت میں لکھا۔ نیز چند مضامین شائع کئے ان میں سے دو مضمون اور وہ خط پیش خدمت ہیں۔

(برق)

Marfat.com

جلالت مآب! صدر پاکستان کی خدمت میں

عالی جاہ!

۱۹ فروری ۱۹۶۱ء کو ڈھاکہ میں آپ نے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان کی قومی زبانوں میں یعنی اردو اور بنگالی میں رشتہ پیدا کرنے کے لئے رومن رسم الخط اختیار کیا جائے۔ اس سلسلہ میں باادب گذارش یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بہت سے پہلو ہیں جو رائے غور و فکر حاضر خدمت ہیں۔

اول.....قوت کے ماخذ دو ہی ہیں۔ اول یہ کائنات، جہاں سے ہم کوئلہ، پٹرول، فولاد، جوہری توانائی وغیرہ حاصل کرتے ہیں اور دوسرا دل جس سے وہ قوت جنم لیتی ہے جو چاند کو دو نیم، بحیرہ قلزم کو خشک اور رب موسیٰ کو طور سینا پہ جلوہ نمائی کے لئے مجبور کر سکتی ہے۔ پہلی قوت مطالعہ کائنات سے اور دوسری من کی دنیا میں ڈوب جانے سے حاصل ہوتی ہے مسلمان ان دونوں توانائیوں کا ایک حسین امتزاج ہے۔ مطالعہ کائنات کے لئے ہم کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاتے ہیں اور حریم دل کو منور کرنے کے لئے رومی، غزالی، اجمیری، ہلال ؓ، سلمان، حیدرؓ اور صدیق ؓ جیسے ارباب دل کے در پہ دستک دیتے ہیں۔ اگر آج تمام درسگاہوں میں لاطینی حروف جاری کر دیئے جائیں تو ایک نسل کے بعد ساری قوم عربی حروف سے ناآشنا ہو جائے گی۔ سارے پاکستان میں قرآن عظیم کی عبارت پڑھنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ ہم حدیث، تفسیر، فقہ اور اپنے بزرگوں کی دیگر لاکھوں تصانیف سے محروم ہو جائیں گے۔ ماضی سے رشتہ کٹ جائے گا اور وہ تمام سوتے خشک ہو جائیں گے جن سے کشت دل سیراب ہوتی ہے۔ پھر ہمارے ہاں نہ کوئی جنید پیدا ہوگا، نہ بایزید، نہ سعدی، نہ حافظ، نہ ابن حنبل، نہ ابن قیم ایسی بے روح انسانوں کی بھیڑ کو ہم کیا کریں گے؟ اور ان سے انسانیت کی نشوونما میں کون سی مدد ملے گی۔

اس وقت دنیا میں دو گروہ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہیں اشتراکی اور مستشرقین

Marfat.com

مغرب! ہر دو نفس پرست اور شکم پرور، دونوں زمان و مکان کے زناری اور ہر دو کے دیدہ و دل تاریک۔ اس لئے دنیا میں ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو جسم و روح دونوں کی ضروریات مہیا کرے جو انسان کو کائنات کا آقا اور اللہ کا غلام بنائے، جس کا دامن ایک طرف آب و گل سے اور دوسری طرف روح کائنات سے وابستہ ہو اور یہ کام مسلمان ہی سرانجام دے سکتا ہے۔

اگر خدانخواستہ لاطینی رسم الخط کی ترویج کے بعد مسلمان ان بڑے بڑے ذخائر سے محروم ہو گیا جو اس کے اسلاف نے انسان کی روحانی نشوونما کے لئے فراہم کئے تھے تو پھر کاروان انسانیت شاہراہ حیات سے بھٹک جائے گا۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے روح تڑپ اٹھے گی، زمین پر اللہ کی مشیت کا کوئی مفسر باقی نہیں رہے گا اور اس کے بعد ایک بے کردار ملحد اور مسلمان میں امتیاز دشوار ہو جائے گا۔

حضور والا۔ اگر ایک رسم الخط سے متحدہ قومیت کا شعور بیدار ہو سکتا تو پھر یورپ میں جہاں صرف لاطینی رسم الخط رائج ہے صرف ایک قوم ہوتی تیس نہ ہوتیں۔ خط تو رہا ایک طرف، ایک زبان بھی وحدت قومیت کا احساس پیدا نہیں کر سکتی۔ انگلینڈ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی زبان ایک ہے، یعنی انگریزی اور قومیں پانچ، اسی طرح عراق، شام، اردن، فلسطین، لبنان، سعودی عرب، یمن بحرین، کویت، مصر اور لبیا کی زبان اور رسم الخط عربی ہے اور قومیں گیارہ۔ دنیا میں چار ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن اقوام صرف ایک سو چونتیس۔

دوئم...... حروف آوازوں کی علامات ہیں، ان آوازوں کی تعداد عرب میں اٹھائیس تھیں۔ ایرانیوں نے ان میں، پ، چ، ژ اور گ کا اضافہ کیا۔ یہی آوازیں جب ہند میں پہنچیں تو تین مزید حروف کا اضافہ ہو گیا۔ یعنی ٹ، ڈ، ڑ عرب سے اٹھائیس حروف چلے تھے ایران میں پہنچ کر بتیس اور ہند میں پینتیس بن گئے۔ دوسری طرف لاطینی حروف کی تعداد صرف چھبیس ہے جن میں سے تین آوازیں ہمارے لئے بیکار ہیں۔ یعنی (X, W, Y) باقی رہے ۲۳ حروف تو ظاہر ہے کہ ان سے ۳۵ آوازوں کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ ز کے لئے تو ہو گیا Z ذ، ظ، ض کے لئے حروف کہاں سے لائیں گے؟ ث، س، ص، ط، ٹ اور الف، ع میں کیسے تمیز کریں گے؟ حل ہل، مقرر، مکرر اور الم، علم

Marfat.com

، آلام اور اعلام عالم کو کیسے لکھیں گے؟ کیا علم ، اعلام، آلام، عالم کا ہجا ایک ہی نہیں ہوگا؟ یعنی Alam کیا Am کو کوئی عام کوئی آم اور کوئی ایم نہیں پڑھے گا؟ یائے مجہول، مثلاً دیر، بیر، ڈھیر کی آواز انگریزی میں کیسے ادا ہوگی؟ ہمیں کون بتائے گا کہ Ghar غار ہے، گھر نہیں، اور Ghat گھاٹ ہے۔ گھٹ (کم) یا غٹ، غٹ، غٹ پانی پینا نہیں Hall حل ہے۔ ہل، ہال یا حال نہیں Hakim حاکم ہے، حکیم نہیں؟ اس قسم کی ہزاروں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

سوئم...... اردو میں دو اور بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔

اول۔ یہ بہت کم جگہ گھیرتی ہے انگریزی کے دس صفحات کا اگر لفظی ترجمہ کیا جائے تو وہ پانچ صفحات میں سما سکتا ہے۔ اگر آج سرکاری دفاتر میں اردو جاری کر دی جائے تو کاغذ میں کئی لاکھ ٹن سالانہ کی بچت ہوگی۔

دوئم۔ اس کے پڑھنے میں بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ میں انگریزی کتاب کے زیادہ سے زیادہ دس صفحات پڑھے جاسکتے ہیں اور اردو کے ساٹھ۔

سوئم۔ ہمارے ہاں مختلف قسم کے خطوط رائج ہیں مثلاً موشح، مشجر، ریحانی، خط گلزار وغیرہ۔ جن کے حسین نمونے، قلمی نسخوں اور تاریخی عمارتوں میں جابجا ملتے ہیں اور جن پر ساری قوم نازاں ہے۔ لاطینی رسم الخط کی ترویج کے بعد ہم اسلاف کا یہ پیش بہا سرمایہ کھو بیٹھیں گے اور پھر ایک ایسا وقت بھی آجائے گا کہ اس قسم کے نوشتے پڑھوانے کے لئے ہمیں کابل یا ایران سے آدمی منگوانا پڑیں گے۔

چہارم۔ کچھ عرصہ کے بعد ہمیں قرآن، حدیث، کلام اقبال و غالب وغیرہ کو لاطینی حروف میں منتقل کرنا پڑیگا۔ چونکہ رومن میں لکھی ہوئی اردو کو پڑھنا ایک سیدھی چٹان پہ چڑھنا ہے۔ اس لئے لوگ اردو کی ان "لاطینی" کتابوں سے متنفر ہو جائیں گے اور صرف ۳۰ برس کے عرصے میں ساری قوم جاہل ہو جائے گی۔ جس کا رشتہ ماضی اسلاف اور خدا سب سے کٹ چکا ہوگا اور اس کے سامنے اخلاق، ایمان، خدا، جزا و سزا وغیرہ کا کوئی تصور باقی نہیں رہے گا۔

یہ ایک آیت ہے:

Marfat.com

Lo Thakkuquhu Sinatum WelaNaumm

اور یہ ایک شعر ہے

Too ne Yih Kia Ghazab Kiya Muj Kko

Bhi Fash Kar Diya,

Main He To Aik Raz Tha Sinia

Kaienat Man

شاید آدھ گھنٹے کی مغز سوزی کے بعد بھی پڑھنے میں کامیابی حاصل نہ ہو۔

آیت ہے۔

لا تاخذہ سنتہ ولا نوم

اور شعر ہے۔۔۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینہ کائنات میں

عظمت پناہا! مسلمان کی بقاء وطاقت کا راز اس تعلق میں ہے جو وہ رب کائنات سے قائم کرتا ہے۔ چونکہ لاطینی حروف کی ترویج سے اس تعلق پہ شدید ضرب پڑے گی۔ مسلم کا حسین ماضی اس سے چھن جائے گا اور صرف ایک نسل کے بعد قرآن حکیم اسے گورمکھی کی کوئی کتاب نظر آنے لگے گی اس لئے خدمت عالیہ میں باادب التماس ہے کہ اردو کو عربی حروف میں ہی زندہ رکھا جائے اور لاطینی رسم الخط کی تجویز ہمیشہ کے لئے ترک کردی جائے۔

ترکوں کی مثال

غالباً ۱۹۲۸ء میں ترکوں نے عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی خط جاری کیا تھا ۱۹۵۰ء تک عربی حروف سے آشنا نسل ختم ہوگئی اور اس کے بعد ساری قوم کے دل ودماغ پر تاریکیاں مسلط ہوگئیں۔ مسجدوں کو قریب قریب تالے لگ گئے درس قرآن وحدیث کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ عطار وغزالی کے نام تک سے وہ لوگ ناآشنا ہو گئے۔ زندگی کا تصور ہی بدل گیا۔ ہر چھوٹا بڑا عیش پرستان یورپ

Marfat.com

کے نقوش قدم پر چل نکلا۔ اس کے بعد وہاں مغرب زدہ قسم کے لوگ تو لاکھوں پیدا ہوئے لیکن رومی یا افغانی قطعاً پیدا نہیں ہو سکا۔

کسی قوم کو اس کے ماضی سے کاٹ کر اللہ سے دور ہٹا کر اور دنیائے دل سے جو نور و سرور اور حیات و قوت کا سرچشمہ ہے۔ غافل کر کے اپنے پیچھے لگا لینا شاطران یورپ کا دل پسند کھیل ہے اور اس مقصد کے لئے ان کے بڑے بڑے حربے دو ہیں اول انگریزی زبان اور اگر اس جال سے کوئی قوم بچ نکلے تو پھر لاطینی رسم الخط، انگریز کو باقی تمام اقوام کی نسبت مسلمان کے مسائل سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اسے ہندو سے کوئی خطرہ نہیں کہ وہ آج تک کسی میدان میں انگریز کے سامنے نہیں آیا۔ نہ بڈھسٹ سے کوئی ڈر ہے کہ دنیا کے ایک کونے میں رہتے ہیں اگر وہ ڈرتا ہے تو مسلمان سے جس نے ماضی میں اسے صدہا شکستیں دیں۔ ہسپانیہ پر آٹھ سو برس حکمران رہا۔ قسطنطنیہ اور تھریس پہ آج تک قابض ہے۔ بحیرہ روم کا تمام مشرقی و جنوبی اور بحر اوقیانوس کا مغربی ساحل اس کے قبضہ میں ہے۔ اس کی پچیس آزاد سلطنتیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ اس کے پاس تیل، ربڑ، جوٹ، کپاس، ٹن، گندم اور دیگر اجناس کے بے اندازہ ذخائر ہیں، علاوہ ازیں انگریز ایک کارخانہ دار ہے اور مسلمان اس کا مزارع، ہر جگہ مسلمان اپنا غلہ یورپ کے کارخانہ داروں کو بھیج رہا ہے اگر آج یہ سلسلہ ختم ہو جائے تو انگریز کا زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔ انگریز کی نجات اسی میں ہے کہ

۱۔ مسلمان اللہ سے دور رہے۔

۲۔ اپنے ماضی سے بے تعلق ہو جائے۔

۳۔ مزارعانہ زندگی بسر کرنے پر قانع ہو۔

۴۔ اپنی ہر چیز کو برا اور ہر انگریزی چیز کو اچھا کہتا رہے۔

۵۔ انگریزی پڑھے۔

۶۔ اور اگر انگریزی سے بھاگ نکلے تو لاطینی رسم الخط کی دلدل میں تا بہ گلو پھنس جائے۔

بس یہ تھیں چند گزارشات۔

Marfat.com

(۲)

لاطینی رسم الخط اور اردو

آج سے کچھ عرصہ پہلے اے پی پی نے یہ شوشہ چھوڑا کہ حکومت پاکستان لاطینی رسم الخط کا قضیہ پارلیمان سے طے کرانے کا انتظام کر رہی ہے یہ خبر پڑھتے ہی ہر محب وطن پاکستانی چونک اٹھا اور سوچنے لگا کہ وہ کونسے لوگ ہیں جو اس مسئلے کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور دس کروڑ پاکستانیوں کی خواہش کے خلاف ان پر یہ خط ٹھونسنے پر تلے ہوئے ہیں۔ پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن عظیم کے مقدس حروف میں کیا خرابی ہے اور انگریزی خط میں کون سی خوبی ہے کہ وہ اول الذکر سے بھاگ رہے ہیں اور ثانی الذکر پر جان دے رہے ہیں۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ سارے پاکستان میں زیادہ سے زیادہ آٹھ دس ایسے بزرگ ہیں جو اس تجویز کے موجد و محرک ہیں۔ ان میں سے ایک دو سے مجھے بھی ملنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان حضرات کے پاس نہ تو ان وزنی دلائل کا کوئی جواب ہے جو آج تک عربی حروف کے حامیوں کی طرف سے بار بار پیش ہو چکے ہیں اور نہ اپنے موقف کی تائید میں کوئی دلیل، بس اتنا ہی کہہ کر رہ جاتے ہیں۔

۱۔ کہ لاطینی خط بڑا ترقی یافتہ اور ماڈرن خط ہے۔

۲۔ کہ عربی حروف میں کچھ خامیاں ہیں کہ لکھو ہوا، اور پڑھو ہوا۔

۳۔ کہ لاطینی خط کی بدولت جزائر شرق الہند کا تناسب خواندگی یکدم دس سے نوے فیصد ہو گیا ہے۔

۴۔ کہ اردو ادب چند لایعنی قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ کام کی کتابیں صرف دو تین درجن ہی ہیں جنہیں دو تین ہفتوں میں لاطینی حروف میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس بات کی تو ہم بھی تائید کرتے ہیں کہ انگریز ماڈرن، اس کی خواتین ماڈرن، اس کے کلب اور اس کے رقص ماڈرن اس کی ہر چیز ماڈرن تو پھر اس کا رسم الخط کیوں ماڈرن نہ ہو۔ دوسری طرف ہماری تہذیب، ہمارا مذہب ہماری اقدار و روایات سب دقیانوسی۔ بھلا ہمارا جدت پسند اور یورپ گزیدہ طبقہ دقیانوسی بننے کی ذلت کیسے گوارا کر سکتا ہے۔

Marfat.com

رہا یہ کہ اردو میں بعض الفاظ کو لکھتے کچھ اور پڑھتے کچھ ہیں، تو یہ نقص، نقص ہے اگر عربی حروف میں پایا جائے اور اگر انگریزی میں Knife (کنائف) کو نائف۔ (Know) کناؤ کو نو (Enough) انوغ کو انیف (Through) تھراوغ کو تھرو اور (Colour) کلاور کلر پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ایک ماڈرن زبان ہے۔ انگریزی میں تیس ہزار الفاظ ایسے ہیں کہ ان کی کتابت کچھ ہے اور تلفظ کچھ۔ لیکن اس صورتحال پر نہ ہمارے ''صاحب بہادر'' کو کوئی اعتراض ہے اور نہ انگریز اسے کسی قیمت پر چھوڑنے کو تیار ہے۔ دوسری طرف ہمارے بعض پاکستانی اتنے نازک مزاج ہیں کہ ہوا کو ہوا سے متمیز کرنے کی ذرا سی دقت پیش آ جائے تو شور مچاتے دیتے ہیں کہ اس رسم الخط کو ذبح کرو اور ہم ماڈرن لوگوں کے لئے ولایت سے نیا خط منگاؤ۔

تیسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انڈونیشیا میں لاطینی رسم الخط کی وجہ سے خواندگی کا تناسب دس سے نوے فیصد ہو گیا۔ اول تو یہ بات ہی غلط ہے کہ دس سال پہلے وہاں خواندہ افراد کی تعداد اسی لاکھ تھی اور اب آٹھ کروڑ ہو گئی ہے۔ کیا خواندگی کا تعلق دفتری حکم سے ہے کہ ادھر لاطینی خط کے نفاذ کا حکم جاری ہوا اور ادھر تمام لوگ خود بخود خواندہ بن گئے؟ خواندگی نتیجہ ہے بے شمار سکولوں اور اساتذہ کی کوشش کا، اسی تعداد میں سکول یہاں کھولئے اور اساتذہ مہیا فرمایئے وہی تناسب یہاں بھی ہو جائیگا۔

جب ہم کہتے ہیں کہ لاطینی رسم الخط اختیار کرنے سے ہمیں ان تباہیوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔

۱۔ کہ ہم سے اردو کی چھ لاکھ کتابیں جو گذشتہ پانچ سو برسوں کی طویل مدت میں لکھی گئی تھیں، چھن جائیں گی۔

۲۔ ہم فارسی کی گیارہ لاکھ اور عربی کی لاتعداد کتابوں سے محروم ہو جائیں گے۔

۳۔ کہ ہمیں اپنی درسگاہوں سے عربی اور فارسی کو نکالنا پڑے گا کیونکہ ہم بیک وقت اپنے طلباء کو دو رسم الخط نہیں سکھا سکتے۔

۴۔ ہمارا رشتہ ہمارے شاندار اسلاف جن میں رازی، رومی، غزالی، سعدی، ابن قیم، ابن

Marfat.com

حنبل، ابن تیمیہ، ابن حزم، سینا اور فارابی جیسے ہزار ہا مینار ہائے نور و ہدایت شامل ہیں، سے کٹ جائے گا۔ ہم صحیح فکر سے محروم ہو جائیں گے اور رفتہ رفتہ الحاد و عیاشی کا شکار بن جائیں گے تو جواب ملتا ہے۔

''اجی آپ کے پاس لٹریچر کون سا ہے۔ اڑھائی بوٹیاں اور پشتو باغبان، طوطے مینا کی کہانی، داستان امیر حمزہؓ، قصہ چہار درویش اور چند دیگر لایعنی کہانیاں، اللہ اللہ اور خیر سلا۔ ان کتابوں کے بغیر بھی قوم زندہ رہے گی۔

ان علاموں کو کون سمجھائے کہ ہماری زبان میں دس بیس نہیں، پوری چھ لاکھ کتابیں ہیں جن میں غواصی دکنی سے لے کر فیض تک ہزاروں شعراء کے دیوان، خواجہ گیسو دراز سے لے کر آب تک لاتعداد نثری مجموعے قرآن مقدس کے بیسیوں تراجم، سرسید، ذکاء الملک، وقار الملک، محمد حسین آزاد، شرر، راشد الخیری، شبلی، حالی، سلیمان ندوی، عبدالسلام ندوی، ابوالکلام آزاد، اقبال، نذیر احمد، سرشار، ظفر علی خان ظفر، غلام رسول مہر، سالک، مشرقی، خلیفہ عبدالحکیم، حسرت، شورش، فراق، نیاز، عبدالماجد، وقار عظیم، ڈاکٹر عبداللہ، ڈاکٹر عبادت، نسیم حجازی، رئیس احمد جعفری، پرویز، بابائے اردو اور دیگر ہزار ہا اہل قلم کی لاکھوں علمی، ادبی، اخلاقی، تنقیدی تاریخی اور ثقافتی تخلیقات شامل ہیں۔ ان کے علاوہ تمام احادیث، شاہ ولی اللہ، غزالی، رومی، ابن تیمیہ، ابن قیم اور دیگر علمائے مصر و شام و مفکرین عراق و ایران کی بیشتر تصانیف اور کئی سو انگریزی شاہکاروں کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ حال ہی میں انجمن ترقی اردو، پاکستان نے اردو ادب کی فہرست کی پہلی جلد ''قاموس الکتب'' کے نام سے شائع کی ہے اس میں ایسی بارہ ہزار کتابوں کا ذکر درج ہے جن کا موضوع ''مذہب'' ہے۔

کیا ہم ان تمام علمی خزائن کو اٹھا کر محض اس لئے نذر دریا کر دیں کہ ہمارے چند فرنگ مزاجوں کا شوق فرنگ پرستی پورا ہو جائے۔

ترکی نے ۱۹۲۸ء میں لاطینی خط اختیار کیا تھا۔ آج اس واقعہ کو چھتیس برس ہو چکے ہیں لیکن وہ لوگ اپنی عظیم علمی میراث یعنی آٹھ لاکھ کتابوں میں سے اب تک صرف دو سو کو لاطینی حروف میں

Marfat.com

منتقل کر سکے ہیں۔انہی دوسو کتابوں کو پڑھ کر وہ وکیل بنتے ہیں اور پروفیسر، ڈاکٹر، انجنیئر، مکینک ، ادیب، مؤرخ اور فلسفی بھی۔ وائے بےبسی اور واور وائے کم نظری آج سے ایک ماہ پہلے دارالخلافہ کے ایک خاص اجتماع میں یہی مسئلہ زیر بحث آیا تو ایک صاحب کہنے لگے۔

''ڈاکٹر صاحب! گھبرایئے مت۔ میں آپ کی ان چھ لاکھ کتابوں کو ایک مہینہ میں لاطینی خط میں منتقل کر ڈالوں گا۔

ایک طرف تو بلند ہمتی کا یہ عالم کہ عمر عزیز کے پینتالیس برس گزار دیئے اور اپنی تحریرات کا ایک مجموعہ تک مرتب نہ کر سکے اور لاف زنی کی یہ انتہا کہ وہ چھ لاکھ کتابوں کو جن کے صفحات کی تعداد کم از کم تیس کروڑ بنتی ہے صرف تیس دنوں میں لاطینی میں بدلنے کا ارادہ رکھتے ہیں یعنی روزانہ ایک کروڑ صفحہ اگر کام کرنے کے اوقات شب و روز میں بارہ گھنٹے میں آٹھ لاکھ صفحے۔ اس پر یہی کہہ سکتا ہوں۔

''اشکے او شیرا''

اور پھر کتنی ہی مرتبہ خط لاطینی کے حامیوں سے کہا گیا کہ ہماری زبان میں الف سے یا تک ۳۶ آوازیں ہیں اور لاطینی میں کل ۲۶ جن میں سے C-V-W اور X ہمارے لئے بیکار ہیں۔ باقی رہی ۲۲ ان سے ۳۶ آوازوں کا کام کیسے لیا جا سکتا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ نقطے ڈال کر مثلاً D (بے نقطہ) دال اور D (با نقطہ) ڈال کا کام دے گی۔ بہت اچھا۔ آیئے ہم ذرا دیکھیں کہ قریب الصورت اور ہم صوت حروف کتنے ہیں اور ہمیں کتنی علامات درکار ہونگی۔

الفاظ کے مختلف گروہ یہ ہیں۔

۱۔	ا۔آ۔ی۔ع	۴
۲۔	ب۔پ	۲
۳۔	ت۔ٹ۔ط	۳
۴۔	ث۔س۔ص	۳

Marfat.com

۵۔	ح۔ہ	۲
۶۔	و۔ڈ	۲
۷۔	ر۔ڑ	۲
۸۔	ذ۔ز۔ض۔ظ	۴
۹۔	غ۔گ	۲
۱۰۔	ق۔ک	۲
۱۱۔	ی۔ژ	۲
۱۲۔	ہائے خفی وجلی	۲
۱۳۔	واؤ و یائے مجہول	۲
۱۴۔	الف اور فتحہ	۲
۱۵۔	ی اور کسرہ	۲
۱۶۔	واؤ اور ضمہ	۲
	میزان:۔	۳۸

یعنی حروف اٹھارہ ہوں گے اور علامات اڑتیس اس گورکھ دھندے کو یاد کون رکھے گا پھر ''ش'' کی کوئی معین آواز حروف لاطینی میں موجود نہیں۔ اس آواز کے لئے کبھی وہ TIO (Station) کبھی SSIO (Session) کبھی CIA (Facial) کبھی SHI (Fashion) اور کبھی SH (Shriek) سے کام لیتے ہیں آپ کون سی صورت پسند فرمائیں گے اور کیوں؟

کیا آپ نے کبھی اس بات پر بھی غور فرمایا کہ ان حروف میں لکھی ہوئی اردو کو پڑھے گا کون؟ ن۔م راشد صاحب اس رسم الخط کے سب سے بڑے مبلغ ہیں ذرا ان کی ''ماورا'' کو لاطینی میں چھاپ کر دیکھئے۔ اگر قیامت تک ایک نسخہ بھی بک جائے تو ہم ہارے اور آپ جیتے۔ پاکستان ایک جمہوریت ہے اتنی بڑی تباہ کن تجویز کرنے سے پہلے عوام سے رائے لینا ضروری ہے۔ یہاں عوام سے مراد ان پڑھ دیہاتی نہیں جو ان مسائل کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے بلکہ

Marfat.com

آبادی کا تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔

ممبران پارلیمان سے بدگمانی

جب اے پی پی کی خبر بالا اخبار میں شائع ہوئی تو ایک دوست گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے!

''ڈاکٹر صاحب! اب کیا ہوگا ہمارے ممبران پارلیمنٹ کی ایک خاصی تعداد فکر ونظر کے جوہر سے محروم ہے اگر یہ تجویز پاس ہوگئی تو پھر؟

میں نے عرض کیا کہ یہ بات نہیں، اگر مغربی پاکستان کے صرف پندرہ ممبر بھی مسئلہ زبان و خط کو سمجھے ہوئے ہیں تو یہ تجویز کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔

اس تحریک کے اصلی اسباب

تبدیلی رسم الخط کے حقیقی محرک اور معاون دو ہیں۔

اول فرنگ۔ جس کی گلوبل پالیسی یہ ہے کہ مسلمان ہر جگہ بدعمل رہے اور قرآن سے اس کا رشتہ قائم نہ ہونے پائے۔ مسلمان انڈونیشیا سے بحر اوقیانوس کے سواحل تک ہلال کی شکل میں پھیلا ہوا ہے، یہ ہر جگہ جاگ رہا ہے۔ گذشتہ پندرہ برس کی مختصر سی مدت میں اس کی ۳۴ آزاد سلطنتیں قائم ہوگئی ہیں۔ اگر مسلمان کا رشتہ قرآن سے استوار ہو گیا تو وہ دوبارہ یورپ کے لئے خطرہ بن جائے گا اور فرنگ اس دولت سے، جو انبار اور انبار یورپ میں پہنچ رہی ہے محروم ہو جائے گا۔ کون نہیں جانتا کہ اسلامی ممالک قدرتی وسائل کے لحاظ سے بے حد دولت مند ہیں، جاوا، سماٹرا اور بورنیو میں ربڑ، چینی اور تیل کی بہتات ہے۔ بحرین، کویت، ایران اور عراق کے تیل سے یورپ اور ایشیا کی تمام موٹریں چل رہی ہیں۔ افریقہ سونے، لوہے، پیتل اور کوئلے کا گھر ہے، اگر آج مسلمان منظم ہو جائے تو معاً یورپ کی سیاسی اور معاشی حالت دگرگوں ہو جائے۔ اس لئے یورپ کی یہی کوشش ہے کہ مسلمان ہر جگہ محتاج وضعیف رہے وہ یورپ کے آستان پر سدا دم ہلاتا رہے، اپنی قدرتی دولت کو کبھی نہ سنبھال سکے اور اپنے تمام ذخائر یورپ کے ہاتھوں کوڑیوں کے

Marfat.com

مول بیچ کر عیاشی کا کچھ سامان مثلاً موٹرین، ٹرانسسٹر اور ریفریجریٹر وغیرہ خریدتا رہے اور اس کے عوام فاقہ وافلاس کی وجہ سے ہمیشہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہیں۔

دوم۔ تبدیلی خط کا دوسرا محرک بعض پاکستانی ادیبوں اور افسروں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو اسلام سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔ جس کے لئے روزہ موت نماز سب سے بڑی کوفت، زکوٰۃ بیجا اسراف اور قرآن دقیانوسی ہدایات کا ایک ناکام ضابطہ ہے۔ اس گروہ کے بعض افراد کمیونزم سے متاثر ہیں اور بعض دیگر انگریز کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ یہی وہ گروہ ہے جو اردو کو پاکستانی دفاتر اور درسگاہوں میں داخل نہیں ہونے دیتا۔

اگر آج یہ خط پاکستان میں جاری کر دیا جائے تو تیس سال تک عربی حروف جاننے والے پاکستان میں ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد قرآن کو لے کر سارے پاکستان میں گھوم جایئے اسے کوئی پہچان بھی نہ سکے گا۔

عذر سہولت کار

لاطینی خط کے جواز میں ایک عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اردو ٹائپ رائٹر مکمل نہیں اور اگر خط بدل دیں تو موجودہ ٹائپ رائٹر ہی سے کام چل جائے گا اس میں سہولت بھی ہوگی اور کفالت بھی۔ جی ہاں! قوم کو لا مذہب، لا ماضی اور لا مستقبل بنانے میں بڑی سہولت ہو جائے گی۔ جب گذشتہ چودہ سو برس سے ہم عربی حروف میں اتنی عظیم سلطنتوں کا کاروبار چلاتے رہے ہیں اور آج بھی مصر، عراق، ایران شام، شرق اردن، سعودی عرب، یمن، سوڈان، لیبیا، تیونس، مراکش اور الجزائر نہایت کامیابی سے اپنے دفاتر اور یونیورسٹیاں چلا رہے ہیں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ پاکستان کے ایک صوبے کا تعلیمی اور دفتری کام ان حروف سے کیوں نہیں چل سکتا۔

کمال اتاترک اور ایک پروفیسر

غالباً نسیم حجازی جو کچھ عرصے پہلے ترکی کی سیاحت سے واپس آئے ہیں۔ اس کہانی کے راوی ہیں، کہ جب ۱۹۲۸ء میں کمال اتاترک نے عربی حروف کی جگہ لاطینی خط جاری کر دیا تو

Marfat.com

ایک بوڑھا پروفیسر اتاترک کی خدمت میں پہنچا وہ اپنی بیوی اور پانچ بچوں کو بھی ساتھ لے گیا۔ اتاترک نے انہیں احترام سے بٹھایا اور تکلیف فرمائی کی وجہ پوچھی تو پروفیسر نے ایک ریوالور میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”آپ نے آج ایک فرمان کے ذریعہ ملک کا رسم الخط بدل دیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آنے والی نسلیں اپنے ماضی، اپنے اسلاف، اپنے ادب اور اپنی اقدار و روایات سے کٹ جائیں گے۔ رسم الخط ایک ایسی وادی ہے جس میں علم و فکر کے چشمے ماضی سے مستقبل کی طرف رواں رہتے ہیں۔ خط کو بدل کر آج آپ نے اپنے دھاروں کا رخ پھیر دیا ہے۔ میری قوم کا حال ادب سے خالی ہے، ماضی سے اس کا رشتہ کٹ گیا ہے، نتیجتاً اس کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ ساری قوم اللہ سے کٹ کر یورپی تہذیب کی گرویدہ ہو جائے گی اور اس طرح اس کی دنیا و آخرت دونوں ہی تباہ ہو جائیں گے۔ اس ریوالور میں سات گولیاں ہیں اور میرے گھر کے آدمی بھی سات ہیں۔ برائے مہربانی ہم کو مار ڈالیے یا یہ فرمان واپس لے کر آنے والی لاتعداد نسلوں کو تباہی سے بچا لیجیے۔ میں یہ قربانی اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ شاید میری قوم بچ جائے۔

وہ مصطفیٰ کمال پاشا انگوز، جو اناطولیہ و سمرنا کے میدانوں میں پیہم شکستیں دے چکا تھا۔ میدان فکر میں انگریز سے وہ مار کھائی کہ آج اس کی قوم لامقصدی۔ بے راہ روی اور فکری انتشار میں ضرب المثل بن چکی ہے۔ نہ ماضی، نہ مستقبل، نہ منزل، نہ فکر منزل۔ جلال الدین رومی کی یہ عظیم قوم کبھی اپنی منزل اللہ کی طرف یوں بڑھ رہی تھی کہ زندگی کی تمام عظمتیں جلو میں اور رحمتیں سر پر سایہ انداز تھیں لیکن آج وہ بھیڑ ہے بے مقصد اور ایک کاروان ہے بے منزل۔

اللہ پاکستان کو اس عبرتناک انجام سے محفوظ رکھے۔

Marfat.com

لاطینی رسم الخط اور ن۔م راشد

ن۔م راشد وہی ''ماورا'' کے مصنف غالباً واحد پاکستانی ہیں جو ہمیں تقریروں، تحریروں سے رومن رسم الخط اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں اس سلسلے میں ریڈیو پاکستان کراچی سے ان کی ایک تقریر نشر ہوئی ہے جو آہنگ (۱۔۱۵ جون ۶۱ئ) میں درج ہے آیئے ذرا ان کے ارشادات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں۔

غسل دماغ

''غسل دماغ'' انگریزی کی ایک اصلاح (Brain Washing) کا ترجمہ ہے جس کا مفہوم ان امثلہ سے سمجھیے۔

۱۔ آج سے چند صدیاں پہلے ہمارے ہاں خانقاہوں میں تصوف کی عملی تربیت دی جاتی تھی۔ جب کوئی شخص صوفی بننے کے لئے خانقاہ میں آتا تھا تو اس کا ذہنی ماحول بدلنے کے لئے کئی قدم اٹھائے جاتے تھے مثلاً سب سے پہلے اونٹ کے بالوں کا ایک کھردرا چولہ اسے پہنایا جاتا۔ کئی روز تک بھوکا رکھا جاتا۔ وہ زمین پر سوتا رات کو کم از کم پانچ گھنٹے ورد و عبادت کرتا عبادت میں خدا، رسول یا شیخ کا تصور باندھنا اور زندگی کی تمام لذات سے اسے دور رکھا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اس نئے ماحول میں ڈھل جاتا اور زندگی کے متعلق اس کا نقطہ نگاہ کلیۃً بدل جاتا تھا۔

۲۔ میرے ایک شناسا جو اچھے بھلے آدمی تھے، اپنے ایک دوست کے ساتھ بازار نغمہ و حسن میں جانے لگے۔ رفتہ رفتہ رنڈیوں کی طرح نخرے اور باتیں کرنے لگے ''تیرے سر کی قسم'' ''تیری جان کی قسم'' ان کا تکیہ کلام بن گیا۔ عیش و لذت سے گرویدہ اور خدا اور رسولؐ سے منحرف ہو گئے۔

یہ ہیں غسل دماغی کی دو صورتیں۔ ایک تیسری صورت بھی ہے جس کے بڑے بڑے ادارے یورپ میں ہیں۔ گذشتہ چودہ صدیوں سے عیسائیت اسلام سے برسرپیکار ہے، وہ ہماری

Marfat.com

تلوار اور تومند افکار سے ہمیشہ لرزہ براندام رہے اس نے ہمیں اس وقت کچلنے کی کوشش کی جب ہماری تعداد دو تین لاکھ تھی اور آج تو ہم بفضل خدا ستر کروڑ ہیں وہ ہم سے کیوں خائف نہ ہو، اسے ڈر ہے کہ

(۱) کہیں یہ ستر کروڑ انسانوں کی بھیڑ منظم ہو کر یورپ کے لئے پھر خطرہ نہ بن جائے یا یہ کوئی کامن ویلتھ نہ بنالیں۔

(۲) اس وقت مسلمان ہر جگہ یورپ کا مزارع ہے جو اس کے لئے پٹ سن، چاول، چائے، ربڑ، آلو، پھل اور غلہ اگا رہا ہے اپنے معادن یعنی تیل، لوہا، ٹین، تانبہ وغیرہ کوڑیوں کے مول اس کے ہاتھ بیچ رہا ہے۔ ایک دو موٹریں لے کر ایک ایک ضلع کی پیداوار اسے بھیج رہا ہے۔ فولاد کے استعمال سے بے خبر اور بھاری صنعتوں کے فوائد سے نا آشنا ہے۔ ہل چلانے مٹی کھودنے اور مزدورانہ زندگی بسر کرنے پر قانع ہے۔ یورپ اس کی دولت پہ عیش اڑا رہا ہے اور یہ بے بس ہو کر سب کچھ بچشم حیرت دیکھ رہا ہے۔ اگر چینیوں کی طرح مسلمان بھی جاگ اٹھا۔ کارخانے لگا کر اپنی خام اجناس اپنے ہی استعمال میں لے آیا تو فرمایئے کہ انگلستان، فرانس، بلجیئم، ہالینڈ اور غربی جرمنی کی آبادی کہاں سے کھائے گی۔ وہ لوگ تو اپنی زمینوں سے دو ماہ کی خوراک بھی پیدا نہیں کر سکتے۔

(۳) اور سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں مسلمان، مسلمان نہ بن جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ایک سیل تند کی طرح کائنات پر چھا جائے گا اور اس کے عظیم و مہیب افکار و نظریات کے سامنے عیسائیت دم توڑ دے گی۔

یورپ نے ان خطرات کا انسداد یوں کیا۔

(۱) اسلامی ایمپائر کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے اپنے نمک خواروں کے حوالے کر دیا اور پھر ان میں سیاسی و معاشی مسائل کی بنا پر پھوٹ ڈال دی تا کہ سدا ایک دوسرے کا منہ نوچتے رہیں اور کسی دوسری طرف توجہ ہی نہ کر سکیں۔

Marfat.com

(۲) یہ ہر حیلہ وبہ ہر مکر انہیں ہماری صنعتوں سے محروم رکھا تاکہ سدا اہل چلاتے ہیں۔

(۳) انہیں نہ جنگی جہاز دیئے نہ طیارے۔ تاکہ جنگ کی صورت میں ان کی افواج ایک دن میں گھٹنے ٹیک دیں۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ ترکی جو تقریباً چالیس برس سے یورپ کا یار غار، نہایت تابعدار اور پرلے درجے کا وفادار ہے، کے پاس صرف آٹھ ڈسٹرائیرز (چھوٹے جنگی جہاز) ہیں جن کا وزن صرف چالیس ہزار ٹن ہے اور خود انگریز کے سمندری بیڑے کا وزن تیرہ کروڑ ٹن ہے۔ پھر انگریز کے کارخانوں میں ہر سال نو کروڑ ٹن فولاد ڈھلتا ہے اور ترکی ایک چھٹانک بھی تیار نہیں کر سکتا۔ ترکی کے پاس ساڑھے پانچ ہزار ٹریکٹر ہیں، لیکن ورکشاپ ایک بھی نہیں۔ نتیجہ یہ کہ سب بیکار بڑے ہیں۔

(۴) انہیں معاشی و جنگی امداد کے سنہری جال میں پھنسالیا تاکہ کہیں کے نہ رہیں اور امداد کی یہ صورت کہ اگر ہم کسی حملہ آور پر گولی چلا بیٹھیں تو فوراً پوچھا جاتا ہے۔ کیوں صاحب کہیں ہماری عطا کردہ گولی تو نہیں چلادی۔ پھر مقدار میں اتنی کم جیسے صحرا میں شبنم۔

(۵) اہل یورپ کا خوفناک ترین حربہ یہ کہ وہ ہمارے بہترین دماغوں کو، خواہ وہ چوٹی کے طلبہ ہوں یا سی ایس پی آفیسرز، وظائف کا لالچ دیکر یا گفت وشنید کے سلسلے میں اپنے ہاں بلالیتے ہیں، جلسوں، کلبوں، تھیٹروں اور ناچ گھروں میں ساتھ لے جاتے ہیں۔ آزاد لڑکیوں سے آزادانہ ملاتے ہیں مفت شراب پلاتے ہیں۔ جگہ جگہ سیر کراتے ہیں۔ پارٹیوں میں بلاتے ہیں باتوں باتوں میں اہل مشرق پہ چوٹیں کرتے ہیں۔ موقعہ ملے تو مذہب کا تمسخر اڑاتے ہیں، مشرقی اقدار وروایات پر پھبتیاں کستے ہیں۔ عیاشی کو تہذیب کا رنگ دیتے ہیں۔ اپنے ملٹن اور بائرن، جارج اور ولیم، رسل اور شا کو اتنا اچھالتے ہیں کہ مشرقی مبہوت ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے کو وہ اس شدومد سے جاری رکھتے ہیں کہ ہمارا آدمی اپنے ملک، اپنی روایات، تہذیب اور اپنے اسلاف سے متنفر اور یورپ کی ہر چیز کا گرویدہ بن جاتا ہے وہ واپس آکر اپنی ہر چیز کو کوسنے لگتا

Marfat.com

ہے، توبہ توبہ میرا ملک کتنا غلیظ، کس قدر جاہل اور مفلس ہے۔ یہاں نہ کوئی نائٹ کلب ہے، نہ اچھی وہسکی، نہ گرل فرینڈز، نہ تہذیب، نہ ایٹی کیٹ اور نہ ناچ گھر، ڈیم دس، کنٹری، ڈیم دیز پیپل اور بعض اوقات یہ کالے صاحب وہیں ولایت ہی میں آباد ہو جاتے ہیں اور شومئی قسمت سے واپس آجائیں تو ہر چیز کو انگریزی رنگ میں رنگنے کے لئے انتہائی زور لگاتے ہیں اور یہ نیم انگریز لوگ کسی ملک کے لئے خود انگریزوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ انگریز کہتا ہے کہ تمہارا سب سے بڑا مسئلہ خوراک یا بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ صنعت فولاد ہمارے لئے مفید ہے لیکن تمہارے لئے مضر ہے۔ تم خود موٹریں نہ بناؤ، ہم تمہیں سستی دیں گے مذہب عہد حجر کی یادگار ہے۔ اسے گرجوں اور مسجدوں میں بند کر دو، زندگی کی تابناک اقدار، کار، کوٹھی، کلب اور کڑی (گرل) ہیں۔ روسی ہمارے دشمن ہیں تم بھی انہیں اپنا دشمن سمجھو اور ہم انہی باتوں کو طوطے کی طرح دہراتے رہتے ہیں۔ یہ ہے مکمل غسل دماغی۔

آمدم برسر مطلب

جناب راشد کا مضمون پڑھ کر شبہ پڑتا ہے کہ کہیں آپ بھی اس حادثے (غسل دماغ) کا شکار تو نہیں ہو گئے؟ ورنہ ایک پاکستانی ادیب و عالم سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ ہمیں لاطینی رسم الخط اختیار کرنے کا مشورہ دے۔ لیجئے ان کے دلائل سنیئے۔

ا۔ ہم صدیوں سے ان پڑھ چلے آئے ہیں...... ہمارے افلاس کا باعث تعلیم کی کمی ہے...... ہمارے سامنے دو اور اسلامی ملکوں کی مثال ہے جنہوں نے زیادہ حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ دو ملک ترکی اور انڈونیشیا ہیں، ترکی نے اپنے انقلاب کے بعد پہلا قدم یہ اٹھایا کہ عربی رسم الخط کو بدل کر لاطینی رسم الخط میں رائج کر دیا۔ سو آج ترکی میں پڑھے لکھوں کا تناسب پچاس فیصد نظر آتا ہے۔ انڈونیشیا میں جب ولندیزیوں کی حکومت تھی تو ملک کی صرف نو فیصدی آبادی پڑھنا لکھنا جانتی تھی لیکن آزادی کے بعد انڈونیشی حکومت نے لاطینی حروف کے ذریعے تعلیم رائج کرنا شروع کر دی۔ آزادی کے محض دس برس کے اندر اندر وہاں پڑھے لکھوں کا تناسب نو فیصدی

Marfat.com

سے بڑھ کر چھپن فیصدی تک جا پہنچا ہے۔ (ص ۹ آہنگ)

راشد صاحب کا نظریہ ہے کہ تعلیم کی کمی پورا کرنے کے لئے نہ مدارس کی ضرورت ہے نہ اساتذہ کی، بلکہ کسی آرڈیننس کی رو سے رسم الخط بدل دیجئے اور فوراً ساری آباد خود بخود تعلیم یافتہ ہو جائے گی۔ راشد صاحب نے یہ نہ بتایا کہ روس میں جہاں لاطینی نہیں بلکہ (Cyrillic) رسم الخط رائج ہے خواندگی کا تناسب صرف چالیس برس میں تیرہ سے نوے فیصد کیسے ہو گیا؟ اور نہ یہ فرمایا کہ انڈونیشی حکومت نے اتنی عظیم تعداد کو اس قدر قلیل مدت میں کیسے خواندہ بنا لیا۔ کیا کوئی تعویز ہر ان پڑھ کے گلے میں ڈال دیا تھا؟ یا بنگال سے کوئی جادوگر منگایا تھا، جھرلو پھیرتے ہی سب خواندہ ہو گئے۔ ورنہ حکومت کے پاس اتنی رقم کہاں کہ اتنی بڑی تعداد کے لئے مدارس کھولتی۔ انڈونیشیا کی آبادی آٹھ کروڑ ہے۔ بقول حضرت راشد اس میں نو فیصدی یعنی بہتر لاکھ آدمی تعلیم یافتہ تھے۔ دس سال میں یہ تعداد چھپن فیصد یعنی چار کروڑ اڑتالیس لاکھ ہو گئی۔ اگر ایک پرائمری سکول میں بچوں کی اوسط تعداد دو سو ہو تو ایک ہزار طلباء کے لئے پانچ، ایک لاکھ کے پانچ سو، ایک کروڑ کے لئے پچاس ہزار اور ساڑھے چار کروڑ طلباء کے لیے دو لاکھ اڑتیس ہزار سکول درکار ہوں گے۔ اگر ایک سکول کی عمارت پہ پانچ ہزار روپیہ صرف ہو تو ساری رقم ایک ارب بائیس کروڑ بنے گی اور ایک سکول میں پانچ استاد ہوں تو تمام اساتذہ کی تعداد بارہ لاکھ بیس ہزار ہو گی۔ اگر ایک استاد کی تنخواہ ایک سو روپیہ ماہوار ہو تو کل رقم کی ماہانہ میزان بار کروڑ بیس لاکھ اور سالانہ ایک ارب بیالیس کروڑ چالیس لاکھ ہو گی۔ کیا انڈونیشی حکومت کے پاس اتنی دولت اور بارہ لاکھ استاد موجود ہیں؟ بالکل نہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جناب راشد نے اپنی بات کو چمکانے کے لئے فرضی اعداد پیش کئے ہیں، ان کے یہ اعداد اتنے ہی صحیح ہیں جتنی ان کی درج ذیل کہانی۔

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اردو رسم الخط میں ایک فطری نقص یہ ہے کہ اس کا پڑھنا مشکل ہے اور تائید میں یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

''میرے ایک دوست جو اردو کے مشہور ادیب بھی ہیں ایک زمانے تک بھری محفلوں میں اپنے مضامین سناتے وقت خوشخبری کو خوش بخری، مژدہ کو مژ دہ اور دم بخود کو دم ان جود پڑھا کرتے

Marfat.com

تھے اور وہ راشد صاحب کے خیال میں ''اردو کا مشہور ادیب'' بھی تھا۔ اگر اس طرح کی بے سروپا ہانکنے ہی کا نام علمی استدلال ہے تو لیجئے ایسی ہی ایک کہانی۔

میرے ایک دوست جو گریجوایٹ تھے (Station) کو سٹیٹسن (Caution) کو کاٹین (Fasion) کو نیسی اون اور (Judge) کو جڈگی پڑھا کرتے تھے، آپ اس ''مشہور ادیب'' کا نام بتائیں اور میں اپنے اس دوست کو پیش کردوں گا۔

۲۔ انگریز کو ہر زمانے میں یہ تکلیف رہی کہ مسلمان اپنے ماضی کو کیوں نہیں بھولتا؟ یہ نسل نو کو عدل فاروقی، فقر حیدری، سعد و خالد کی جہانگیری، سلیم و سنجر کی جہاں بانی، رومی و غزالی کے فلسفہ اور جنید و بایزید کی روحانی قوت کی کہانیاں کیوں سناتا ہے۔ انہیں امامت، عدالت اور شجاعت کا درس بار بار کیوں دیتا ہے؟ ہمارے استعمار اور مشنریوں کی راہ میں کانٹے کیوں بچھاتا ہے؟ یہی تکلیف راشد صاحب کو بھی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

''انقلاب اور ماضی پرستی کسی طرح ساتھ نہیں چل سکتے'' (ص ۱۰)

مسلمانوں کے ذخائرِ علم دو ہی تو ہیں، عربی جس کی تمام کتابوں کی تعداد تین کروڑ سے متجاوز تھی اور فارسی جس میں اب تک دس لاکھ کے قریب کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان ذخائر میں لاکھوں کتابیں اب تک موجود ہیں، جن سے ہمیں اپنے لاتعداد فلاسفہ، صوفیا، کلین، منجمین، مفسرین، محدثین، نحویین، فقہا، شرفا، شعرا، ادبا، ارباب منطق، مؤرخین، محاسبین، اطباء، ماہرین افلاک، سلاطین، وزرا، اور دیگر طبقات معاشرہ کا پتہ چلتا ہے بے شمار صحابہ، صحابیات اور انبیا کے حالات ملتے ہیں نیز یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے علوم و فنون اور ثقافت کی پیش رفت میں کیا کوششیں کی تھیں۔ ان کا فن تعمیر کیسا تھا اور مصوری و موسیقی میں کیا اضافہ کیا تھا اگر ہم ان تمام کتابوں سے آنکھیں بند کرلیں تو یہ ساری باتیں ہمیں کون بتائے گا؟ اور ان باتوں کے بغیر ہم رہ کیا جائیں گے؟ خالص بودم بے دال، بہر حال راشد صاحب کا مشورہ تو یہی ہے کہ چھوڑو اس عربی فارسی کو کیونکہ!

''عربی اور فارسی سے ہمارے کسب فیض کرنے کی گنجائش بہت کم رہ گئی ہے۔ (ص ۱۱)

Marfat.com

چلو چھٹی ہوئی۔ پھر علم کے اتنے عظیم ذخائر چھوڑنے کے بعد ملے گا کیا؟ انگریزوں کے منشیوں کی لاطینی خط میں لکھی ہوئی چند کتابیں جن میں کچھ اس قسم کے جواہر پارے ہیں۔

۱۔ صاحب بہادر کھڑا ہو کر موتتا ہے اور غسل خانے میں بہت اچھا گانا گاتا ہے۔

۲۔ چھوٹا صاحب شام کو کھوتے پہ سواری کرتا ہے۔

۳۔ میم صاحب کتے اور خانسامے دونوں سے بہت پیار کرتی ہے۔

۴۔ جناب راشد کو عربی رسم الخط پر کچھ اور اعتراض بھی ہیں۔

مثلاً:

اردو رسم الخط میں بہت زیادہ خامیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے اس رسم الخط کے ذریعے تعلیم حاصل کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ انہی خامیوں کا نتیجہ ہے کہ مبتدی کو اس رسم الخط پر عبور حاصل کرنے میں مہینوں بلکہ برسوں لگ جاتے ہیں۔ (ص ۱۰)

مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جسے حکومت ان پڑھ شمار کرتی ہے۔ لیکن یہ لوگ چھ سات سو صفحات کی ایک کتاب دو تین رسائل سمیت رواں دواں پڑھ لیتے ہیں۔ اس کتاب کا نام قرآن ہے اور یہ طبقہ کروڑوں افراد پر مشتمل ہے کسی گاؤں میں جائیے آپ کو ہر تین دیہاتیوں میں کم از کم ایک قرآن خوان ضرور ملے گا۔ یہ قرآن کا معجزہ نہیں اور نہ اس میں دیہاتی کا کوئی کمال ہے بلکہ یہ تمام تر اعجاز رسم الخط کا ہے۔ یہ خط اس قدر سادہ سہل اور ہمارے مزاج کے مطابق ہے کہ کروڑوں ان پڑھ دیہاتی جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے اور اردو کی ایک سطر تک نہیں پڑھ سکتے۔ سات سو صفحات کا عربی قرآن فر فر پڑھ لیتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کے لئے آپ مدارس کھولتے تو کیا اسی رسم الخط کی وساطت سے یہ اردو نہ سیکھ لیتے؟

۲۔ ''اردو رسم الخط کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں ہر حرف کی ایک سے زیادہ شکلیں ہیں۔'' (ص ۱۰)

زیادہ شکلیں ہیں تو کیا ہوا؟ ہر آدمی احباب و اقارب نیز شہروں اور دریاؤں کے ہزاروں نام یاد کرتا ہے۔ سینکڑوں گالیاں سیکھتا ہے کیا اس کے لئے چند حروف کی اشکال جن میں اختلاف

Marfat.com

بہت معمولی سا ہے اور مشابہت بہت زیادہ مشکل ہے۔ تاج، مجید اور جسم کی جیم میں بھلا کیا اشتباہ ہو سکتا ہے؟ ایک بچہ ایک دن میں نہیں تو دو دن میں سیکھ جائیگا؟ کیا اتنی سی بات کے لئے ہم اپنا رسم الخط بدل لیں اور چودہ سو برس کے حسین وجلیل ماضی سے رشتہ توڑ لیں؟

پھر عربی حروف میں اختلاف اتنا نہیں جتنا لاطینی حروف میں ہے۔ یہاں تو اتنی سی بات ہے کہ کہیں میم پورا لکھا جات ہے۔ مثلاً بام، دام اور کہیں اس کا دھڑ کاٹ کر اس کے سر سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً مال، میل، مالک۔ لیکن لاطینی کے بعض چھوٹے اور بڑے حروف میں تو کوئی مابہ الاشتراک ہی نہیں مثلاً

چھوٹے حروف:۔ h e d b a

بڑے حروف:۔ H E D B A

باایں ہمہ راشد صاحب کے ہاں یہ حروف بالکل اعلیٰ وعمدہ ہیں اور عربی حروف کا پڑھنا ''جوئے شیر لانا'' ہے۔

۳۔ ''دوسری خرابی یہ ہے...... کہ ایک ایک آواز کے لئے ہمارے پاس دو دو تین تین علامتیں آ گئی ہیں مثلاً ث۔ ص۔ س، جن سب کی آواز ''س'' کی ہے یا ز۔ ذ۔ ض اور ظ سب کی آواز محض ز ہے اس وجہ سے جب تک عربی اور فارسی پر اچھا خاصا عبور نہ رکھتے ہوں آپ کبھی اردو کا املا درست نہیں لکھ سکتے۔ محض نوشت وخواند کے لئے کسی زبان کا دوسرے زبانوں کا محتاج ہو کر رہ جانا۔ اس زبان کے متعلموں کے لئے بہت بڑی رکاوٹ ہے۔'' (ص ۱۰)

مطلب یہ کہ ث، ص، س، ذ، ز، ض، ظ، ق، ک، ت، ط اور ح، ہ کا جھگڑا ہٹا دیا جائے قلب (دل) کو کلب (کتا) قد کو کد (جرح) قصر (محل کو کسر (جزو) قضا (تقدیر) کو کذا (اس طرح) قید کو کید (مکر) حائل (رکاوٹ) کو ہائل (خوفناک) ہال (بڑا کمرہ) کو حال، حذر (پرہیز) کو حضر (گھر میں قیام) حق کو ہک (گھسنا) اور حل کو ہل لکھو اور عیش اڑاؤ۔ اگر ہم ہجوں میں اتنی سی تبدیلی بھی نہیں کر سکتے تو پھر پاکستان بننے کا کیا فائدہ ہوا۔

اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں کہ اردو کا خمیر ہندی، فارسی اور عربی سے تیار ہوا ہے۔

Marfat.com

عربی میں الفاظ کے بڑے بڑے گروہ ملتے ہیں جو ایک مادہ و ماخذ سے نکل کر اشکال بدلتے جاتے ہیں۔ لیکن ماخذ کے اصلی حروف و مفہوم سے کہیں جدا نہیں ہوتے۔ مثلاً

ا۔ علم کے لغوی معنی میں بچنا۔ محفوظ رہنا، اس سے بیسیوں الفاظ تیار ہوتے ہیں۔ مثلاً سلام، استیلام، اسلام، سلم، (صلح دامن) سلم (قید) وسلم (سیڑھی سلام ایک کڑوا درخت) سلامت، سلامی، (چھوٹی ہڈی) سلیم سالم وغیرہ ان تمام حروف میں دو باتیں لازماً پائی جاتی ہیں اول مادہ یا ماخذ کے تین حروف یعنی س، ل، م اور حفاظت و سلامت کا مفہوم......!

۲۔ ذل (ذلت) سے یہ الفاظ نکلے ہیں۔ ذلت، ذلیل، (مت بھولئے کہ ظلیل) (مادہ ظل۔ سایہ) کا تلفظ بھی یہی ہے۔ لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ذلیل کے معنی ہیں گھٹیا۔ بے عزت اور ظلیل کا مفہوم ہے۔ سایہ دار ذلالت اذلہ (ذلیل کی جمع) اذلال ماذل، تذلل، ذل، مذلل وغیرہ ان تمام حروف میں ذل بھی موجود ہے اور ذلت کا مفہوم بھی......

۳۔ طلب کے معنی تلاش ہیں اور یہ مفہوم اس کے تمام مشتقات مثلاً طالب، مطلوب، مطلب، طلبہ، طلاب، طلبہ، (مطالبہ) میں لازماً ملے گا اگر ہم طلب کو تلب لکھ دیں تو یہ لفظ اپنی اصل نیز ساری برادری سے کٹ کر بے معنی ہو جائے گا یا یوں کہئے کہ بے اصل ہو کر رہ جائے گا۔ جناب راشد صاحب کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ غلط لکھ کر ساری زبان کو بد اصل اور بے پدر بنا دو تا کہ ہمارے نازک مزاج بچے ض، ظ، ا اور ت، ط کے اشتباہ سے محفوظ رہیں، دیکھا آپ نے اتنی مہیب تخریب کا مقصد بھی ماشاء اللہ کتنا عظیم ہے۔ بھائی صاحب جن بچوں کو آپ ت، ط کی امتیاز کی بھی تکلیف نہیں دینا چاہتے کہ کہیں ذہن لطیف کی کوئی چول ڈھیلی نہ ہو جائے۔ انہیں آپ کس مصرف میں لانا چاہتے ہیں۔ ان نسیم زادوں سے قوم کو کیا توقع ہو سکتی ہے؟

ایک اور اعتراض یہ کیا ہے کہ اردو میں فارسی و عربی کے الفاظ بہت زیادہ ہیں اور ہماری زبان ان کی محتاج ہے۔ اس کی مزید تشریح یوں فرماتے ہیں۔

"کسی خارجی زبان کے ساتھ ہمارا اس حد تک وابستہ رہنا کہ ہم اس کے بغیر اظہار خیال کے قابل نہ رہیں۔ ایک ایسی غلامی ہے جس سے جس قدر جلد نجات مل جائے ہمارے حق میں

Marfat.com

مفید ہے۔ (ص ۱۱)

اردو میں چالیس فیصد انگریزی الفاظ بھی موجود ہیں۔لیکن راشد صاحب نے صرف عربی و فارسی الفاظ پہ اعتراض کیا ہے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ انگریز کو انہی دو زبانوں سے چڑ ہے اور راشد صاحب کے تمام فلسفہ وفکر کا ماخذ فرنگ ہے۔ پھر ستم یہ کہ فارسی وعربی کو خارجی زبانیں کہہ دیا ہے حالانکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اردو بذاتہ کوئی زبان نہیں وہ چند عربی و فارسی، انگریزی، ترکی اور ہندی الفاظ کا مجموعہ ہے اور بس۔ اگر اردو سے خارجی الفاظ نکال دیئے جائیں تو یہ زبان وہیں ختم ہو جائے گی۔ اگر کسی عمارت سے اینٹیں اور بالے کھینچ لئے جائیں تو وہ کیسے قائم رہ سکتی ہے۔

پھر یہ بھی فرماتے جایئے کہ فارسی وعربی خارجی زبانیں کیسے ہو گئیں کیا یہ ہمارے اسلام کی زبانیں نہیں تھیں۔ کیا ہمارے اسلاف جن کی اولاد آپ اور ہم ہیں خارجی تھے، کیا لا الہ سے بھی بڑا کوئی اور رشتہ مودت واخوت موجود ہے تو پھر ایران وعرب کا مسلمان ہمارے لئے خارجی کیسے ہو گیا؟

یہ بھی فرمایئے کہ دنیا میں کوئی ایسی زبان ہے جس میں ہزاروں الفاظ دیگر زبانوں کے نہ ہوں۔ کیا انگریزی میں فرانسیسی، لاطینی، یونانی، جرمنی اور عربی کے لاکھوں الفاظ موجود نہیں؟ تو پھر آپ انگریزوں کو خارجی زبانوں کی غلامی سے بچنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے؟ یہ واکھیان صرف ہمیں کیوں دیا جا رہا ہے؟ عربی وفارسی کو خارجی زبان قرار دینے کا فلسفہ فرنگی کی ابلیسی سیاست کی ایجاد ہے اور ہمیں صدمہ ہوتا ہے۔ جب کوئی پاکستانی دانستہ یا نادانستہ طور پر ان کا آلہ کار بن کر ہمیں اس قسم کے واعظ سناتا ہے۔

۵۔ رومن رسم الخط کے بدلنے سے قوم کئی تباہیوں کا شکار ہو گی۔ مثلاً

(الف) ہم عربی کی تین کروڑ، فارسی کی دس لاکھ اور اردو کی چھ لاکھ کتابوں اور پنجابی کی کافیوں اور گیتوں سے قطعاً محروم ہو جائیں گے۔

(ب) ہمارا علم یکطرفہ ہو جائے گا۔ یعنی عربی خط کے تمام ذخائر علوم سے محروم ہونے کے بعد لازماً ہم یورپی ادب کا رخ کریں گے اور ذہناً فرنگی ہو کر رہ جائیں گے اس کے بعد ہم

Marfat.com

لاکھ آزاد ہوں لیکن ذہنا و عملاً فرنگ ادب فرنگ اور تہذیب فرنگ کے پرستار بن جائیں گے۔

(ج) دانا عیسائی یہ کہتے ہیں کہ اگر عرب میں محمد ﷺ پیدا نہ ہوتے تو آج یورپ، افریقہ، امریکہ، ایشیائے صغیر، مشرق وسطیٰ، ہند اور جزائر شرق الہند کا مذہب عیسائیت ہوتا۔ عیسائیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلامی ذہنیت اور اسلامی فلسفہ ہے۔ اگر یہ عربی رسم الخط ختم ہو جائے تو اسلامی فلسفہ و ذہنیت کا خاتمہ خود بخود ہو جائے گا اور اس طرح عیسائیت کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔

(د) فرنگی استعمار کی سب سے بڑی رکاوٹ بھی یہی اسلامی ذہنیت ہے ہم ہزار برخودار تابعدار سہی لیکن گاہے گاہے ہم میں کوئی ناصر، رضا شاہ، قائداعظم، اقبال، جمال الدین افغانی، سعد زاغلول اور اتاترک پیدا ہو کر ایشیا کے ان مزدوروں اور مزارعوں کو اپنے فرنگی لینڈ لارڈز کے خلاف مشتعل کر ہی دیتا ہے۔ اس مرض کا پورا ''استحصال'' اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان کا خط چھین لو اور اس کے بعد انشاء اللہ یہ یوں قابو میں آئیں گے کہ کان تک نہیں ہلائیں گے۔

(ہ) زبان بگڑ جائے گی۔ حک اور حق۔ قلب اور کلب میں کوئی تمیز نہیں رہے گی۔

(ؤ) ایران و عرب سے تمام تہذیبی و ثقافتی روابط ختم ہو جائیں گے۔ ان کے تمام علوم وفنون اور ادبی تخلیقات ہمارے لئے اجنبی بن جائیں گے۔

(ر) اور سب سے بڑا ستم یہ کہ جب عربی خط کو جاننے والے آئندہ بیس تیس برس تک ختم ہو جائیں گے۔ تو پھر سارے ملک میں قرآن پڑھنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اگر یقین نہ آئے تو ترکی میں جا کر دیکھئے وہاں لاطینی رسم الخط ۱۹۲۸ء میں رائج ہوا تھا۔ گذشتہ ۳۶ برس میں عربی خط جاننے والے فوت ہو چکے ہیں۔ آج قرآن عظیم کو لے کر ترکی سلطنت میں گھومئے شاید ہی کوئی بتا سکے کہ یہ قرآن ہے۔ جب قرآن کی عبارت تک پڑھنے والے نہ رہے تو سمجھنے اور سمجھانے والے کہاں سے آئیں گے۔ آج ترکی میں

Marfat.com

مسلمان تو ہیں لیکن قرآن اور تعلیمات قرآن سے نا آشنا۔ اسوہ رسول سے بے خبر روایات اسلام سے ناواقف، اسلامی فلاسفہ اور مفکرین کے افکار و تخلیقات سے لاعلم، گذشتہ ۳۶ برس میں ترکی نے کوئی مفسر، محدث، مؤرخ، مفکر عطار اور رومی پیدا نہیں کیا۔ وہ زمین کیوں یتیم ہو گئی؟ محض اس لئے کہ علم و عشق کے تمام ماخذ و منابع سے اس کا رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ اتاترک میدان جنگ میں تو جیت گیا تھا لیکن علم و فکر اور تہذیب و ثقافت کے میدان میں انگریز سے وہ شکست کھائی کہ اب اس کی قوم شاید ہی کبھی سنبھل سکے۔

جناب راشد کو اس خطرے کا احساس ہے کہ لاطینی خط کے نفاذ کے بعد مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو جائے اور اس کا علاج یوں تجویز فرماتے ہیں۔

"ایک اور اعتراض یہ ہے کہ رسم الخط کی تبدیلی کے بعد لوگ قرآن حکیم کا مطالعہ نہیں کر سکیں گے۔ مکرر یہ بات عرض کرنی پڑتی ہے کہ جس ملک میں صرف سولہ فیصدی آبادی پڑھے لکھوں کی ہو وہاں کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ لوگ اپنے مذہب اور اخلاق یا مذہبی فلسفے سے پورے طور پر واقف ہوں گے۔ ان کا مذہبی علم زیادہ تر سماعی ہی رہ سکتا ہے یا وہ ان نہایت بے پرواہی سے چھپے ہوئے کتابچوں پر انحصار کر سکتے ہیں جن میں اکثر باتیں مسخ ہو کر پیش کی جاتی ہیں۔

(ص ۱۱)

سمجھے آپ کہ راشد صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟ پہلی بات یہ کہی ہے کہ پاکستان میں پڑھے لکھوں کی تعداد صرف سولہ فیصد ہے۔ یعنی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ۔ ان سے توقع ہی نہیں ہو سکتی کہ فلسفہ مذہب و اخلاق کو سمجھیں ان کے خیال میں فلسفہ اخلاق کوئی ایسی چیز ہے جسے ایک ارسطو، ایک سقراط، ایک غزالی، ایک سعدی، ایک گوئٹے، ایک ڈانٹے، ایک عیسیٰ، ایک موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ تو کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اسی کام کے لئے ستر اسی کروڑ فلاسفہ و انبیاء کو پوری فوج ہونی چاہئے۔ اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ عوام کا علم سماعی تو ہے آج اپنے علما سے سن کر عمل کرتے ہیں۔ کل اگر یہاں ایسے علما نہ رہے تو افغانستان یا ایران سے جا کر سن آئیں گے۔ تیسرا ارشاد یہ

Marfat.com

ہوا ہے کہ آج کل آپ مذہب کا درس ایسے کتابچوں سے لیتے ہیں جن کی طباعت خراب اور مضامین مسخ شدہ ہیں۔ یعنی آپ فلسفہ اخلاق، مذہب سے تو پہلے ہی جاہل ہیں، کل اگر قرآن کا علم پاکستان سے اٹھ گیا تو کیا فرق پڑے گا؟

دراصل راشد صاحب جو بات کہنا چاہتے ہیں اور ہم جیسے جہلا کے ڈر سے زبان پہ نہیں لا سکتے۔ وہ یہ ہے کہ مذہب عہد وحشت کی یادگار ہے یہ نماز، یہ روزے، یہ درس حیا شرافت، یہ تعلیم تقویٰ وطہارت اور یہ قرآن وتورات عصر حاضر کے پرکیف ورنگین تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس لئے چھوڑو ان دقیانوسی باتوں کو۔ زندگی صرف چند روزہ ہے جی کھول کر عیش اڑاؤ۔ کھاؤ پیو، ناچو گاؤ اور جب موت آئے تو مر جاؤ۔

یوں راشد صاحب ہمارے مذہبی جذبات سے اتنے بے پرواہ نہیں ہماری راہ داری کے لئے فرماتے ہیں۔

''قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے کے لئے یقیناً ہمیں عربی اپنے رسم الخط کے ساتھ پڑھنی ہوگی''۔ (ص ۱۱)

نہایت نیک خیال ہے لیکن پڑھائے گا کون؟ تمام درسگاہوں میں تو لاطینی حروف ہوں گے۔ یہ عربی حروف پڑھانے والے کہاں سے آئیں گے؟ بیس تیس برس میں قرآن و مذہب کا غلغلہ ہی ختم ہو جائے گا۔ نسل نو ایک مردہ علم کے لئے اتنی تکلیف کیوں کرنے لگی۔

۶۔ خط بدلنے سے ہم لازماً اسلاف کی علمی میراث سے محروم ہو جائیں گے اور ہم اپنے عظیم وجلیل ماضی سے کٹ جائیں گے۔ راشد صاحب اس کا علاج یوں تجویز فرماتے ہیں۔

''رسم الخط کی تبدیلی کے خلاف ایک اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے ہمارا قدیم سرمایہ ادب فنا ہو جائے گا۔ ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ ہمارا سرمایہ ادب اس قدر کم ہے کہ اسے نئے رسم الخط میں منتقل کرنا ایک آزاد قوم کے لئے مشکل نہ ہوگا۔'' (ص ۱۱)

ہمارا سرمایہ ادب اس قدر کم ہے۔ ''کم کیسے ہے حضور؟ کیا چھ لاکھ کتابیں کم ہوتی ہیں، ۱۹۴۰ء میں لاہور کے چند باہمت لوگوں نے یونیورسٹی ہال میں کتابوں کی ایک نمائش ترتیب دی تھی جس میں صرف ایسی کتابیں رکھی گئی تھیں جو لاہور کے کتب فروشوں سے مل سکتی تھیں۔ ان کی

Marfat.com

تعداد ایک لاکھ تھی۔ اردو کا موجودہ ادب پورے پانچ سو سال کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس میں دہلی، لکھنو، علی گڑھ، خیر آباد، کلکتہ، حیدر آباد دکن اور لاہور کے ہزار ہا اہل قلم کے علاوہ ترقی اردو اور ندوۃ المصنفین جیسی سینکڑوں مجالس نے حصہ لیا۔ ہمارے ہاں شعر کے ہزار ہا مجموعے، درجنوں تفسیریں تاریخ، سیرت، ادب، تنقید، افسانہ ناول، ڈرامہ، مذہب، اخلاق، تصوف، قانون میراث، حدیث، عروض، علم المعانی، طب، فلسفہ، سائنس، ہیئت، حساب، جغرافیہ، شہریت، معاشیات اور دیگر علوم پہ لاکھوں کتابیں موجود ہیں انہیں لاطینی خط میں کون منتقل کرے گا؟ اگر آپ نے اپنے ادیبوں کو اس بے ہودہ کام پر لگا دیا تو نئی تخلیق کیسے ہوگی؟ پھر اس جناتی خط میں لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھے گا کون؟ ایک لاکھ اردو کے صفحات لاطینی خط کے پانچ لاکھ صفحات میں سمائیں گے اتنا کاغذ کہاں سے آئے گا؟ اور اتنی فربہ کتابوں کو خریدے گا کون؟ پھر یہ فیصلہ کون کرے گا کہ Ghar ''گھر یا یا غار'' Alam ''عالم'' ہے یا عالم'' یا الم یا آلام یا ''اعلام'' Hakim ''حکیم'' یا'' حاکم'' Zalil ''ذلیل'' ہے یا ''ظلیل'' (سایہ دار) وقس علی ہذا۔

یہ بھی خوب کہی کہ یہ آزاد قوم اپنے ذخیرہ ادب کو اردو میں جلد منتقل کر لے گی۔ پاکستان کے دونوں حصوں میں اندازاً دو سو کالج اور کئی ہزار سکول ہیں۔ پروفیسروں کی تعداد چھ ہزار اور ٹیچرز کی تعداد ساٹھ ہزار سے کم نہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان چھیاسٹھ ہزار اساتذہ نے گذشتہ بیس تیس برس میں کتنا ادب پیدا کیا؟ یونیورسٹیوں کے چند ایک اساتذہ اور ایک آدھ پروفیسر مستثنیٰ باقی کسی نے ایک تنکا تک دوہرا نہیں کیا اور ایک مقالہ تک نہیں لکھا۔ سال میں کالج ایک سو اسی دن اور اسکول ایک سو پچاس دن بند رہتے ہیں۔ حساب یوں بنتا ہے۔

۱۔ سال میں ایک پروفیسر ۱۸۰ یوم فارغ رہتا ہے۔

۲۔ تو گویا چھ ہزار پروفیسرز سال میں دس لاکھ اسی ہزار دن فارغ رہے۔

تیس برس میں ان پروفیسروں کو دو کروڑ سولہ لاکھ فارغ ایام نصیب ہوئے اور انہوں نے ایک سطر تک نہ لکھی۔ کیا انہی لوگوں سے آپ یہ امید رکھ سکتے ہیں کہ یہ اردو کی چھ لاکھ کتابوں کو لاطینی میں منتقل کر دیں گے۔ فکر معاش سے مقابلۂ آزاد طبقہ تو یہی ہے۔ اگر اس کی حالت یہ ہے تو کام کون کرے؟ اخبار نویس، ادیب، یہ ہیں کتنے؟ جو ہیں وہ کوئی نئی چیز لکھیں گے یا پرانی کتابوں

Marfat.com

کی لاطینی بناتے پھریں گے؟

اس سلسلے میں راشد صاحب نے تاریخ حاضرہ میں سے ایک مثال بھی پیش کی ہے فرماتے ہیں۔

"ترکی کے سرمایہ ادب سے ہمارا سرمایہ ادب ہر لحاظ سے کم ہے۔ اگر ترکی کو اس بنا پر نقصان نہیں پہنچا تو ہمیں کیونکر پہنچ سکتا ہے۔" (ص ۱۱)

اگر ترکی کا سرمایہ ادب ہم سے زیادہ ہے تو اندازاً آٹھ لاکھ کتابیں ہوں گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پچھلے تینتیس برس میں پچاس فیصد پڑھے لکھے ترکوں نے لاطینی خط میں کتنی منتقل کی ہیں۔ ۲۳ مارچ ۶۱ء کے پاکستان ٹائمز میں "رسم الخط" پر پرنسپل حمید احمد خان اسلامیہ کالج لاہور کا ایک نہایت فاضلانہ مضمون شائع ہوا تھا۔ یہ وہاں بات چیت ہوئی تو معلوم ہوا کہ ترکوں نے پچھلی تہائی فیصدی میں اپنے ادب کی صرف دو سو کتابیں لاطینی خط میں منتقل کی ہیں۔ آٹھ لاکھ میں سے صرف دو سو اور بایں ہمہ جناب راشد صاحب کا خیال ہے کہ "ترکی کو اس بنا پر نقصان نہیں پہنچا" بھائی ان سے شاید بلوچی، مہمندی اور وزیری قبائل کا ادب زیادہ ہوگا۔ وہ بھی کیا قوم ہے جس کا ادب صرف دو سو کتب پر مشتمل ہو۔ چھ سو برس کی ایک پرانی قوم اور ادب صرف چند سو صفحات۔ جو قوم بھی انگریز کا مشورہ قبول کرے گی اس کا یہی حشر ہوگا۔

حکیم مشرق نے ضرب کلیم میں "نصیحت" کے عنوان سے ایک بصیرت افروز نظم شامل کی ہے، ایک فرنگی اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ فتح صرف تلوار ہی سے نہیں ہوتی اس کے طریقے اور بھی ہیں۔ جنہیں راز ملوکیت سمجھ کر نہاں رکھو۔

سینے میں رہے راز ملوکا نہ تو بہتر — کرتے نہیں محکوم تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو — ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے ایک ڈھیر

اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ فرنگی لیبارٹری میں لاطینی خط سے زیادہ تند کوئی اور تیزاب موجود نہیں۔

Marfat.com

۷۔ ہمارے بعض محققین دکن، لکھنو، دہلی اور مدراس وغیرہ کے قدیم مصنفین پر تحقیق کر رہے ہیں اور آئے دن کوئی کتاب نکل آتی ہے۔ یہ سلسلہ لاطینی رسم الخط کے بعد بھی جاری رہنا چاہیے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اردو خط کو پڑھنے والے کہاں سے آئیں گے۔ اس مشکل کا حل حضرت راشدی یوں بتاتے ہیں۔

''جن لوگوں کو دیوان ناسخ پر تحقیق و تفتیش کرنا ہو گی انہیں رسم الخط سیکھنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔'' (ص ۱۱)

تو گویا صاحب مضمون تسلیم فرماتے ہیں کہ قرآن اور اردو ادب کی خاطر عربی خط ضروری ہے تو پھر لاطینی خط کس مرض کی دوا ہے؟ محض انگریزی کی خوشنودی مزاج؟ یا دین دنیا کا کوئی اور فائدہ بھی ہے؟...... ''نہیں روک سکتی'' یہ کیا ہے۔ واقعہ نگاری ہے؟ پیشگوئی ہے؟ یا دھمکی؟

اپنے دعویٰ کی تائید میں آپ نے ایک مقدس دلیل بھی پیش کی ہے۔

یعنی ''شاید آپ کو معلوم ہو کہ خود قرآن حکیم کے رسم الخط میں دو تین مرتبہ ردو بدل ہو چکا ہے۔ کیونکہ خدا کا کلام کسی مخصوص رسم الخط کے ساتھ نازل نہیں ہوا تھا۔'' (ص ۱۱)

''شاید آپ کو معلوم ہو'' بھائی صاحب! ہم اپنی جہالت کا اعتراف کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ دو تین مرتبہ تبدیلی کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ ہو سکے تو اس کی وضاحت کیجئے اور فرمایئے کہ حضور ﷺ نے قرآن کا جو نسخہ خود تیار کرایا تھا وہ کس خط میں تھا؟ رومی تھا یا یونانی، چینی تھا یا ہندی؟ اور یہ دو تین تبدیلیاں کب ہوئیں؟ کس نے کیں؟ اور ان کی نوعیت کیا تھی نیز آپ کا یہ ارشاد بھی وضاحت طلب ہے کہ قرآن کسی مخصوص رسم الخط کے ساتھ نازل نہیں ہوا تھا۔ قرآن ان الفاظ کا نام ہے جو جبریل امین نے حضور پر نور ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیے تھے خط و کتابت کا مرحلہ تو بعد از نزول پیش آیا تھا اور یہ ایک ٹھوس تاریخی حقیقت ہے کہ حضور ﷺ ہر آیت نازل ہونے کے معا بعد لکھوا دیتے تھے اور اسی مخصوص عربی خط میں لکھواتے تھے جو اس وقت رائج تھا۔ تو پھر آپ کے اس جملے کہ ''خدا کا کلام کسی مخصوص رسم الخط کے ساتھ نازل نہیں ہوا تھا'' کا یہاں موقعہ اور مقام کیا ہے؟ اور آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟

۸۔ آخری دلیل یہ دی ہے۔

Marfat.com

رسم الخط بدلنے سے ایک اور ضمنی فائدہ یہ ہوگا کہ کہ غیر ملکی لوگوں کو ہماری زبان سیکھنے میں آسانی ہو جائے گی۔'' (ص ۱۳)

احساس کمتری کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ یعنی ہم دس کروڑ پاکستانی اپنی علمی میراث صرف اس ''مقصد عظیم'' کے لئے کالے کنوئیں میں پھینک دیں کہ شاید کل پرسوں یا سو سال بعد کوئی صاحب بہادر ہماری زبان سیکھنے کا ارادہ فرمائیں تو انہیں تکلیف نہ ہو۔ آپ اسی قسم کا مشورہ پانچ کروڑ انگریزوں کو کیوں نہیں دیتے کہ وہ لاطینی کی جگہ اردو خط اختیار کر لیں تاکہ ہم دس کروڑ پاکستانیوں کو انگریزی سیکھنے میں آسانی ہو۔

ہر قوم کو چند چیزیں بڑی عزیز ہوتی ہیں۔ ان میں زبان اور اس کا رسم الخط بھی شامل ہے۔ جو شخص ہمیں ان سے دور بھاگنے کا مشورہ دیتا ہے وہ ہمارے قومی جذبات کو ٹھیس لگاتا ہے۔ میری اس تحریر میں کہیں کہیں تلخی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ حضرت راشد کے ان مشوروں سے میرا قومی غرور مجروح ہوا اور میرے قلم سے فریادیں نکلنے لگیں۔

آپ کا آخری جملہ یہ ہے۔

''مجھے یقین ہے کہ لاطینی رسم الخط اختیار کر لینے کے بعد ہماری زبان اور ادب کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا اور علوم وفنون کی تحصیل کے نئے راستے کھل جائیں گے۔ جن سے ہماری تہذیب نئے سرے سے مالا مال ہو جائے گی۔'' (ص ۱۳)

یہ جملہ یوں ہونا چاہیے۔

''مجھے یقین ہے کہ لاطینی رسم الخط اختیار کر لینے کے بعد ہماری زبان اور ادب کی رسوائی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا اور علوم وفنون کی تباہی کے نئے راستے کھل جائیں گے۔ جن سے ہماری تہذیب نئے سرے سے پائمال ہو جائے گی۔''

ہلاکو خان نے ہم پہ سب سے بڑا ستم یہ توڑا تھا کہ ہماری لاکھوں کتابیں اٹھا کر دریائے دجلہ میں پھینک دی تھیں۔ اس لاطینی تجویز کا ماحصل بھی یہی ہے کہ اپنی چھ لاکھ کتابیں چناب و جہلم کی لہروں کے حوالے کر دو۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے !

Marfat.com

امریکہ میں حرام کاری

مقام عبرت

قبل اس کے کہ میں آپ کو امریکہ کے مشہور جریدہ "ٹائم" مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۶۴ء کے صفحات ۴۸۔ ۵۴ سے چند اقتباسات سناؤں، ایک دو تمہیدی گزارشات سن لیں۔

شراب کے نتائج

حضرت آدم سے محمد عربی ﷺ تک تمام انبیاء نے شراب کو حرام و نجس قرار دیا تھا اور اس کی وجوہ یہ تھیں۔ اول شراب جذبہ جنسیت کو ابھارتی اور بے لگام بناتی ہے۔ ہر شرابی مست ہونے کے بعد ایک لڑکی مانگتا ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اس کے دوست کی بہن ہو یا بیٹی، نہ ملے تو کنجروں کے پاس جاتا ہے وہاں سب کچھ لٹا کر اور مختلف بیماریاں لے کر واپس آتا ہے۔

۲۔ اس کی بے راہ روی پر گھر میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے ماں، بیوی، بہنیں سب احتجاج کرتی ہیں لیکن گناہ میں بڑی لذت ہوتی ہے اس لئے رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ شرابی کی اولاد بھی شرابی اور اوباش ہوتی ہے۔ والد اولاد کے لئے رہبر، امام اور نمونہ ہوتا ہے اور اولاد لازماً اس کے نقش قدم پر چلتی ہے۔

۴۔ شرابی کی ہمیشہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی شرابی بنائے اور اگر کوئی یہ کہہ دے کہ خدا رسول نے شراب کو حرام قرار دیا ہے تو وہ خدا اور رسول کی توہین کرتا، علماء کو صلواتیں سناتا اور مذہب کا مذاق اڑاتا ہے۔

۵۔ ہر شرابی کا انجام نہایت خوفناک ہوتا ہے وہ یا تو ذیابیطس کا شکار ہوتا ہے یا ضعف دل کا یا کوڑھ کا جسے انگریزی میں ایگزیمہ کہتے ہیں۔

۶۔ شرابی جج ہو یا جرنیل، سماج میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی ظاہراً لوگ اس کی ہزار خوشامد کریں۔ دل میں اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسے خدا اور رسول کا باغی، سماج کا

Marfat.com

دشمن اور طبقہ نسواں کی عصمت و احترام کا رہزن سمجھتے ہیں۔ جو شخص قرآن عظیم کی ہدایت کو توڑتا، خواتین کی عصمت لوٹتا اور ملک میں بے حیائی، بے غیرتی اور اوباشی پھیلاتا ہے اس کی عزت کون کرے اسلامی حکومت میں ایسے افراد جیلوں میں رکھے جاتے ہیں تاکہ معاشرہ ان کے اثرات بد سے محفوظ رہے۔

۷۔ کسی ملک کا دفاع وہی لوگ کر سکتے ہیں۔

(ا) جنہیں اپنی خواتین کی عصمت عزیز ہو اور انہیں خطرہ ہو کہ حملہ آور ان کی بہنوں اور بیٹیوں کی آبرو لوٹ لیں گے۔

(ب) جنہیں اپنی روایات، تہذیب اور اقدار سے محبت ہو۔

(ج) جن کی موت و حیات صرف اللہ کے لئے ہو جن لوگوں میں یہ صفات نہ رہیں وہ ملک کے لیے لڑ ہی نہیں سکتے۔ ان کی خواتین کو چنن دین استعمال کرے یا چنن سنگھ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ اوباشوں شرابیوں اور بے غیرتوں کو ہر میدان میں پیٹا گیا تاریخ کا فیصلہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اگر یقین نہ آئے تو ٹبی بازار اور سرائے بیلی رام کے بھڑووں، دلالوں اور وہاں جانے والے شرابیوں اور بدکاروں کی ایک فوج بنایئے۔ انہیں کسی محاذ پر بھیجئے اور نتیجہ دیکھئے، آدھے راہ میں مر جائیں گے اور باقی دشمن کے پاؤں پہ گر پڑیں گے، ایک فوج اس وقت تک لڑ سکتی ہے جب تک کہ عوام کا مورال بلند رہے۔ جس قوم میں لیڈر عیاش ہو جائیں وہاں لڑائی چھڑتے ہی یہ لوگ یا تو کسی دوسرے ملک میں بھاگ جاتے ہیں اور یا آزادی سے دستبردار ہو کر گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔

گذشتہ چودہ صدیوں میں ہم سے ایک سو انیس مرتبہ آزادی سلب ہوئی۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ہلاکو خان نے بغداد میں داخل ہو کر سات دن میں اٹھارہ لاکھ افراد قتل کئے تھے۔ فرڈنیان نے سپین میں چالیس لاکھ مسلمانوں کو شمشیر و آتش کے حوالے کیا تھا۔ انگریزوں نے واجد علی شاہ کے حرم میں داخل ہو کر شہزادیوں کے کپڑے اتار لئے تھے اور مغل شہزادوں کو سر بازار گولی مار دی

Marfat.com

ہے، توبہ توبہ میرا ملک کتنا غلیظ، کس قدر جاہل اور مفلس ہے۔ یہاں نہ کوئی نائٹ کلب ہے، نہ اچھی وہسکی، نہ گرل فرینڈز، نہ تہذیب، نہ ایٹی کیٹ اور نہ ناچ گھر، ڈیم دس، کنٹری، ڈیم دیز پیپل اور بعض اوقات یہ کالے صاحب وہیں ولایت ہی میں آباد ہو جاتے ہیں اور شومیٔ قسمت سے واپس آ جائیں تو ہر چیز کو انگریزی رنگ میں رنگنے کے لئے انتہائی زور لگاتے ہیں اور یہ نیم انگریز لوگ کسی ملک کے لئے خود انگریزوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ انگریز کہتا ہے کہ تمہارا سب سے بڑا مسئلہ خوراک یا بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ صنعت فولاد ہمارے لئے مفید ہے لیکن تمہارے لئے مضر ہے۔ تم خود موٹریں نہ بناؤ، ہم تمہیں سستی دیں گے مذہب عہد حجر کی یادگار ہے۔ اسے گرجوں اور مسجدوں میں بند کر دو، زندگی کی تابناک اقدار، کار، کوٹھی، کلب اور کڑی (گرل) ہیں۔ روسی ہمارے دشمن ہیں تم بھی انہیں اپنا دشمن سمجھو اور ہم انہی باتوں کو طوطے کی طرح دہراتے رہتے ہیں۔ یہ ہے مکمل غسل دماغی۔

آمدم برسر مطلب

جناب راشد کا مضمون پڑھ کر شبہ پڑتا ہے کہ کہیں آپ بھی اس حادثے (غسل دماغ) کا شکار تو نہیں ہو گئے؟ ورنہ ایک پاکستانی ادیب و عالم سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ ہمیں لاطینی رسم الخط اختیار کرنے کا مشورہ دے۔ لیجئے ان کے دلائل سنئے۔

ا۔ ہم صدیوں سے ان پڑھ چلے آئے ہیں...... ہمارے افلاس کا باعث تعلیم کی کمی ہے...... ہمارے سامنے دو اور اسلامی ملکوں کی مثال ہے جنہوں نے زیادہ حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ دو ملک ترکی اور انڈونیشیا ہیں، ترکی نے اپنے انقلاب کے بعد پہلا قدم یہ اٹھایا کہ عربی رسم الخط کو بدل کر لاطینی رسم الخط میں رائج کر دیا۔ سو آج ترکی میں پڑھے لکھوں کا تناسب پچاس فیصد نظر آتا ہے۔ انڈونیشیا میں جب ولندیزیوں کی حکومت تھی تو ملک کی صرف نو فیصدی آبادی پڑھنا لکھنا جانتی تھی لیکن آزادی کے بعد انڈونیشی حکومت نے لاطینی حروف کے ذریعے تعلیم رائج کرنا شروع کر دی۔ آزادی کے محض دس برس کے اندر اندر وہاں پڑھے لکھوں کا تناسب نو فیصدی

Marfat.com

سے بڑھ کر چھپن فیصدی تک جا پہنچا ہے۔ (ص ۹ آہنگ)

راشد صاحب کا نظریہ ہے کہ تعلیم کی کمی پورا کرنے کے لئے نہ مدارس کی ضرورت ہے نہ اساتذہ کی، بلکہ کسی آرڈیننس کی رو سے رسم الخط بدل دیجئے اور فوراً ساری آباد خود بخود تعلیم یافتہ ہو جائے گی۔ راشد صاحب نے یہ نہ بتایا کہ روس میں جہاں لاطینی نہیں بلکہ (Cyrillic) رسم الخط رائج ہے خواندگی کا تناسب صرف چالیس برس میں تیرہ سے نوے فیصد کیسے ہوگیا؟ اور نہ یہ فرمایا کہ انڈونیشی حکومت نے اتنی عظیم تعداد کو اس قدر قلیل مدت میں کیسے خواندہ بنالیا۔ کیا کوئی تعویز ہر ان پڑھ کے گلے میں ڈال دیا تھا؟ یا بنگال سے کوئی جادوگر منگایا تھا، جھرلو پھیرتے ہی سب خواندہ ہو گئے۔ ورنہ حکومت کے پاس اتنی رقم کہاں کہ اتنی بڑی تعداد کے لئے مدارس کھولتی۔ انڈونیشیا کی آبادی آٹھ کروڑ ہے۔ بقول حضرت راشد اس میں نو فیصدی یعنی بہتر لاکھ آدمی تعلیم یافتہ تھے۔ دس سال میں یہ تعداد چھپن فیصد یعنی چار کروڑ اڑتالیس لاکھ ہوگئی۔ اگر ایک پرائمری سکول میں بچوں کی اوسط تعداد دوسو ہو تو ایک ہزار طلباء کے لئے پانچ، ایک لاکھ کے پانچ سو، ایک کروڑ کے لئے پچاس ہزار اور ساڑھے چار کروڑ طلباء کے لیے دو لاکھ اڑتیس ہزار سکول درکار ہوں گے۔ اگر ایک سکول کی عمارت پہ پانچ ہزار روپیہ صرف ہو تو ساری رقم ایک ارب بائیس کروڑ بنے گی اور ایک سکول میں پانچ استاد ہوں تو تمام اساتذہ کی تعداد بارہ لاکھ بیس ہزار ہوگی۔ اگر ایک استاد کی تنخواہ ایک سو روپیہ ماہوار ہو تو کل رقم کی ماہانہ میزان بار کروڑ بیس لاکھ اور سالانہ ایک ارب بیالیس کروڑ چالیس لاکھ ہوگی۔ کیا انڈونیشی حکومت کے پاس اتنی دولت اور بارہ لاکھ استاد موجود ہیں؟ بالکل نہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جناب راشد نے اپنی بات کو چمکانے کے لئے فرضی اعداد پیش کئے ہیں، ان کے یہ اعداد اتنے ہی صحیح ہیں جتنی ان کی درج ذیل کہانی۔

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اردو رسم الخط میں ایک فطری نقص یہ ہے کہ اس کا پڑھنا مشکل ہے اور تائید میں یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

''میرے ایک دوست جو اردو کے مشہور ادیب بھی ہیں ایک زمانے تک بھری محفلوں میں اپنے مضامین سناتے وقت خوشخبری کو خوش بخری، مژدہ کو مژ دہ اور دم بخود کو دم ن جود پڑھا کرتے

Marfat.com

تھے اور وہ راشد صاحب کے خیال میں ''اردو کا مشہور ادیب'' بھی تھا۔ اگر اس طرح کی بے سروپا ہانکنے ہی کا نام علمی استدلال ہے تو لیجئے ایسی ہی ایک کہانی۔

میرے ایک دوست جو گریجوایٹ تھے (Station) کو سٹیٹسن (Caution) کو کاٹین (Fasion) کو فیسی اون اور (Judge) کو جڈگی پڑھا کرتے تھے، آپ اس ''مشہور ادیب'' کا نام بتائیں اور میں اپنے اس دوست کو پیش کر دوں گا۔

۲۔ انگریز کو ہر زمانے میں یہ تکلیف رہی کہ مسلمان اپنے ماضی کو کیوں نہیں بھولتا؟ یہ نسل نو کو عدل فاروقی، فقر حیدری، سعد و خالد کی جہانگیری، سلیم و سنجر کی جہاں بانی، رومی و غزالی کے فلسفہ اور جنید و بایزید کی روحانی قوت کی کہانیاں کیوں سناتا ہے۔ انہیں امامت، عدالت اور شجاعت کا درس بار بار کیوں دیتا ہے؟ ہمارے استعمار اور مشنریوں کی راہ میں کانٹے کیوں بچھاتا ہے؟ یہی تکلیف راشد صاحب کو بھی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

''انقلاب اور ماضی پرستی کسی طرح ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے'' (ص ۱۰)

مسلمانوں کے ذخائر علم دو ہی تو ہیں، عربی جس کی تمام کتابوں کی تعداد تین کروڑ سے متجاوز تھی اور فارسی جس میں اب تک دس لاکھ کے قریب کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان ذخائر میں لاکھوں کتابیں اب تک موجود ہیں، جن سے ہمیں اپنے لاتعداد فلاسفہ، صوفیا، کلیین، منجمین، مفسرین، محدثین، نحویین، فقہا، شرفا، شعرا، ادبا، ارباب منطق، مورخین، محاسبین، اطباء، ماہرین افلاک، سلاطین، وزرا، اور دیگر طبقات معاشرہ کا پتہ چلتا ہے بے شمار صحابہ، صحابیات اور انبیا کے حالات ملتے ہیں نیز یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے علوم و فنون اور ثقافت کی پیش رفت میں کیا کوششیں کی تھیں۔ ان کا فن تعمیر کیسا تھا اور مصوری و موسیقی میں کیا اضافہ کیا تھا اگر ہم ان تمام کتابوں سے آنکھیں بند کر لیں تو یہ ساری باتیں ہمیں کون بتائے گا؟ اور ان باتوں کے بغیر ہم رہ کیا جائیں گے؟ خالص بودم بے دال، بہر حال راشد صاحب کا مشورہ تو یہی ہے کہ چھوڑو اس عربی فارسی کو کیونکہ!

''عربی اور فارسی سے ہمارے کسب فیض کرنے کی گنجائش بہت کم رہ گئی ہے۔ (ص ۱۱)

Marfat.com

چلو چھٹی ہوئی۔ پھر علم کے اتنے عظیم ذخائر چھوڑنے کے بعد ملے گا کیا؟ انگریزوں کے منشیوں کی لاطینی خط میں لکھی ہوئی چند کتابیں جن میں کچھ اس قسم کے جواہر پارے ہیں۔

۱۔ صاحب بہادر کھڑا ہو کر موتتا ہے اور غسل خانے میں بہت اچھا گانا گاتا ہے۔

۲۔ چھوٹا صاحب شام کو کھوتے پہ سواری کرتا ہے۔

۳۔ میم صاحب کتے اور خانسامے دونوں سے بہت پیار کرتی ہے۔

۴۔ جناب راشد کو عربی رسم الخط پر کچھ اور اعتراض بھی ہیں۔

مثلاً:

اردو رسم الخط میں بہت زیادہ خامیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے اس رسم الخط کے ذریعے تعلیم حاصل کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ انہی خامیوں کا نتیجہ ہے کہ مبتدی کو اس رسم الخط پر عبور حاصل کرنے میں مہینوں بلکہ برسوں لگ جاتے ہیں۔ (ص ۱۰)

مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جسے حکومت ان پڑھ شمار کرتی ہے۔ لیکن یہ لوگ چھ سات سو صفحات کی ایک کتاب دو تین رسائل سمیت رواں دواں پڑھ لیتے ہیں۔ اس کتاب کا نام قرآن ہے اور یہ طبقہ کروڑوں افراد پر مشتمل ہے کسی گاؤں میں جائیے آپ کو ہر تین دیہاتیوں میں کم از کم ایک قرآن خوان ضرور ملے گا۔ یہ قرآن کا معجزہ نہیں اور نہ اس میں دیہاتی کا کوئی کمال ہے بلکہ یہ تمام تر اعجاز رسم الخط کا ہے۔ یہ خط اس قدر سادہ سہل اور ہمارے مزاج کے مطابق ہے کہ کروڑوں ان پڑھ دیہاتی جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے اور اردو کی ایک سطر تک نہیں پڑھ سکتے۔ سات سو صفحات کا عربی قرآن فرفر پڑھ لیتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کے لئے آپ مدارس کھولتے تو کیا اسی رسم الخط کی وساطت سے یہ اردو نہ سیکھ لیتے؟

۲۔ ''اردو رسم الخط کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں ہر حرف کی ایک سے زیادہ شکلیں ہیں۔'' (ص ۱۰)

زیادہ شکلیں ہیں تو کیا ہوا؟ ہر آدمی احباب و اقارب نیز شہروں اور دریاؤں کے ہزاروں نام یاد کرتا ہے۔ سینکڑوں گالیاں سیکھتا ہے کیا اس کے لئے چند حروف کی اشکال جن میں اختلاف

Marfat.com

بہت معمولی سا ہے اور مشابہت بہت زیادہ مشکل ہے۔ تاج، مجید اور جسم کی جیم میں بھلا کیا اشتباہ ہو سکتا ہے؟ ایک بچہ ایک دن میں نہیں تو دو دن میں سیکھ جائیگا؟ کیا اتنی سی بات کے لئے ہم اپنا رسم الخط بدل لیں اور چودہ سو برس کے حسین و جلیل ماضی سے رشتہ توڑ لیں؟

پھر عربی حروف میں اختلاف اتنا نہیں جتنا لاطینی حروف میں ہے۔ یہاں تو اتنی سی بات ہے کہ کہیں میم پورا لکھا جاتا ہے۔ مثلاً بام، دام اور کہیں اس کا دھڑ کاٹ کر اس کے سر سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً مال، میل، مالک۔ لیکن لاطینی کے بعض چھوٹے اور بڑے حروف میں تو کوئی مابہ الاشتراک ہی نہیں مثلاً

چھوٹے حروف:۔ h e d b a

بڑے حروف:۔ H E D B A

بایں ہمہ راشد صاحب کے ہاں یہ حروف بالکل اعلیٰ و عمدہ ہیں اور عربی حروف کا پڑھنا ''جوئے شیر لانا'' ہے۔

۳۔ ''دوسری خرابی یہ ہے...... کہ ایک ایک آواز کے لئے ہمارے پاس دو دو تین تین علامتیں آ گئی ہیں مثلاً ث۔ ص۔ س، جن سب کی آواز ''س'' کی ہے یا ز۔ ذ۔ ض اور ظ سب کی آواز محض ز ہے اس وجہ سے جب تک عربی اور فارسی پر اچھا خاصا عبور نہ رکھتے ہوں آپ کبھی اردو کا املا درست نہیں لکھ سکتے۔ محض نوشت و خواند کے لئے کسی زبان کا دوسرے زبانوں کا محتاج ہو کر رہ جانا۔ اس زبان کے متعلموں کے لئے بہت بڑی رکاوٹ ہے۔'' (ص ۱۰)

مطلب یہ کہ ث، ص، س، ذ، ذ، ض، ظ، ق، ک، ت، ط اور ح، ہ کا جھگڑا اٹھا دیا جائے قلب (دل) کو کلب (کتا)، قد کو کد (جرح) قصر (محل کو کسر (جزو) قضا (تقدیر) کو کذا (اس طرح) قید کو کید (مکر) حائل (رکاوٹ) کو ہائل (خوفناک) ہال (بڑا کمرہ) کو حال، حذر (پرہیز) کو حضر (گھر میں قیام) حق کو حک (گھسنا) اور حل کو ہل لکھو اور عیش اڑاؤ۔ اگر ہم ہجوں میں اتنی سی تبدیلی بھی نہیں کر سکتے تو پھر پاکستان بننے کا کیا فائدہ ہوا۔

اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں کہ اردو کا خمیر ہندی، فارسی اور عربی سے تیار ہوا ہے۔

Marfat.com

عربی میں الفاظ کے بڑے بڑے گروہ ملتے ہیں جو ایک ماہ و ماخذ سے نکل کر اشکال بدلتے جاتے ہیں۔لیکن ماخذ کے اصلی حروف و مفہوم سے کہیں جدا نہیں ہوتے۔مثلاً

۱۔علم کے لغوی معنی میں بچنا۔محفوظ رہنا،اس سے بیسیوں الفاظ تیار ہوتے ہیں۔مثلاً سلام، استیلام، اسلام، سلم، (صلح دامن) سلم (قید) وسلم (سیڑھی سلام ایک کڑوا درخت) سلامت، سلامی، (چھوٹی ہڈی) سلیم سالم وغیرہ ان تمام حروف میں دو باتیں لازماً پائی جاتی ہیں اول مادہ یا ماخذ کے تین حروف یعنی س، ل، م اور حفاظت وسلامت کا مفہوم......!

۲۔ذل (ذلت) سے یہ الفاظ نکلے ہیں۔ذلت، ذلیل، (مت بھولئے کہ ظلیل) (مادہ ظل۔سایہ) کا تلفظ بھی یہی ہے۔لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ذلیل کے معنی ہیں گھٹیا۔بے عزت اور ظلیل کا مفہوم ہے۔سایہ دار ذلالت اذلہ (ذلیل کی جمع) اذلال ماذل، تذلل، ذل، مذلل وغیرہ ان تمام حروف میں ذل بھی موجود ہے اور ذلت کا مفہوم بھی......

۳۔طلب کے معنی تلاش ہیں اور یہ مفہوم اس کے تمام مشتقات مثلاً طالب، مطلوب، مطلب، طلبہ، طلاب، طلبہ، (مطالبہ) میں لازماً ملے گا اگر ہم طلب کو تلب لکھ دیں تو یہ لفظ اپنی اصل نیز ساری برادری سے کٹ کر بے معنی ہو جائے گا یا یوں کہئے کہ بے اصل ہو کر رہ جائے گا۔ جناب راشد صاحب کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ غلط لکھ کر ساری زبان کو بد اصل اور بے پدر بنا دو تا کہ ہمارے نازک مزاج بچے ض، ظ، ا اور ت، ط کے اشتباہ سے محفوظ رہیں، دیکھا آپ نے اتنی مہیب تخریب کا مقصد بھی ماشاء اللہ کتنا عظیم ہے۔ بھائی صاحب جن بچوں کو آپ ت، ط کی امتیاز کی بھی تکلیف نہیں دینا چاہتے کہ کہیں ذہن لطیف کی کوئی چول ڈھیلی نہ ہو جائے۔انہیں آپ کس مصرف میں لانا چاہتے ہیں۔ان نسیم زادوں سے قوم کو کیا توقع ہو سکتی ہے؟

ایک اور اعتراض یہ کیا ہے کہ اردو میں فارسی و عربی کے الفاظ بہت زیادہ ہیں اور ہماری زبان ان کی محتاج ہے۔اس کی مزید تشریح یوں فرماتے ہیں۔

”کسی خارجی زبان کے ساتھ ہمارا اس حد تک وابستہ رہنا کہ ہم اس کے بغیر اظہار خیال کے قابل نہ رہیں۔ایک ایسی غلامی ہے جس سے جس قدر جلد نجات مل جائے ہمارے حق میں

Marfat.com

مفید ہے۔ (ص ۱۱)

اردو میں چالیس فیصد انگریزی الفاظ بھی موجود ہیں۔لیکن راشد صاحب نے صرف عربی و فارسی الفاظ پہ اعتراض کیا ہے۔کیوں؟محض اس لئے کہ انگریز کو انہی دو زبانوں سے چڑ ہے اور راشد صاحب کے تمام فلسفہ وفکر کا ماخذ فرنگ ہے۔پھر ستم یہ کہ فارسی وعربی کو خارجی زبانیں کہہ دیا ہے حالانکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اردو بذاتہ کوئی زبان نہیں وہ چند عربی و فارسی، انگریزی، ترکی اور ہندی الفاظ کا مجموعہ ہے اور بس۔اگر اردو سے خارجی الفاظ نکال دیئے جائیں تو یہ زبان وہیں ختم ہو جائے گی۔اگر کسی عمارت سے اینٹیں اور بالے کھینچ لئے جائیں تو وہ کیسے قائم رہ سکتی ہے۔

پھر یہ بھی فرماتے جایئے کہ فارسی وعربی خارجی زبانیں کیسے ہو گئیں کیا یہ ہمارے اسلام کی زبانیں نہیں تھیں۔کیا ہمارے اسلاف جن کی اولاد آپ اور ہم ہیں خارجی تھے،کیا لاالہ سے بھی بڑا کوئی اور رشتہ مودت واخوت موجود ہے تو پھر ایران وعرب کا مسلمان ہمارے لئے خارجی کیسے ہو گیا؟

یہ بھی فرمایئے کہ دنیا میں کوئی ایسی زبان ہے جس میں ہزاروں الفاظ دیگر زبانوں کے نہ ہوں۔کیا انگریزی میں فرانسیسی، لاطینی، یونانی، جرمنی اور عربی کے لاکھوں الفاظ موجود نہیں؟ تو پھر آپ انگریزوں کو خارجی زبانوں کی غلامی سے بچنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے؟ یہ واکھیان صرف ہمیں کیوں دیا جا رہا ہے؟ عربی وفارسی کو خارجی زبان قرار دینے کا فلسفہ فرنگی کی ابلیسی سیاست کی ایجاد ہے اور ہمیں صدمہ ہوتا ہے۔جب کوئی پاکستانی دانستہ یا نادانستہ طور پر ان کا آلۂ کار بن کر ہمیں اس قسم کے واعظ سناتا ہے۔

۵۔رومن رسم الخط کے بدلنے سے قوم کئی تباہیوں کا شکار ہو گی۔مثلاً

(الف) ہم عربی کی تین کروڑ، فارسی کی دس لاکھ اور اردو کی چھ لاکھ کتابوں اور پنجابی کی کافیوں اور گیتوں سے قطعاً محروم ہو جائیں گے۔

(ب) ہمارا علم یکطرفہ ہو جائے گا۔یعنی عربی خط کے تمام ذخائر علوم سے محروم ہونے کے بعد لازماً ہم یورپی ادب کا رخ کریں گے اور ذہناً فرنگی ہو کر رہ جائیں گے اس کے بعد ہم

Marfat.com

لاکھ آزاد ہوں لیکن ذہناً و عملاً فرنگ ادب فرنگ اور تہذیب فرنگ کے پرستار بن جائیں گے۔

(ج) دانا عیسائی یہ کہتے ہیں کہ اگر عرب میں محمد ﷺ پیدا نہ ہوتے تو آج یورپ، افریقہ، امریکہ، ایشیائے صغیر، مشرق وسطیٰ، ہند اور جزائر شرق الہند کا مذہب عیسائیت ہوتا۔ عیسائیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلامی ذہنیت اور اسلامی فلسفہ ہے۔ اگر یہ عربی رسم الخط ختم ہو جائے تو اسلامی فلسفہ و ذہنیت کا خاتمہ خود بخود ہو جائے گا اور اس طرح عیسائیت کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔

(د) فرنگی استعمار کی سب سے بڑی رکاوٹ بھی یہی اسلامی ذہنیت ہے ہم ہزار برخودار تابعدار سہی لیکن گاہے گاہے ہم میں کوئی ناصر، رضا شاہ، قائداعظم، اقبال، جمال الدین افغانی، سعد زاغلول اور اتاترک پیدا ہو کر ایشیا کے ان مزدوروں اور مزارعوں کو اپنے فرنگی لینڈ لارڈز کے خلاف مشتعل کر ہی دیتا ہے۔ اس مرض کا پورا ''استحصال'' اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان کا خط چھین لو اور اس کے بعد انشاء اللہ یہ یوں قابو میں آئیں گے کہ کان تک نہیں ہلائیں گے۔

(ہ) زبان بگڑ جائے گی۔ حک اور حق۔ قلب اور کلب میں کوئی تمیز نہیں رہے گی۔

(ز) ایران و عرب سے تمام تہذیبی و ثقافتی روابط ختم ہو جائیں گے۔ ان کے تمام علوم و فنون اور ادبی تخلیقات ہمارے لئے اجنبی بن جائیں گے۔

(ر) اور سب سے بڑا ستم یہ کہ جب عربی خط کو جاننے والے آئندہ بیس تیس برس تک ختم ہو جائیں گے۔ تو پھر سارے ملک میں قرآن پڑھنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اگر یقین نہ آئے تو ترکی میں جا کر دیکھئے وہاں لاطینی رسم الخط ۱۹۲۸ء میں رائج ہوا تھا۔ گذشتہ ۳۶ برس میں عربی خط جاننے والے فوت ہو چکے ہیں۔ آج قرآن عظیم کو لے کر ترکی سلطنت میں گھومئے شاید ہی کوئی بتا سکے کہ یہ قرآن ہے۔ جب قرآن کی عبارت تک پڑھنے والے نہ رہے تو سمجھنے اور سمجھانے والے کہاں سے آئیں گے۔ آج ترکی میں

Marfat.com

مسلمان تو ہیں لیکن قرآن اور تعلیمات قرآن سے نا آشنا۔ اسوہ رسولؐ سے بے خبر روایات اسلام سے ناواقف، اسلامی فلاسفہ اور مفکرین کے افکار وتخلیقات سے لاعلم، گذشتہ ۳۶ برس میں ترکی نے کوئی مفسر، محدث، مورخ، مفکر عطار اور رومی پیدا نہیں کیا۔ وہ زمین کیوں یتیم ہوگئی؟ محض اس لئے کہ علم وعشق کے تمام ماخذ ومنابع سے اس کا رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ اتاترک میدان جنگ میں تو جیت گیا تھا لیکن علم وفکر اور تہذیب وثقافت کے میدان میں انگریز سے وہ شکست کھائی کہ اب اس کی قوم شاید ہی کبھی سنبھل سکے۔

جناب راشد کو اس خطرے کا احساس ہے کہ لاطینی خط کے نفاذ کے بعد مسلمان قرآن سے بیگانہ ہوجائے اور اس کا علاج یوں تجویز فرماتے ہیں۔

''ایک اور اعتراض یہ ہے کہ رسم الخط کی تبدیلی کے بعد لوگ قرآن حکیم کا مطالعہ نہیں کر سکیں گے۔ مکرر یہ بات عرض کرنی پڑتی ہے کہ جس ملک میں صرف سولہ فیصدی آبادی پڑھے لکھوں کی ہو وہاں کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ لوگ اپنے مذہب اور اخلاق یا مذہبی فلسفے سے پورے طور پر واقف ہوں گے۔ ان کا مذہبی علم زیادہ تر سماعی ہی رہ سکتا ہے یا وہ ان نہایت بے پرواہی سے چھپے ہوئے کتابچوں پر انحصار کر سکتے ہیں جن میں اکثر باتیں مسخ ہو کر پیش کی جاتی ہیں۔
(ص ۱۱)

سمجھے آپ کہ راشد صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟ پہلی بات یہ کہی ہے کہ پاکستان میں پڑھے لکھوں کی تعداد صرف سولہ فیصد ہے۔ یعنی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ۔ ان سے توقع ہی نہیں ہوسکتی کہ فلسفہ مذہب واخلاق کو سمجھیں ان کے خیال میں فلسفہ اخلاق کوئی ایسی چیز ہے جسے ایک ارسطو، ایک سقراط، ایک غزالی، ایک سعدی، ایک گوئٹے، ایک ڈانٹے، ایک عیسیٰ، ایک موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ تو کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اسی کام کے لئے ستر اسی کروڑ فلاسفہ وانبیاء کو پوری فوج ہونی چاہئے۔ اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ عوام کا علم سماعی تو ہے آج اپنے علما سے سن کر عمل کرتے ہیں۔ کل اگر یہاں ایسے علما نہ رہے تو افغانستان یا ایران سے جا کر سن آئیں گے۔ تیسرا ارشاد یہ

Marfat.com

ہوا ہے کہ آج کل آپ مذہب کا درس ایسے کتابچوں سے لیتے ہیں جن کی طباعت خراب اور مضامین مسخ شدہ ہیں۔ یعنی آپ فلسفہ اخلاق، مذہب سے تو پہلے ہی جاہل ہیں، کل اگر قرآن کا علم پاکستان سے اٹھ گیا تو کیا فرق پڑے گا؟

دراصل راشد صاحب جو بات کہنا چاہتے ہیں اور ہم جیسے جہلا کے ڈر سے زبان پہ نہیں لا سکتے۔ وہ یہ ہے کہ مذہب عہد وحشت کی یادگار ہے یہ نماز، یہ روزے، یہ درس حیا شرافت، یہ تعلیم تقویٰ وطہارت اور یہ قرآن وتورات عصر حاضر کے پرکیف ورنگین تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس لئے چھوڑو ان دقیانوسی باتوں کو۔ زندگی صرف چندروزہ ہے۔ جی کھول کر عیش اڑاؤ۔ کھاؤ پیو، ناچو گاؤ اور جب موت آئے تو مر جاؤ۔

یوں راشد صاحب ہمارے مذہبی جذبات سے اتنے بے پرواہ نہیں ہماری راہ داری کے لئے فرماتے ہیں۔

''قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے کے لئے یقیناً ہمیں عربی اپنے رسم الخط کے ساتھ پڑھنی ہوگی''۔ (ص ۱۱)

نہایت نیک خیال ہے لیکن پڑھائے گا کون؟ تمام درسگاہوں میں تو لاطینی حروف ہوں گے۔ یہ عربی حروف پڑھانے والے کہاں سے آئیں گے؟ بیس تیس برس میں قرآن و مذہب کا غلغلہ ہی ختم ہو جائے گا۔ نسل نو ایک مردہ علم کے لئے اتنی تکلیف کیوں کرنے لگی۔

۶۔ خط بدلنے سے ہم لازماً اسلاف کی علمی میراث سے محروم ہو جائیں گے اور ہم اپنے عظیم وجلیل ماضی سے کٹ جائیں گے۔ راشد صاحب اس کا علاج یوں تجویز فرماتے ہیں۔

''رسم الخط کی تبدیلی کے خلاف ایک اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے ہمارا قدیم سرمایہ ادب فنا ہو جائے گا۔ ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ ہمارا سرمایہ ادب اس قدر کم ہے کہ اسے نئے رسم الخط میں منتقل کرنا ایک آزاد قوم کے لئے مشکل نہ ہوگا'' (ص ۱۱)

ہمارا سرمایہ ادب اس قدر کم ہے۔ ''کم کیسے ہے حضور؟ کیا چھ لاکھ کتابیں کم ہوتی ہیں، ۱۹۴۰ء میں لاہور کے چند باہمت لوگوں نے یونیورسٹی ہال میں کتابوں کی ایک نمائش ترتیب دی تھی جس میں صرف ایسی کتابیں رکھی گئی تھیں جو لاہور کے کتب فروشوں سے مل سکتی تھیں۔ ان کی

Marfat.com

تعداد ایک لاکھ تھی۔ اردو کا موجودہ ادب پورے پانچ سو سال کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس میں دہلی، لکھنو، علی گڑھ، خیر آباد، کلکتہ، حیدر آباد دکن اور لاہور کے ہزار ہا اہل قلم کے علاوہ ترقی اردو اور ندوۃ المصنفین جیسی سینکڑوں مجالس نے حصہ لیا۔ ہمارے ہاں شعر کے ہزار ہا مجموعے، درجنوں تفسیریں تاریخ، سیرت، ادب، تنقید، افسانہ ناول، ڈرامہ، مذہب، اخلاق، تصوف، قانون میراث، حدیث، عروض، علم المعانی، طب، فلسفہ، سائنس، ہیئت، حساب، جغرافیہ، شہریت، معاشیات اور دیگر علوم پہ لاکھوں کتابیں موجود ہیں انہیں لاطینی خط میں کون منتقل کرے گا؟ اگر آپ نے اپنے ادیبوں کو اس بے ہودہ کام پر لگا دیا تو نئی تخلیق کیسے ہوگی؟ پھر اس جناتی خط میں لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھے گا کون؟ ایک لاکھ اردو کے صفحات لاطینی خط کے پانچ لاکھ صفحات میں سمائیں گے اتنا کاغذ کہاں سے آئے گا؟ اور اتنی فربہ کتابوں کو خریدے گا کون؟ پھر یہ فیصلہ کون کرے گا کہ Ghar ''گھر یا غار'' Alam ''عالم'' ہے یا عالم'' یا الم یا آلام یا ''اعلام'' Hakim ''حکیم'' یا ''حاکم'' Zalil ''ذلیل'' ہے یا ''ظلیل'' (سایہ دار) وقس علی ہذا۔

یہ بھی خوب کہی کہ یہ آزاد قوم اپنے ذخیرہ ادب کو اردو میں جلد منتقل کر لے گی۔ پاکستان کے دونوں حصوں میں اندازاً دو سو کالج اور کئی ہزار سکول ہیں۔ پروفیسروں کی تعداد چھ ہزار اور ٹیچرز کی تعداد ساٹھ ہزار سے کم نہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان چھیاسٹھ ہزار اساتذہ نے گذشتہ بیس تیس برس میں کتنا ادب پیدا کیا؟ یونیورسٹیوں کے چند ایک اساتذہ اور ایک آدھ پروفیسر مستثنیٰ باقی کسی نے ایک تنکا تک دوہرا نہیں کیا اور ایک مقالہ تک نہیں لکھا۔ سال میں کالج ایک سو اسی دن اور اسکول ایک سو پچاس دن بند رہتے ہیں۔ حساب یوں بنتا ہے۔

۱۔ سال میں ایک پروفیسر ۱۸۰ یوم فارغ رہتا ہے۔

۲۔ تو گویا چھ ہزار پروفیسرز سال میں دس لاکھ اسی ہزار دن فارغ رہے۔

بیس برس میں ان پروفیسروں کو دو کروڑ سولہ لاکھ فارغ ایام نصیب ہوئے اور انہوں نے ایک سطر تک نہ لکھی۔ کیا انہی لوگوں سے آپ یہ امید رکھ سکتے ہیں کہ یہ اردو کی چھ لاکھ کتابوں کو لاطینی میں منتقل کر دیں گے۔ فکر معاش سے مقابلۃً آزاد طبقہ تو یہی ہے۔ اگر اس کی حالت یہ ہے تو کام کون کرے؟ اخبار نویس، ادیب، یہ ہیں کتنے؟ جو ہیں وہ کوئی نئی چیز لکھیں گے یا پرانی کتابوں

Marfat.com

کی لاطینی بناتے پھریں گے؟

اس سلسلے میں راشد صاحب نے تاریخ حاضرہ میں سے ایک مثال بھی پیش کی ہے فرماتے ہیں۔

''ترکی کے سرمایہ ادب سے ہمارا سرمایہ ادب ہر لحاظ سے کم ہے۔ اگر ترکی کو اس بنا پر نقصان نہیں پہنچا تو ہمیں کیونکر پہنچ سکتا ہے۔'' (ص ۱۱)

اگر ترکی کا سرمایہ ادب ہم سے زیادہ ہے تو اندازاً آٹھ لاکھ کتابیں ہوں گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پچھلے تینتیس برس میں پچاس فیصد پڑھے لکھے ترکوں نے لاطینی خط میں کتنی منتقل کی ہیں۔ ۲۳ مارچ ۶۱ء کے پاکستان ٹائمز میں ''رسم الخط'' پر پرنسپل حمید احمد خان اسلامیہ کالج لاہور کا ایک نہایت فاضلانہ مضمون شائع ہوا تھا۔ یہ وہاں بات چیت ہوئی تو معلوم ہوا کہ ترکوں نے پچھلی تہائی فیصدی میں اپنے ادب کی صرف دو سو کتابیں لاطینی خط میں منتقل کی ہیں۔ آٹھ لاکھ میں سے صرف دو سو اور بایں ہمہ جناب راشد صاحب کا خیال ہے کہ ''ترکی کو اس بنا پر نقصان نہیں پہنچا'' بھائی ان سے شاید بلوچی، مہمندی اور وزیری قبائل کا ادب زیادہ ہوگا۔ وہ بھی کیا قوم ہے جس کا ادب صرف دو سو کتب پر مشتمل ہو۔ چھ سو برس کی ایک پرانی قوم اور ادب صرف چند سو صفحات۔ جو قوم بھی انگریز کا مشورہ قبول کرے گی اس کا یہی حشر ہوگا۔

حکیم مشرق نے ضرب کلیم میں ''نصیحت'' کے عنوان سے ایک بصیرت افروز نظم شامل کی ہے، ایک فرنگی اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ فتح صرف تلوار ہی سے نہیں ہوتی اس کے طریقے اور بھی ہیں۔ جنہیں راز ملوکیت سمجھ کر نہاں رکھو۔

سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر — کرتے نہیں محکوم تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو — ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے ایک ڈھیر

اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ فرنگی لیبارٹری میں لاطینی خط سے زیادہ تند کوئی اور تیزاب موجود نہیں۔

Marfat.com

۷۔ ہمارے بعض محققین دکن، لکھنو، دہلی اور مدراس وغیرہ کے قدیم مصنفین پر تحقیق کر رہے ہیں اور آئے دن کوئی کتاب نکل آتی ہے۔ یہ سلسلہ لاطینی رسم الخط کے بعد بھی جاری رہنا چاہئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اردو خط کو پڑھنے والے کہاں سے آئیں گے۔ اس مشکل کا حل حضرت راشدیوں بتاتے ہیں۔

''جن لوگوں کو دیوان ناسخ پر تحقیق و تفتیش کرنا ہوگی انہیں رسم الخط سیکھنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔'' (ص ۱۱)

تو گویا صاحب مضمون تسلیم فرماتے ہیں کہ قرآن اور اردو ادب کی خاطر عربی خط ضروری ہے تو پھر لاطینی خط کس مرض کی دوا ہے؟ محض انگریزی کی خوشنودی مزاج؟ یا دین دنیا کا کوئی اور فائدہ بھی ہے؟...... ''نہیں روک سکتی'' یہ کیا ہے۔ واقعہ نگاری ہے؟ پیشگوئی ہے؟ یا دھمکی؟

اپنے دعویٰ کی تائید میں آپ نے ایک مقدس دلیل بھی پیش کی ہے۔

یعنی ''شاید آپ کو معلوم ہو کہ خود قرآن حکیم کے رسم الخط میں دو تین مرتبہ ردو بدل ہو چکا ہے۔ کیونکہ خدا کا کلام کسی مخصوص رسم الخط کے ساتھ نازل نہیں ہوا تھا۔'' (ص ۱۱)

''شاید آپ کو معلوم ہو'' بھائی صاحب! ہم اپنی جہالت کا اعتراف کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ دو تین مرتبہ تبدیلی کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ ہو سکے تو اس کی وضاحت کیجئے اور فرمایئے کہ حضور ﷺ نے قرآن کا جو نسخہ خود تیار کرایا تھا وہ کس خط میں تھا؟ رومی تھا یا یونانی، چینی تھا یا ہندی؟ اور یہ دو تین تبدیلیاں کب ہوئیں؟ کس نے کیں؟ اور ان کی نوعیت کیا تھی نیز آپ کا یہ ارشاد بھی وضاحت طلب ہے کہ قرآن کسی مخصوص رسم الخط کے ساتھ نازل نہیں ہوا تھا۔ قرآن ان الفاظ کا نام ہے جو جبریل امین نے حضور پر نور ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کئے تھے خط و کتابت کا مرحلہ تو بعد از نزول پیش آیا تھا اور یہ ایک ٹھوس تاریخی حقیقت ہے کہ حضور ﷺ ہر آیت نازل ہونے کے معاً بعد لکھوا دیتے تھے اور اسی مخصوص عربی خط میں لکھواتے تھے جو اس وقت رائج تھا۔ تو پھر آپ کے اس جملے کہ ''خدا کا کلام کسی مخصوص رسم الخط کے ساتھ نازل نہیں ہوا تھا'' کا یہاں موقعہ اور مقام کیا ہے؟ اور آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟

۸۔ آخری دلیل یہ دی ہے۔

Marfat.com

رسم الخط بدلنے سے ایک اور ضمنی فائدہ یہ ہوگا کہ کہ غیر ملکی لوگوں کو ہماری زبان سیکھنے میں آسانی ہو جائے گی۔" (ص ۱۳)

احساس کمتری کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ یعنی ہم دس کروڑ پاکستانی اپنی علمی میراث صرف اس "مقصد عظیم" کے لئے کالے کنوئیں میں پھینک دیں کہ شاید کل پرسوں یا سو سال بعد کوئی صاحب ب بہادر ہماری زبان سیکھنے کا ارادہ فرمائیں تو انہیں تکلیف نہ ہو۔ آپ اسی قسم کا مشورہ پانچ کروڑ انگریزوں کو کیوں نہیں دیتے کہ وہ لاطینی کی جگہ اردو خط اختیار کر لیں تا کہ ہم دس کروڑ پاکستانیوں کو انگریزی سیکھنے میں آسانی ہو۔

ہر قوم کو چند چیزیں بڑی عزیز ہوتی ہیں۔ ان میں زبان اور اس کا رسم الخط بھی شامل ہے۔ جو شخص ہمیں ان سے دور بھاگنے کا مشورہ دیتا ہے وہ ہمارے قومی جذبات کو ٹھیس لگاتا ہے۔ میری اس تحریر میں کہیں کہیں تلخی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ حضرت راشد کے ان مشوروں سے میرا قومی غرور مجروح ہوا اور میرے قلم سے فریادیں نکلنے لگیں۔

آپ کا آخری جملہ یہ ہے۔

"مجھے یقین ہے کہ لاطینی رسم الخط اختیار کر لینے کے بعد ہماری زبان اور ادب کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا اور علوم وفنون کی تحصیل کے نئے راستے کھل جائیں گے۔ جن سے ہماری تہذیب نئے سرے سے مالا مال ہو جائے گی۔" (ص ۱۳)

یہ جملہ یوں ہونا چاہیے۔

"مجھے یقین ہے کہ لاطینی رسم الخط اختیار کر لینے کے بعد ہماری زبان اور ادب کی رسوائی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا اور علوم وفنون کی تباہی کے نئے راستے کھل جائیں گے۔ جن سے ہماری تہذیب نئے سرے سے پائمال ہو جائے گی۔"

ہلاکو خان نے ہم پہ سب سے بڑا ستم یہ توڑا تھا کہ ہماری لاکھوں کتابیں اٹھا کر دریائے دجلہ میں پھینک دی تھیں۔ اس لاطینی تجویز کا ماحصل بھی یہی ہے کہ اپنی چھ لاکھ کتابیں چناب و جہلم کی لہروں کے حوالے کر دو۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے !

Marfat.com

امریکہ میں حرام کاری

مقام عبرت

قبل اس کے کہ میں آپ کو امریکہ کے مشہور جریدہ ''ٹائم'' مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۶۴ء کے صفحات ۴۸۔۵۴ سے چند اقتباسات سناؤں، ایک دو تمہیدی گزارشات سن لیں۔

شراب کے نتائج

حضرت آدم سے محمد عربی ﷺ تک تمام انبیاء نے شراب کو حرام و نجس قرار دیا تھا اور اس کی وجوہ یہ تھیں۔اول شراب جذبہ جنسیت کو ابھارتی اور بے لگام بناتی ہے۔ہر شرابی مست ہونے کے بعد ایک لڑکی مانگتا ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اس کے دوست کی بہن ہو یا بیٹی، نہ ملے تو کنجروں کے پاس جاتا ہے وہاں سب کچھ لٹا کر اور مختلف بیماریاں لے کر واپس آتا ہے۔

۲۔ اس کی بے راہ روی پر گھر میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے ماں، بیوی، بہنیں سب احتجاج کرتی ہیں لیکن گناہ میں بڑی لذت ہوتی ہے اس لئے رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ شرابی کی اولاد بھی شرابی اور اوباش ہوتی ہے۔والد اولاد کے لئے رہبر، امام اور نمونہ ہوتا ہے اور اولاد لازماً اس کے نقش قدم پر چلتی ہے۔

۴۔ شرابی کی ہمیشہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی شرابی بنائے اور اگر کوئی یہ کہہ دے کہ خدا رسول نے شراب کو حرام قرار دیا ہے تو وہ خدا اور رسول کی توہین کرتا، علماء کو صلواتیں سناتا اور مذہب کا مذاق اڑاتا ہے۔

۵۔ ہر شرابی کا انجام نہایت خوفناک ہوتا ہے وہ یا تو ذیابیطس کا شکار ہوتا ہے یا ضعف دل کا یا کوڑھ کا جسے انگریزی میں اگزیمہ کہتے ہیں۔

۶۔ شرابی جج ہو یا جرنیل، سماج میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی ظاہراً لوگ اس کی ہزار خوشامد کریں۔دل میں اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔اسے خدا اور رسول کا باغی، سماج کا

Marfat.com

دشمن اور طبقہ نسواں کی عصمت و احترام کا رہزن سمجھتے ہیں۔ جو شخص قرآن عظیم کی ہدایت کو توڑتا، خواتین کی عصمت لوٹتا اور ملک میں بے حیائی، بے غیرتی اور اوباشی پھیلاتا ہے اس کی عزت کون کرے اسلامی حکومت میں ایسے افراد جیلوں میں رکھے جاتے ہیں تاکہ معاشرہ ان کے اثرات بد سے محفوظ رہے۔

۷۔ کسی ملک کا دفاع وہی لوگ کر سکتے ہیں۔

(ا) جنہیں اپنی خواتین کی عصمت عزیز ہو اور انہیں خطرہ ہو کہ حملہ آور ان کی بہنوں اور بیٹیوں کی آبرو لوٹ لیں گے۔

(ب) جنہیں اپنی روایات، تہذیب اور اقدار سے محبت ہو۔

(ج) جن کی موت و حیات صرف اللہ کے لئے ہو جن لوگوں میں یہ صفات نہ رہیں وہ ملک کے لئے لڑ ہی نہیں سکتے۔ ان کی خواتین کو چنن دین استعمال کرے یا چنن سنگھ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ اوباشوں شرابیوں اور بے غیرتوں کو ہر میدان میں پیٹا گیا تاریخ کا فیصلہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اگر یقین نہ آئے تو ٹبی بازار اور سرائے بیلی رام کے بھڑووں، دلالوں اور وہاں جانے والے شرابیوں اور بدکاروں کی ایک فوج بنایئے۔ انہیں کسی محاذ پر بھیجئے اور نتیجہ دیکھئے، آدھے راہ میں مرجائیں گے اور باقی دشمن کے پاؤں پہ گر پڑیں گے، ایک فوج اس وقت تک لڑ سکتی ہے جب تک کہ عوام کا مورال بلند رہے۔ جس قوم میں لیڈر عیاش ہو جائیں وہاں لڑائی چھڑتے ہی یہ لوگ یا تو کسی دوسرے ملک میں بھاگ جاتے ہیں اور یا آزادی سے دستبردار ہو کر گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔

گذشتہ چودہ صدیوں میں ہم سے ایک سو انیس مرتبہ آزادی سلب ہوئی۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ہلاکو خان نے بغداد میں داخل ہو کر سات دن میں اٹھارہ لاکھ افراد قتل کئے تھے۔ فردنیان نے سپین میں چالیس لاکھ مسلمانوں کو شمشیر و آتش کے حوالے کیا تھا۔ انگریزوں نے واجد علی شاہ کے حرم میں داخل ہو کر شہزادیوں کے کپڑے اتار لئے تھے اور مغل شہزادوں کو سر بازار گولی ماردی

Marfat.com

تھی۔ یہ تھا نتیجہ بادہ نوشی، عیش کوشی، بے غیرتی اور اپنی اقدار سے بغاوت کا۔

آثار ہلاکت

پاکستان کی عمر بھی صرف سترہ برس ہے لیکن ہمارے شرابیوں نے بربادی و ہلاکت کے تمام سامان فراہم کر رکھے ہیں۔ ہر کلب اور فوج کا ہر میس شراب خانہ بن چکا ہے۔ ترک عبادت کی وجہ سے روحانی قوت کے ذخائر ختم ہو گئے ہیں کراچی اور لاہور میں لاتعداد ناچ گھر کھل گئے ہیں۔ یہ بیماری نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ کراچی میں نوخیز لڑکیاں کپڑے اتار کر ناچتی ہیں۔

اگر قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے۔ اگر تاریخ کا فیصلہ درست ہے۔ اگر محمد ﷺ عربی ﷺ حقیقتاً اللہ کے رسول تھے تو یاد رکھو کہ تمہاری اس خرمستی کی سزا اتنی شدید ہے کہ وقت بننے پر تم چیخو گے زمین پر ناک رگڑو گے لیکن کوئی نہیں سنے گا۔

فالتو دولت کی تباہ کاریاں

فالتو دولت شرفا کے پاس آجائے تو گنگا رام کی طرح شفا خانے بناتے ہیں، دیال سنگھ کی طرح کالج کھولتے ہیں غریب طلباء کو وظائف دیتے ہیں اور یتیموں کو پالتے ہیں۔ یہی چیز کم ظرفوں، خود پرستوں، ہوس کاروں اور مفادات ملت سے بے خبر اوباشوں کے ہاں پہنچ جائے تو خرمستی، بدکاری اور عصمت دری پہ اتر آتے ہیں چونکہ اس طبقے کی بدمستی مفاد ملت کے لئے از حد ضرر رساں ہے اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کو لگام دے شراب کی درآمد اور ناچ گھروں کو بند کرے اگر یہ لوگ پھر بھی نہ رکیں تو اللہ کے ارشاد...... قل العفو (فالتو دولت اللہ کے حوالے کردو) کے مطابق ان سے فالتو دولت چھین لے۔

امریکہ کا اوباش معاشرہ

امریکہ میں دولت کی بڑی فراوانی ہے اور خدا ہے نہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ لوگ حرام کاری، چوری اور بدمعاشی کی راہوں میں کتنے دور نکل گئے ہیں کہ ان کے مفکرین لرز اٹھتے ہیں۔ جس ملک

Marfat.com

میں ہر روز ساڑھے پانچ سو خودکشیاں، ایک منٹ میں چھ ڈکیتیاں اور زنا بالجبر ہوتے ہوں وہاں کے اہل نظر کو کیوں فکر لاحق نہ ہو۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ امریکہ والے کچھ کریں اس صورت حال کا علاج نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ

۱۔ وہاں مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔

۲۔ وہاں کے چرچ اور حکومت دونوں نے شراب اور زنا کی کھلی چھٹی دے دی ہے۔

۳۔ وہاں کے اہل قلم حرام کاری کو فلسفہ حیات بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اسے صحت مند معاشرہ کی علامت سمجھتے ہیں۔

۴۔ چونکہ والدین، اساتذہ، لیڈر اور مصنف سب کے سب شراب و گناہ میں ڈوب چکے ہیں اس لئے نئی نسل کے سنبھلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۔ خدا ہمیشہ مصیبت میں یاد آتا ہے اور امریکیوں پر پچھلے تین سو برس میں کوئی افتاد پڑی نہیں اس لئے وہ جہنم کی راہوں پر چلے جا رہے ہیں۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ اللہ نے روس کو ایٹم بم صرف امریکہ کی خاطر دیا ہے۔ جس روز اس کی بستیوں میں آگ بھڑکے گی ان کے سر بفلک محل پیوند زمین ہوں گے اور ان کی لاشیں گدھوں اور کتوں کی غذائیں بنیں گی تو انہیں فوراً خدا یاد آ جائے گا۔

امریکہ کی کہانی امریکہ کی زبانی

امریکہ میں معاشرے کا بگاڑ کس حد تک پہنچ چکا ہے "ٹائم" کی زبانی سنئے یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ بعض تفاصیل کا خلاصہ ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

فرائیڈ کے ایک شاگرد، ڈاکٹر ولیم رائش نے ایک صندوق ایجاد کیا تھا اور اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اس میں بیٹھنے سے جسم کی تہذیب جدید کے تمام امراض (آتشک، سوزاک اور نامردی وغیرہ سے نجات مل جاتی ہے اور قوت مردی میں حیرت انگیز اضافہ ہو جاتا ہے۔ ۱۹۵۴ء میں یو ایس اے کی حکومت نے اس صندوق کی فروخت بند کر دی اور ڈاکٹر رائش کو جیل میں ڈال دیا۔ اس صندوق کا نام (آرگون باکس) تھا۔

Marfat.com

لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ آج سارا امریکہ آرگون بوکس بن چکا ہے جہاں بڑے بڑے پوسٹرز، فلمیں، رسائل، اخبارات، جذبہ حیوانیت کو بھڑکا رہے ہیں، اہل قلم عریاں افسانے اور ناول لکھ رہے ہیں اور بالغ، جوان اور بوڑھے سب کے سب قیود مذہب سے آزاد ہو چکے ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں جنسی آزادی کو گناہ سمجھا جاتا تھا لیکن آج یہ آزادی ہمارا ادب اور زندگی کا جزو بن چکی ہے ۱۹۲۰ء میں جنسی باغیوں کے والدین قدیم روایات کے دلدادہ اور احترام نسواں کے قائل تھے لیکن ۱۹۶۰ء کے جنسی باغیوں کے والدین ویسے نہیں۔ نتیجہ یہ کہ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں آج ہمارے پادری، اساتذہ اور رہنما نوجوان کو نہیں روکتے۔ اگر روکتے ہیں تو نیم دلی سے، جن عریاں کتابوں کو آج سے تیس برس پہلے ضبط کر لیا گیا تھا آج ہر جگہ فروخت ہو رہی ہیں اور تازہ عریاں لٹریچر کے مقابلے میں فلسفیانہ معلوم ہوتی ہیں۔ کچھ ایسے اہل قلم بھی ہیں مثلاً ہنری ملر اور ولیم بردہ جو اغلام (لونڈے بازی) کی تبلیغ کر رہے ہیں، ملاحظہ ہوں ان کی تصانیف Tropics اور (Nakedlungh) وغیرہ۔ ایک کتاب میں یہ گیت بھی ہے:

شراب موجود ہے
ناچ بہت عمدہ ہے
لیکن اس لذیذ عمل
میں کیا دیر ہے
جو دو آدمی کیا کرتے ہیں
یہ عمل شیریں ترین
کامل ترین
اور لذیذ ترین ہے

سائنس نے پیشابی امراض کا ڈر دور کر دیا ہے اور دہریت نے خدا کا خوف دور کر دیا ہے، اب یہ جنسی سیلاب رکے تو کیونکر۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکہ کے تقریباً سارے مرد اور پچاس فیصد عورتیں شادی سے پہلے

Marfat.com

ہی حرام کاری کر چکی ہوتی ہیں ہاورڈ یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر گراہم کا اندازہ یہ ہے کہ پچھلے پندرہ برس میں کالجوں کے طلبہ میں حرام کاری پچاس سے ساٹھ فیصد تک اور طالبات میں پچاس سے چالیس فیصد تک بڑھ چکی ہے۔ سوشیالوجی کے ایک عالم پرڈو کا تخمینہ یہ ہے کہ شادی کے وقت ہر چھ لڑکیوں میں سے ایک حاملہ ہوتی ہے یہ مرض بالغ لڑکوں اور لڑکیوں میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ بعض والدین اس خیال سے کہ ان کی اولاد زندگی کی ہر منزل سے روشناس ہو جائے، اپنے ہاں مخلوط پارٹیاں کرتے ہیں اور تیرہ چودہ سال کے لڑکوں اور لڑکیوں کو شراب پلا کر نچاتے اور جذبہ جنسیت کو بھڑکاتے ہیں۔ گو مذہب اس آزادی کی اجازت نہیں دیتا لیکن مذہب کی بات آج نہ اولاد سنتی ہے اور نہ والدین۔

آج سے بیس سال پہلے کالج کے طلبہ ہوس کی آگ بجھانے کے لئے قحبہ خانوں میں جاتے تھے لیکن اب یہ کام کالج کی حدود میں ہی ہو جاتا ہے۔ آج اس لڑکے سے نفرت کی جاتی ہے جس کے کسی لڑکی سے ناجائز تعلقات نہ ہوں، بعض لڑکیاں چھیڑ چھاڑ کو زیادہ پسند نہیں کرتیں وہ لڑکوں سے بے جھجک کہہ دیتی ہیں کہ ہماری آگ کو زیادہ نہ بھڑکاؤ آؤ اور اپنا کام کرو، امریکہ میں کنواری لڑکی کا حاملہ ہو جانا قطعاً معیوب نہیں۔ ایک صاحب نے ایک مضمون میں لکھا کہ شادی سے پہلے جس لڑکی کے ناجائز تعلقات صرف ...... دو تین مردوں سے رہے ہوں اسے کنواری ہی سمجھو۔

حال ہی میں کالج کی ایک لڑکی کی ایک نظم شائع ہوئی ہے جس کے آخری شعر یہ ہیں۔

میں اپنا جسم اپنے یار کے حوالے کرتی ہوں

سماج کہتا ہے ایسا مت کرو

لعنت اس سماج پر

کتنی ہی نوخیز کنواری لڑکیاں بچوں کی مائیں بن چکی ہیں ۱۹۴۰ء میں ایسی لڑکیوں کا تناسب آٹھ فی ہزار تھا اور ۱۹۶۱ء میں سولہ فی ہزار۔

۲۰۔۲۵ سال کی کنواری لڑکیوں کی تعداد جن سے بچے پیدا ہوئے ۱۹۴۰ء میں گیارہ فی

Marfat.com

ہزاراور ۱۹۶۱ء میں اکتالیس فی ہزار تھی۔

ریاست متحدہ امریکہ کی کل آبادی بیس کروڑ ہے۔ اگر ۱۴ سے ۲۵ سال تک لڑکیوں کی تعداد سات کروڑ ہو تو صرف ایک سال میں حرامی بچوں کی تعداد انیس لاکھ بنتی ہے۔ ایک امریکی رسالے ''لک'' کی اشاعت ستمبر ۱۹۶۳ء میں ایسی لڑکیوں کی تعداد پچاس فیصد درج ہے۔ کالج کی لڑکیوں کے پاس نہ صرف حمل روکنے بلکہ گرانے کا بھی سامان ہوتا ہے، بعض گھروں میں مائیں اور بہنیں، بیٹوں اور بھائیوں سے یارانہ گانٹھ لیتی ہیں۔ ہنری ملر کا قول ہے:

یہ امر سمجھ میں نہیں آتا کہ، ماں سے یاری کرنے میں کیا حرج ہے۔

امریکی سماج میں عموماً اپنے کسی بہترین دوست کی بیوی سے یارانہ گانٹھا جاتا ہے۔ یورپ کے براعظم میں حرام کاری پہ کوئی بندش نہیں۔ وہاں کے سماج نے اسے گوارا کرلیا ہے البتہ امریکہ میں ول ڈیوران جیسے چند ایک اہل نظر اس آزادی کے مخالف ہیں لیکن معاملہ اتنا الجھ چکا ہے کہ کسی طرح سلجھنے کی صورت نظر نہیں آتی۔

یہ ہے ملخص ''ٹائم'' کے مقالے کا۔

اس سے ظاہر ہے کہ امریکہ ایک مکمل کنجرستان بن چکا ہے اور یورپ اس سے دس قدم آگے ہے۔

پاکستانی طلبا یورپ اور امریکہ میں

ہر سال سینکڑوں پاکستانی طلباء یورپ اور امریکہ میں جاتے ہیں۔ ان میں سے ساڑھے ننانوے فیصد خدا اور رسول کے باغی، اوباش، رقاص، شرابی اور مکمل حیوان بن کر واپس آتے ہیں، جب ہمارے نوجوان وہاں شراب پی کر لڑکیوں کا پیچھا کرتے ہیں، تو ان پر ہر طرف سے انگلیاں اٹھتی ہیں اور لوگ پوچھتے ہیں ''کیا سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے نمائندے یہی ہیں؟ سائنسی مضامین کے لیے وہاں جانا تو ایک مجبوری ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ اور قانون کے لیے وہاں کا جانا کیوں ضروری ہے؟ ان کی تاریخ جھوٹ کا پلندہ، ان کا فلسفہ، غلط ان کا قانون و جغرافیہ ہمارے لیے قطعاً بے کار، ان کے لیے لاکھوں روپے کا زرمبادلہ ضائع کرنا اپنے

Marfat.com

نوجوانوں کو عیاش و شرابی بنانا، خدا اور رسول سے متنفر کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔ اگر ہم آنکھیں بند کر کے یورپ کی گھناؤنی، متعفن، عریاں، اخلاق سوز اور غلیظ تہذیب کو اپناتے گئے تو صرف دس سال میں یہاں سے اسلام کا جنازہ اٹھ جائے گا اور یہ شیروں، دلیروں، غیور جانبازوں اور مقدس دیویوں کی پاک سرزمین بھڑووں، دلّوں اور رنڈیوں کا وطن بن جائے گی۔

Marfat.com

عائلی مسائل

حکومت کا آرڈیننس اور علمائے کرام

مارچ ۱۹۶۱ء کے آغاز میں حکومت نے میراث، نکاح اور طلاق پر ایک آرڈیننس جاری کیا تھا جس پر چودہ علمانے ایک مشترکہ بیان پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا ہے۔ ان علماء میں بعض بڑے پائے کے لوگ ہیں خصوصاً سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی جو دنیائے اسلام میں عظیم شہرت کے مالک ہیں۔ ان علماء نے اس آرڈیننس کو خلاف شریعت قرار دیا ہے اور حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ اس میں مناسب ترمیم کرے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے اعلان اور علماء کے بیان پر ایک غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالی جائے۔

یتیم پوتے کی وراثت

یہ تسلیم کئے بن چارہ نہیں کہ قرآن عظیم کی ہر ہدایت میں نوع انسان کی زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہر دور میں کچھ ایس علماء موجود رہے ہیں جو کتاب حکیم کے بعض احکام کی ایسی تاویل کرتے رہے جن سے ان کی منفعت مضرت میں بدل جاتی رہی۔ ان مسائل میں سے ایک ''یتیم پوتے کی وراثت'' ہے ہمارے اکثر علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ باپ کی زندگی میں بیٹا فوت ہو جائے تو یتیم پوتا دادے کی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کس قدر عجیب فتویٰ ہے۔ ایک طرف تو پوتا باپ کے سایہ سلطنت سے محروم ہو گیا اور دوسری طرف ساری جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھا، پہلی افتاد تو نتیجہ تقدیر تھی جسے نہ دادا ٹال سکتا تھا اور نہ پوتا لیکن یہ دوسری افتاد کس گناہ کی سزا ہے؟ کیا کوئی معقول انسان اس فتویٰ کو تسلیم کر سکتا ہے؟ ذرا مندرجہ ذیل صورتوں پر غور فرمایئے۔

اول۔ زید ایک متمول آدمی ہے اس کے تین بیٹے ہیں، بڑا ہائیکورٹ کا جج ہے، منجھلا ایک کروڑ پتی سیٹھ ہے، چھوٹا محض کسان جس کا گزارہ والد کی زرعی زمین پر ہے۔ اس کے چار بچے بھی

Marfat.com

ہیں۔ قضائے الٰہی سے اس کی وفات ہو جاتی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی اس کے والد کی حرکت قلب بھی بند ہو جاتی ہے اور دونوں کا جنازہ بیک وقت اٹھتا ہے ماتم تو تینوں گھروں میں ہوگا لیکن شدید تر اس گھر میں جس پر باپ اور دادا ہر دو کی جدائی کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ رحم و انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ دوسروں کی نسبت یتیم پوتوں کو زیادہ حصہ دیا جاتا لیکن ہمارے علماء فرماتے ہیں۔

''کہ قرآن کا قانون میراث سرے سے اس اصول پہ مبنی ہی نہیں کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے۔'' (پمفلٹ ص ۴)

بدیگر الفاظ قرآنی احکام کی بنیاد بے رحمی، حق تلفی اور یتیم کشی پہ رکھی گئی ہے اور جو شخص ان یتیموں کو حق دلانے کی کوشش کرے گا وہ خارج از اسلام تصور ہوگا اگر یہی قانون میراث ہے تو اللہ انسانی دنیا کو اس قانون سے محفوظ رکھے۔

دوم۔ فرض کیجئے ایک باپ اور بیٹا کسی بس میں سفر کر رہے ہیں۔ بس پھسل کر ایک گہرے کھڈ میں جا پڑتی ہے۔ یہ دونوں شدید زخمی ہوتے ہیں دونوں کو ہسپتال میں پہنچایا جاتا ہے۔ صرف سیکنڈ کے وقفے سے دونوں کی وفات ہو جاتی ہے۔ یعنی گیارہ بج کر ایک سیکنڈ پر ایک اور گیارہ بج کر دو سیکنڈ پر دوسرا مر جاتا ہے۔ اب علماء کی بوالعجبی ملاحظہ فرمایئے کہ اگر پہلے مرنے والا باپ ہے تو یتیم پوتے اس کے وراثت سے حصہ پائیں گے اور اگر بیٹا ہے تو محروم کر دیئے جائیں گے۔

مغالطہ

اس سلسلے میں ان علماء نے عجیب قسم کے دلائل سے کام لیا ہے۔ ایک دلیل تو آپ ابھی دیکھ چکے ہیں کہ قانون میراث کی بنیاد رحم پر رکھی ہی نہیں گئی اور دوسری یہ کہ

''قرآن ایک مورث کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کے حصے مقرر کرتا ہے جو مورث کی وفات کے وقت موجود ہوں۔ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ (نمبر ۴) بعض ان رشتہ داروں کو حصہ دلاتی ہے جو مورث کی زندگی میں وفات پا چکے ہیں۔ اس دفعہ کی رو سے پہلے یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں...... پھر ان کا حصہ نکالتے ہی انہیں مردہ تسلیم کر لیا جاتا ہے...... سوال یہ ہے کہ قرآن کی کس آیات سے یہ قانونی مفروضات اور

Marfat.com

قانونی فیصلے اخذ کئے گئے ہیں۔ (پمفلٹ نمبر ۲)

اگر خلاف ادب نہ ہو تو ایک آدھ سوال میں بھی پوچھ لوں۔

ا۔قرآن میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اگر بیٹا مر جائے تو یتیم پوتے کو دادے کی جائیداد سے محروم کردیا جائے۔

۲۔تقسیم وراثت کے وقت متوفی بیٹے کا حصہ اس کی اولاد کو دینا کس آیت کے خلاف ہے؟ اور اسے چند لمحات کے لئے زندہ تصور کرنے میں کون سی قباحت پیدا ہوتی ہے؟

قرآن کی روشنی میں

قرآنی آیات پر غور کرنے سے پہلے ایک لفظ یعنی ''اولاد'' کی تشریح ضروری ہے۔اس لفظ کے دو معنی ہیں۔اول بیٹا بیٹی، دوم دو ہتے اور پوتے جنہیں ہر نانا، نانی اور دادا، دادی اپنی اولاد سمجھتے ہیں اور اسی رشتے کی وجہ سے انسان اولاد آدم کہلاتے ہیں قرآن کہتا ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذ کر مثل حظ الانیثین

(نسآء ۱۱)

اللہ تمہیں اپنی اولاد کے متعلق ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر رکھو۔

تمام نسل انسان کو اولاد آدم سمجھنا اور یتیم پوتے کو دادے کی اولاد قرار دینا کچھ عجیب سی بات ہے۔اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص شاخ کو درخت کی بیٹی قرار دے اور پتوں کو درخت کی اولاد نہ سمجھے۔

قرآن کیا ہے؟ منشائے ایزدی کا بیان۔یہ بیان کہیں مفصل ہے کہیں مجمل اور کہیں صرف رمزو کنایہ۔مثلاً اللہ ہمیں بار بار عدل، احسان، اتفاق، رحم، مسکین نوازی اور یتیم پروری کا حکم دیتا ہے اور اس موضوع پر قرآن میں کئی ہزار آیات موجود ہیں۔کیا یتیم پوتے کو وراثت سے محروم کرنا ان تمام آیات کی تکذیب اور انتہائی بے رحمی نہیں؟ ان آیات پر غور فرمائیے۔

للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء

Marfat.com

نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیبا مفروضا واذا حضر القسمه اولو القربی والیتمی والمساکین فارذقوهم وقولوالهم معروفا والیخش الذین لو ترکو من خلفهم ذریعه ضعافا خافوا علیهم قلیتقوالله و لیقولوا قولا سدید۔ (نساء۔ ۵)

ماں باپ اور رشتہ دار جو ترکہ چھوڑ جائیں وہ کم ہو یا زیادہ اس میں مردوں اور عورتوں سب کا حصہ مقرر ہے۔ اگر تقسیم میراث کے وقت (غیر حصہ دار) رشتہ دار یتیم اور مسکین موجود ہوں تو انہیں اس مال میں سے کچھ دو اور ان سے میٹھی باتیں کرو۔ میراث تقسیم کرنے والے یہ بات سامنے رکھیں کہ اگر ان کی اپنی وفات اس حال میں ہوتی کہ پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے رہ جاتے تو ظاہر ہے کہ انہیں بڑی فکر ہوتی۔ سو ان تمام کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور سیدھی بات کہنا چاہئے۔

ان تمام آیات میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ تقسیم میراث کے وقت ان اقارب، یتیموں اور مساکین تک کا خیال رکھو جو شرعاً وارث نہیں ہیں اور پمفلٹ والے علماء فرماتے ہیں کہ باہر کے یتیموں کو تو چاہو دے دو۔ البتہ یتیم پوتے کا خیال رکھنا کہ اس کے دامن میں ایک روپیہ تک نہ جانے پائے۔

اندراج نکاح

دفعہ ۵ کی رو سے ہر نکاح کا اندراج یونین کونسل کے رجسٹر میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس پر علماء کو کئی اعتراضات ہیں۔

اول۔ اس اندراج کو قانوناً لازم کرنا اور اس کی خلاف ورزی پر سزا دینا شرعاً غلط ہے، کیوں غلط ہے؟

قرآن میں یہ کہاں لکھا ہے کہ نکاح درج رجسٹر نہ کراؤ؟ اگر قرآن ان مسائل پر خاموش ہے

Marfat.com

تو پھر آپ کو بولنے کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا؟ اسی شق کے متعلق ذرا آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔

"جہاں تک نکاح کی رجسٹری کا تعلق ہے اس کی ضرورت اور فائدے سے انکار نہیں۔"

(پمفلٹ ص ۳)

اگر یہ اقدام ضروری بھی ہے اور مفید بھی تو پھر خلاف شریعت کیسے ہوا؟ کیا شریعت کے مطابق ہونے کا مفہوم یہی ہے کہ ایسا اقدام غیر ضروری بھی ہو اور مضر بھی؟

دوم۔ شریعت اسلامیہ میں نکاح خوان کا سرے سے باقاعدہ منصب ہی نہیں......لیکن یہ رجسٹریشن کا نکاح خوان کا ایک منصب قائم کرتا ہے۔

گذشتہ کئی صدیوں سے محلے کا امام نکاح کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ تمام نکاح میونسپلٹی کے رجسٹرات میں درج ہو رہے ہیں ایسے نکاحوں میں یہ پمفلٹ والے علماء بیسیوں مرتبہ شامل بھی ہوئے ہوں گے لیکن انہوں نے نہ کبھی احتجاج کیا نہ کوئی پمفلٹ شائع کیا۔ جب اسی رواج کو حکومت نے اپنا لیا تو جھٹ پمفلٹ شائع کر دیا کہ اسلام خطرے میں ہے۔ رہا نکاح خوان کا منصب تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن سرکاری ملازمین کی لسٹ نہیں کہ اس میں تمام مناصب کا ذکر موجود ہو۔ خود علماء میں ہزاروں قاضی، مفتی، مجتہد اور علامہ ہو گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض خطیب، واعظ، زاہد، مفسر، محدث، متکلم اور فلسفی کہلاتے تھے اور بعض دیگر شیخ الاسلام، مجدد اور فقیہہ۔ اگر ان تمام مناصب کا ذکر قرآن میں موجود نہیں اور بایں ہمہ آپ انہیں خلاف شریعت نہیں سمجھتے تو پھر نکاح خواں کے منصب پر اعتراض کیوں؟ کل آپ کہیں گے کہ قرآن میں نہ ریل کا ذکر ہے، نہ گارڈ، نہ ٹی وی اور نہ اسٹیشن ماسٹر کا۔ اس لئے ان تمام مناصب کو ختم کر دیا جائے۔

سوئم۔ تیسری بات قابل غور کہ آیا واقعی یہ رجسٹریشن جائز نکاحوں کے ثبوت کا کوئی ذریعہ ہے؟......اس بات کا بہت امکان ہے کہ بااثر غنڈہ رشوت اور سازش کے ذریعہ سے کسی شریف عورت کے ساتھ کا بالکل فرضی اندراج کرا دے اور اس پر اپنے ساتھی غنڈوں کی گواہیاں ثبت کر دے۔ (ص ۴)

Marfat.com

اگر رجسٹر میں ایک ایسا اندراج جس پر نکاح خواں، وکیل منکوحہ اور تین چار گواہوں کے دستخط ثبت ہوں۔ نا قابل اعتبار ہوسکتا ہے تو پھر زبانی نکاح کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ جو غنڈہ رجسٹر میں فرضی نکاح درج کراسکتا ہے وہ اپنے غیر مندرج فرضی نکاح کے ثبوت میں دس گواہ بھی عدالت میں پیش کرسکتا ہے۔ کیا ہم تمام ریل گاڑیاں محض اس لئے بند کر دیں کہ ان میں بعض بے ٹکٹ سفر کرتے ہیں۔ کیا مساجد کو صرف اس لئے تالا لگا دیں کہ ان میں کبھی کبھی چور اور اچکے رات گزارتے یا نمازیوں کی جوتیاں اٹھا لے جاتے ہیں؟ کسی اچھی چیز کے ناجائز استعمال سے وہ چیز بری نہیں ہوسکتی۔

تعدد ازدواج

ایک سے زائد بیویوں پر آرڈیننس کی دفعہ ۶ میں مندرجہ ذیل پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔

اول۔ کہ ایسا شخص پہلے اپنی موجودہ بیوی کی رضامندی حاصل کرے۔

دوم۔ اپنی یونین کونسل کے چیئرمین سے اجازت لے۔

سوئم۔ ایک پنچایت کو جس میں چیئرمین اور اس کی اپنی بیوی یا بیوی کا نمائندہ شامل ہو مطمئن کرے کہ اس کے لئے ایک اور نکاح ضروری ہے اس دفعہ پر علماء کا تبصرہ یہ ہے:۔

''تعدد ازدواج کو اصلاً ایک برائی سمجھنا اور صرف ناگزیر حالات میں اس کی اجازت دینا ایک غیر اسلامی تخیل ہے۔ خود سرور کائنات سیدنا محمد ﷺ کی متعدد بیویاں تھیں ...... پھر نبی ﷺ کے چاروں خلفا بیشتر صحابہ اکثر آئمہ اہل بیت اور اسلامی تاریخ کے بیشتر اکابر جن پر مسلمانوں کو فخر ہے بیک وقت متعدد بیویاں رکھنے والے تھے۔ یہ پوری دفعہ منسوخ کر دینے کے قابل ہے کیونکہ قرآن، سنت اور فقہ اسلامی اس کے بنیادی تخیلات اور اس کے اصول وقواعد سے بالکل نا آشنا ہے۔ اس کی بجائے صرف ایک چیز اس دفعہ میں ہونی چاہئے اور وہ یہ کہ جو شخص ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی صورت میں ان کے درمیان عدل نہ کرے تو اس کے خلاف اس کی بیوی کو شکایت عدالت میں لے جانے کا حق ہوگا'' (ص۷۔۵)

اس تبصرے کو پڑھ کر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یا تو ان اصحاب نے کبھی قرآن دیکھا ہی نہیں

Marfat.com

اور یا ''تنقید'' پر عمل کر رہے ہیں۔قرآن نے تعدد ازدواج پر دو کڑی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں
جن کی تعمیل فرض ہے۔متعلقہ آیات ملاحظہ فرمایئے۔

واتوا یتامی اموالھم ولا تتبدلو الخبیث بالطیب ولا تأکلو اموالھم لی اموالکم انه کان حوباً کبیراہ وان خفتم الا تقسطو فی الیتامی فانکحو ماطاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع فان خفتم الا تعدلو فواحدہ او ملکت ایمانکم ذالك ادنی الا تعولوا۔ (نساء۔ ۲-۳)

ترجمہ کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیات بالا مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آئے دن حضور ﷺ اور صحابہ کرام کو کسی نہ کسی جنگ میں شامل ہونا پڑتا تھا۔ان لڑائیوں میں صحابہ کی ایک خاصی تعداد شہید ہو جاتی تھی۔حضور پر نور ﷺ، پرورش اور حفاظت کی خاطر شہدا کی اولاد کو باقی صحابہ کے سپرد کر دیتے تھے۔ان یتیموں میں بعض صاحب جائیداد ہوتے تھے۔گو صحابہ کرام انتہا درجہ کے دیانتدار تھے لیکن پھر بھی یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں یتیموں کے کھیتوں کا غلہ ان کے باغات کا پھل یا ان کے ریوڑ کی اون وغیرہ گھر کے دیگر افراد استعمال نہ کریں۔اس لئے اللہ نے فرمایا کہ اگر اس قسم کا خطرہ پیدا ہو جائے تو جوان یتیم لڑکیوں یا ان کی ماؤں سے نکاح کر لو۔تاکہ اپنے پرائے مال کی تمیز ہی باقی نہ رہے اور ان حالات میں چار شادیوں کی اجازت اس شرط پر دی کہ کسی بیوی سے ناانصافی نہ ہونے پائے۔تو گویا ایک سے زیادہ نکاح صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔

اول۔کہ یتیموں کے مال سے بے حسابی اور ناجائز تصرف کا خطرہ ہو۔

دوم۔کہ کسی بیوی سے ناانصافی کا کوئی خطرہ موجود نہ ہو۔میں ان پمفلٹ والے علماء سے

Marfat.com

پوچھتا ہوں کہ آپ میں سے بعض دوسرے یا تیسرے نکاح کی تقریبات میں کہیں نہ کہیں شامل ہوئے ہوں گے۔ کیا آپ نے دولہا میاں سے کبھی یہ پوچھنے کی تکلیف گوارا فرمائی کہ کیوں میاں صاحب! آپ کے تصرف میں کتنی یتیم لڑکیاں ہیں؟ ان کی جائیداد کتنی ہے؟ اور کیا آپ کو بے حسابی کا خطرہ ہے؟ اگرچہ ان نکاحوں میں ایسی کوئی صورت موجود نہیں بلکہ یہ شادیاں عموماً ناجائز عشق کا نتیجہ تھیں۔ جن میں پہلی بیوی سے عدل وانصاف کا ہلکا سا امکان بھی موجود نہیں تھا تو پھر آپ ایسی شادیوں میں کیوں شامل ہوئے، نکاح خواں کے فرائض کیوں سرانجام دیئے؟ اور ان نکاحوں کے جواز پر مہر تصدیق کیسے ثبت کی؟

آرڈیننس کی دفعہ زیر بحث سے نہ علماء کو اتفاق ہے اور نہ مجھے۔ علماء کو اس لئے اختلاف ہے کہ کثرت ازدواج پہ پابندیاں کیوں عائد کیں اور مجھے یہ اعتراض ہے کہ حکومت نے بنیادی پابندی کو نظر انداز کر دیا ہے اور جب تک اس میں...... مندرجہ ذیل کلاز کا اضافہ نہیں ہوگا یہ دفعہ قرآن کے مطابق نہیں بنے گی۔

کلاز۔ اگر کسی شخص کی سرپرستی میں صاحب جائیداد یتیم ہوں اور اسے ان کے مال میں بے حسابی اور ناجائز تصرف کا خطرہ لاحق ہو جائے تو ان سے چار کی حد تک اس شرط پر نکاح کر سکتا ہے کہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اگر اسے یہ خوف ہو کہ وہ سب سے یکساں سلوک نہیں کر سکے گا تو پھر اسے صرف ایک ہی شادی کی اجازت ہے۔

اب آیات بالا کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو اپنی ردی چیزوں سے ان کی اچھی چیزوں کا مبادلہ مت کرو اور ان کا مال اپنے مال سے ملا کر مت کھاؤ کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے اور اگر تمہیں یہ خطرہ لاحق ہو جائے کہ تم یتیموں کے ساتھ پورا انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر اپنی پسندیدہ لڑکیوں سے دو تین اور چار کی حد تک نکاح کرو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم سب سے یکساں سلوک نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح کی اجازت ہے یا پھر ان لونڈیوں سے نکاح کرو جو تمہارے قبضہ میں ہوں۔ یہ ہدایات کثرت عیال سے بچنے کے لئے مفید ہیں۔

Marfat.com

رہا حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل تو آپ کے لئے عرش سے ایک خصوصی آرڈیننس نافذ ہوا تھا جس کے تحت آپ کی تمام ازواج آپ پہ حلال کر دی گئی تھیں اور آئندہ کے لئے آپ کو مزید شادیوں سے روک دیا گیا تھا۔

یا ایھا النبی انا احللنا لك ازواجك التی اتیت اجورھن

(احزاب۔ ۵۰)

اے نبی! تم جن بیبیوں کا مہر ادا کر چکے ہو انہیں ہم تمہارے لئے جائز اور حلال قرار دیتے ہیں۔

لا یحل لك النسآء من بعد۔ (احزاب۔ ۵۲)

اس آیت کے نزول کے بعد تمہیں کسی اور نکاح کی اجازت نہیں۔

رہے صحابہ کرامؓ تابعین اور اکابر اسلام تو ان کا ہر عمل ہمارے لئے واجب التقلید نہیں۔ یہ لوگ معصوم نہیں تھے۔ ان سے لغزشیں سرزد ہوتی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں بعض صحابہ بھی شریک تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی خوفناک جنگ میں دونوں طرف صحابہ کی ایک کثیر تعداد شامل تھی اگر ان میں سے کسی نے کثرت ازواج کی قرآنی پابندیوں کو نظر انداز کر دیا تھا تو اس کا یہ عمل شرعی حجت نہیں بن سکتا۔

اگر کوئی شخص بیوی کے دائمی مرض یا بے اولادی یا شدت اختلاف کی وجہ سے دوسرے نکاح پر مجبور ہو جاتا ہے تو اس لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے اس کا مہر ادا کرے۔ اگر اس کے گزارے کی کوئی اور سبیل موجود نہیں تو نکاح ثانی تک اس کا خرچہ ادا کرے۔

مسئلہ طلاق

طلاق کا واجبی طریقہ یہ ہے کہ جونہی شوہر کے منہ سے طلاق کا لفظ نکلتا ہے ہمارا مفتی بیوی کو حرام قرار دے دیتا ہے اور اگر بعد میں شوہر نادم ہو جائے تو اسے حلالہ کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کا نکاح کسی اور سے کراؤ، ایک رات کے بعد اس سے طلاق لو اور دوبارہ نکاح کر لو۔ اس سلسلے میں علماء نے طلاق کی کئی قسمیں بنا رکھی ہیں مثلاً رجعی، بائن، مغلظ، جن کا نام و نشان تک قرآن میں

Marfat.com

موجود نہیں، قرآنی طلاق کی صورت صرف یہ ہے۔

والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثه قروء و بعولتھن احق بردھن ان ارادو اصلاحا۔ الطلاق مرتن فاسماك بمعروف او تسریح با احسان واذ طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعظلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضو بنھم بالمعروف۔

(بقرة ۲۸۸۔ ۲۳۲)

جن عورتوں کو طلاق مل گئی ہے وہ تین حیض (اندازاً تین ماہ) تک انتظار کریں۔ اس دوران میں اگر ان کے شوہر صلح کا ارادہ کرلیں تو وہ انہیں واپس لینے کا پورا حق رکھتے ہیں۔ طلاق دو مرتبہ ہو سکتی اس کے بعد یا تو بیوی کو ایک اچھے طریقے سے گھر میں رکھا جائے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔ جب مطلقہ عورتیں اپنی عدت ختم کرچکیں اور میاں بیوی صلح کرلیں تو ان کو اپنے شوہروں کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے سے مت روکو۔

ان ہدایات کی مزید تفصیل سورۂ طلاق میں ملتی ہے۔ مثلاً

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصو العدۃ والتقو اللہ ربکم لا تخیر جوھن من بیوتھن۔ فاذا بلغن فامسکوھن منکومن بمعروف اوفارقوھن بمعروف۔

(طلاق)

اے نبیؐ! جب آپ ازواج کو طلاق دیں تو عدت والی طلاق دیں اور عدت کو گنتے رہیں۔ اللہ سے ڈریں اور انہیں اپنے گھروں سے نہ نکالیں اور جب وہ اپنی عدت پوری کرچکیں تو اس کے بعد یا تو عمدہ طریقے سے انہیں اپنے ہاں رکھ لو اور یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کردو۔

Marfat.com

ان آیات سے واضح ہے کہ قرآن میں طلاق بے عدت کا نام ونشان تک موجود نہیں اور ہمارے علماء کا یہ حال ہے کہ شوہر کے منہ سے لفظ طلاق نکلتے ہی بیوی کو حرام کر کے باہر پھینک دیتے ہیں۔ علماء کی اس غیر قرآنی روش کا سد باب کرنے کے لئے حکومت نے آرڈیننس میں دفعہ ۷ کا اضافہ کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ کہ شوہر طلاق کی اطلاع چیئر مین کو دے۔

۲۔ عدت طلاق ۹۰ دن ہوگی۔

۳۔ اس مدت میں شوہر کو رجوع کا حق ہوگا۔

۴۔ اور چیئر مین اطلاع طلاق کے بعد میاں بیوی میں صلح کرانے کی کوشش کرے گا اس پر علماء کا تبصرہ کافی طویل ہے جس میں موٹی موٹی باتیں یہ ہیں۔

۱۔ ”یہ تمام شقیں قرآن کے صریح احکام سے ٹکراتی ہیں۔“ (ص ۸)

کیسے؟ کیا مسئلہ عدت غلط ہے؟ شوہر کا حق رجوع ناجائز ہے؟ یا چیئر مین کی سعی مصالحت کفر ہے؟ چیئر مین جب صلح کرائے گا تو لازماً ایک آدمی شوہر کی طرف سے بلائے گا اور دوسرا بیوی کے خاندان سے اور اس طرح (حکما من اهله و حکما من اهلها)

(میاں بیوی میں صلح کرانے کے لئے ایک نمائندہ شوہر کا ہو اور ایک بیوی کا)۔ کا منشا پورا ہو جائے گا۔

۲۔ یہاں شوہر کے حق طلاق کو کسی پنچایت یا عدالت کے سامنے پیش کرنے اور اس کا فیصلہ کرنے سے مقید کیا گیا ہے۔ (ص ۸)

کہاں مقید کیا گیا ہے؟ حق طلاق تو شوہر ہی کو حاصل ہے۔ اس نے صرف چیئر مین کو اطلاع دینا ہے اور چیئر مین کا کام صلح کرانا ہے، بس۔ یہ اقدام شریعت کے خلاف کیسے ہوا؟ رہا یہ کہ اگر شوہر نے طلاق کی اطلاع نہ دی تو اسے سزا ملے گی۔ یہ کلاز کس آیت کے خلاف ہے؟ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ چیئر مین کو اطلاع طلاق نہ دینا عین شریعت ہے۔

۲۔ ”اس دفعہ کی شق ۶ ایک اور فتنہ انگیز صورت پیدا کرتی ہے۔ اس میں یہ طے کیا گیا ہے

Marfat.com

کہ ہر وہ نکاح جو کسی مؤثر طلاق کے ذریعے سے ختم ہو چکا ہو اس کے فریقین دوبارہ باہم نکاح کر سکیں گے۔ بغیر اس کے عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے بعد طلاق پا چکی ہو۔ اس شق کا منشاء یہ ہے کہ بیک وقت دی ہوئی طلاقیں خواہ تین ہی کیوں نہ ہوں مغلظ نہیں ہوں گی اور عملاً ان کی تاثیر ایک ہی ہو گی۔ بلاشبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے...... اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ ان حنفی باشندوں کو اعتماد امام ابوحنیفہؒ اور مذہب حنفی کے ائمہ وفقہا کے علم وتقویٰ پر ہے۔ وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے۔" (ص ۱۰)

قرآن کہتا ہے کہ خاتمہ عدت پر میاں بیوی کو دوبارہ رشتہ نکاح میں منسلک ہونے سے مت روکو اور یہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ ایک فتنہ انگیز صورت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ زمانہ عدت تین حیض ہے اس عرصے میں جب چاہو رجوع کر لو اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ چیز حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی بات قرآن کے عین مطابق اور حنفی مذہب کے خلاف ہو تو اسے کفر و الحاد سمجھا جائے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ حنفی مذہب کیا چیز ہے؟ اس کی سند قرآن میں کہاں ہے؟

حضور پر نور نے کہاں فرمایا ہے؟ کہ جہاں امام ابوحنیفہؒ اور قرآن میں تصادم ہو جائے وہاں قرآن کو ٹھکرا دو؟ کیا اسلام کی بنیاد قرآنی وحی پہ ہے یا امام اعظم کی فقہ پر؟

دفعہ ۱۲

اس دفعہ کی رو سے لڑکی کی شادی کی عمر ۱۴ برس سے ۱۶ کر دی گئی ہے۔ جس پر علما کا تبصرہ یہ ہے۔

"ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صغیر سنی (چھوٹی عمر) کی شادی بالعموم ہمت افزائی کی مستحق نہیں اور جن علاقوں میں اس کا رواج قباحتیں پیدا کر رہا ہے وہاں اس کی اصلاح کی ضرورت ہے لیکن معاشرے کی ہر خرابی کا علاج لازماً جبر ہی نہیں ہے۔" (ص ۱۱)

جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ بچپن کی شادی بالعموم ہمت افزائی کی مستحق نہیں اور بعض

Marfat.com

علاقوں میں اس کا رواج قباحتیں پیدا کر رہا ہے تو پھر ایسے برے رواج کو سختی سے کیوں نہ روکا جائے۔ آپ فرمائیں گے کہ اس سختی کی سند قرآن سے لاؤ۔ جواباً یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ آئے دن اپنے بچے یا شاگرد کو کسی چھوٹی موٹی بات پہ پیٹ ڈالتے ہیں تو اس وقت قرآن کی کس آیت سے استناد کیا کرتے ہیں؟ بدی سختی سے ہی رک سکتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے حضور پرنور کو قرآن کے ساتھ تلوار بھی دی تھی اور یہ تلوار نمائشی نہیں تھی بلکہ باطل، تصورات، افکار اور رسومات کا سر قلم کرنے کے لئے تھی۔

علماء کا منصب

بے شک علماء کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کے غیر شرعی اعمال پہ نکتہ چینی کریں۔ اسے جادہ ہدایت سے منحرف نہ ہونے دیں۔ یہ ایک طرح کا مقدس جہاد ہے جو ہمیں ورثہ میں ملا ہے۔ لیکن تنقید کرتے وقت قرآن اور حنفی مذہب کی حدود تو متعین کر لیا کریں۔ پھر تنقید کا مقصد تخریب نہ ہو بلکہ تعمیر ہو۔ ملت پاکستان ایک نوجوان قوم ہے۔ یہ فرنگ کی صد سالہ غلامی سے ابھی ابھی نکلی ہے۔ ابھی اس کی کوئی کل سیدھی نہیں نہ اس کے فکر و نظر میں تازگی ہے نہ قلب و نگاہ میں پاکیزگی، اس کی تگ و دو معاشی وسائل تک محدود ہے اور یہ انسانیت کبریٰ کے مقامات سے محض بے خبر ہے اس لئے ہمارے علماء ایسی تنقید کی بجائے قوم کی اخلاقی و روحانی تعمیر پہ اپنی توجہ مرکوز کریں اور اگر سو میں سے صرف دس آدمیوں کا رشتہ اللہ سے جوڑنے میں کامیاب ہو جائیں تو ان کے اس احسان کو تاریخ فراموش نہیں کرے گی اور وہ اللہ سے اجر عظیم پائیں گے۔

Marfat.com

"اگر رسول خدا دوبارہ تشریف لائیں تو......"

محمد رضا شبیبی عراق کے ایک بلند پایہ مفکر، سیاست دان اور شاعر ہیں۔ کئی بار عراقی کابینہ میں وزیر تعلیم بھی رہے، چونکہ اللہ کو اسلام کی حیات ثانیہ منظور ہے اس لیے مشرق سے مغرب تک ایسے بیسیوں فلسفی، مفکر پیدا ہو گئے ہیں جو اسلامی نظام حیات کی برتری اور فرنگی تہذیب کی تباہ کاریوں پہ دھڑا دھڑ لکھ رہے ہیں، ان میں انڈونیشیا کے ڈاکٹر ناصر، شام کے ڈاکٹر دوالیبی، مصر کے شیخ ابو زہرہ، ڈاکٹر عبدالغنی حسن، مراکش کے عبداللہ کنوں اور عراق کے محمد رضا شبیبی بہت ممتاز ہیں۔ یہ سب کے سب ایک سی باتیں کر رہے ہیں۔

۱۔ کہ انسان کی نجات صرف اسلام میں ہے اور باقی تمام ازم محض ڈھکوسلے ہیں۔

۲۔ کہ یورپ کا تجویز کردہ وہ نظام تعلیم، اس کی تاریخ، اس کا ادب اور فلسفہ انسانیت کے لئے زہر قاتل ہے۔

۳۔ کہ صلیبی جنگیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ معاشی، تعلیمی، تہذیبی اور نظری میدانوں میں زیادہ شدت کے ساتھ جاری ہیں۔ اس جنگ کے ہتھیار یورپ کے مصور رسائل، اس کی فحش عریاں اور غلیظ فلمیں، اس کی لکھی ہوئی غلط خط تاریخ، اس کا گمراہ کن فلسفہ اور اخلاق سوز لٹریچر ہے۔ گو ۱۹۱۸ء میں سقوط شام کے وقت یورپی فوج کے سپہ سالار نے یہ اعلان کیا تھا کہ صلیبی جنگ آج ختم ہو گئی لیکن دراصل یہ ختم نہیں ہوئی، یورپ کا مقابلہ اسلامی روح سے ہے، جو کبھی ریف کے عبدالکریم، کبھی ترکی کے اتاترک کبھی پاکستان کے قائداعظم، کبھی مصر کے زاغلول اور کبھی الجزائر کے سرفروشوں کا روپ دھار لیتی ہے یہ روح پھر بیدار ہو رہی ہے اور جکارتہ سے قیرواں تک ایک ہی آواز بلند ہو رہی ہے۔

نہ بینی کہ از کاشغر تا بہ کاشاں　　ہماں یک نوا بالد از ہر دیارے
زچشم امم ریخت آں اشک نالے　　کہ تاثیر او گل دماند ز خارے
سرت گردم اے ساقی ماہ سیما　　بیار از نیاگان ما یادگارے

Marfat.com

بہ ساغر فروز یرآبے کہ جاں را فروز وچو نورے بسوز دچو نارے
شقائق بردیاں ژخاک نثر ندم بشت فرو چین بشت غباری
(اقبالؒ)

۴۔ کہ شراب ورقص قومی زندگی کی بنیادیں ہلا دیتے ہیں اور خدائی غضب کو یوں کھینچتے ہیں جیسے لوہے کو مقناطیس...... یورپ بیس سال کے عرصے میں دو مرتبہ خوفناک جنگوں کا شکار ہو چکا ہے۔ پہلی میں چھ کروڑ اور دوسری میں بارہ کروڑ افراد ہلاک یا زخمی ہوئے تھے۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۲ء تک ہر رات کئی کئی سو بار بم بار لندن، برمنگھم، لنکاشائر اور دیگر شہروں پہ جاتے ہزار ہاٹن وزن کے بم گراتے، بے شمار عمارات کو پیوند زمین بناتے لاتعداد نفوس کو موت کے گھاٹ اتارتے اور سینکڑوں مقامات پر آگ بھڑکا کر واپس چلے جاتے تھے۔

بغداد، دہلی، غرناطہ، قاہرہ اور سسلی میں یہی کچھ ہمارے ساتھ ہوا جب ہم ناونوش کے خوگر ہو گئے، عیاشی، اوباشی اور حرام کاری کو اپنا وطیرہ بنالیا تو اللہ کا قہر، ہلاکو، غازان، فرڈینان، راجر اور انگریز کی صورت میں ہم پر نازل ہوا۔ بغداد میں اٹھارہ لاکھ، سپین میں پچاس لاکھ، سسلی میں تین لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ ان کی تین کروڑ کتابیں جلادی گئیں اور ہندوستان میں مسلمانوں کو گدھوں اور کتوں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

بالآخر ہم دردمندوں کی دعائیں قبول ہوئیں، ۱۸۵۷ء کے شہیدوں کا خون رنگ لایا، کروڑوں مجاہدین آزادی کی مساعی کامیاب ہوئیں اور ہمیں آزادی مل گئی، ہماری سرزمین میں بہار آگئی حد نظر تک ہریاول لہرانے لگی۔ لیکن میری قوم کی بدبختی دیکھئے کہ ہر طرف شرابیوں، رقاصوں اور ٹیڈیوں کا ایک ٹڈی دل امنڈ پڑا ہے جو میری کھیتی کو چاٹ رہا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو گذشتہ چودہ صدیوں میں اسلام کو ۱۱۹ مرتبہ تخت سے اٹھا کر فرش پر پٹخ چکے ہیں انہی لوگوں نے ہلاکو اور انگریز سے ساز باز کی تھی انہوں نے ہی خدائی غضب کو بار بار پکارا تھا۔

شراب اور رقص کی تباہ کاریوں سے اقوام عالم چیخ اٹھی ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا امریکہ نے شراب نوشی بند کر دی تھی، جس روز یہ حکم نکلا کروڑوں شرابیوں نے میخانوں پر ہلہ بول دیا سب کچھ

Marfat.com

توڑ تاڑ ڈالا اور شراب کے مٹکے اٹھا لے گئے۔ پاکستان کو شراب پر پابندی لگانا ہی ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کب؟ آج ہزار میں صرف ایک شرابی ہے اور اس شر کو ختم کرنا آسان ہے۔ اگر کل یورپ کی طرح ہزار میں نوسو شرابی بن گئے تو پھر اس بدی کا استحصال ناممکن ہو جائے گا۔ سانپ کے بچے کو پال کر ایک زہریلا کوبرا بنانا عقل مندی نہیں۔

آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ سب سے پہلے صدر سویکارنو نے، پھر لبنان نے اور اب ویت نام نے رقص کو قانوناً ممنوع کر دیا ہے، پاکستان میں بھی انفرادی کوششیں ہو رہی ہیں۔ لاہور کے ڈپٹی کمشنر سید فرید اللہ شاہ سابقون الاولون میں سے ہیں جنہوں نے لاہور کے بیشتر ہوٹلوں میں ناچ ختم کر دیا ہے۔ انہوں نے قیام صلوٰۃ کے لئے بھی محلہ دار مجالس بنائی ہیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے، ابھی لاہور میں کچھ ایسے کلب موجود ہیں جہاں ہر شام شراب کے دور چلتے اور ناچ ہوتے ہیں۔ لاہور کے ایک کلب نے ۱۹۶۲ء میں پندرہ لاکھ روپے کی شراب فروخت کی تھی۔

رہی رضا شبیبی کی بات، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ رضا شبیبی عراق کے بلند پایہ شاعر، مفکر اور ادیب ہیں اور وہاں کے عیاش طبقے سے سخت نالاں ہیں۔ انہوں نے آج سے کچھ عرصہ پیشتر حضور پرنور ﷺ کے یوم ولادت پر ایک نظم پڑھی تھی جو ان کے مطبوعہ دیوان میں موجود ہے۔ اس کے چند اشعار کا خلاصہ حاضر ہے۔

اگر آج سرور کائنات عراق میں دوبارہ تشریف لائیں۔

۲۔ تو ان کے ساتھ عراقی وہی سلوک کریں جو کفار مکہ نے کیا تھا۔

۳۔ ہم اس پیغام کو چھوڑ چکے ہیں جو حضور ﷺ ابن آدم کی طرف سے لائے تھے اور آج ہم کسی طرح بھی کفار مکہ سے کم نہیں۔

۴۔ ہمیں دیکھ کر حضور ﷺ حیرت زدہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے۔

''جس راہ پہ تم چل رہے ہو، یہ میری راہ نہیں اور نہ یہ میرا مذہب ہے میں نے تو تمہیں توحید و وحدت کا درس دیا تھا لیکن تم باہم لڑ رہے ہو، میں نے تمہیں زندگی اور حرارت کی دولت دی تھی لیکن تم متعفن لاشیں بن چکے ہو، میں نے تمہیں شراب نوشی اور فحاشی سے روکا تھا لیکن تم نے

Marfat.com

......ان کو حلال بنا لیا ہے، میں نے تمہیں قیصر و کسریٰ کے تخت دیئے تھے لیکن آج تم بے طرح ذلیل و خوار ہو میں نے تمہیں کائنات کی خدمت کے لئے مامور کیا تھا، لیکن تم خواہشات، پیٹ اور شیطان کی پرستش کر رہے ہو، اے میری روح! یہ بستی تیری نہیں اور نہ یہ امت تیری ہے یہاں سے گزر جا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھ...... ملخص

یہ تھا عراق لیکن سوال یہ ہے کہ اگر سرور کائنات ﷺ کسی رات لاہور کے جم خانہ میں نزول جلال فرمائیں تو کیا ہو۔ کسی کالج میں نوجوانوں کی حالت دیکھ پائیں، مساجد کی ویرانی و بربادی ملاحظہ فرمائیں تو ان کے دل پر کیا گزرے۔

جنگ سر پہ آ گئی

امریکہ یا روس لڑیں یا نہ لڑیں پاکستان اور بھارت کی جنگ نہیں ٹل سکتی۔ بدعہد نہرو نے سیکورٹی کونسل کے سامنے اپنے تمام مواعید کی شکست کا اعلان کر دیا ہے۔ کشمیر کے ۵۰ لاکھ مسلمانوں کی زندگی موت سے بدتر بنا دی ہے بھارت کے پانچ کروڑ مسلمانوں سے رزق کے تمام وسائل چھین لئے ہیں۔ گذشتہ سولہ برس میں پانچ سو سے زیادہ خونی فسادات کرا چکا ہے اور مسلمانوں کو کارواں در کارواں پاکستان کی طرف دھکیل رہا ہے پاکستان اس صورت کو کب تک برداشت کریگا آج ہر پاکستانی نعل در آتش ہے۔ غیض و غضب سے لاوے کی طرح کھول رہا ہے اور ان بے اندازہ مظالم کا انتقام لینے کے لئے سر سے کفن باندھے ہوئے ہے۔ اس لئے یہ جنگ ناگزیر ہے اور میرا اندازہ یہ ہے کہ یہ اس قدر خونی ہولناک اور طوفانی ہوگی کہ عہد گذشتہ کے تمام ریکارڈ مات ہو جائیں گے۔

جنگ کا انجام

جنگ کا انجام کیا ہوگا؟ اس وقت کوئی پیشگوئی مشکل ہے حالات یہ ہیں کہ بھارت کی فوج اور اس کا اسلحہ ہم سے آٹھ گنا زیادہ ہے۔ اس کے ہاں اسلحہ کے بیس کارخانے شب روز چل رہے ہیں، ٹینک اور طیارے تک بن رہے ہیں۔ اس طرف واہ میں صرف ایک بے کار سا کارخانہ اور چند مانگے ہوئے ہتھیار۔ اس بے سروسامانی میں صرف ایک چیز ہمیں بچا سکتی ہے کہ ہم اہل بدر کی

Marfat.com

طرح اس قدر بلند اعمال اور خدا پرست بن جائیں کہ ہمارا رب غیبی امداد نازل کرنے پر مجبور ہو جائے یہ اس کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔

یہ آیات ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ تم بدر میں بالکل بے سروسامان تھے اور تعداد میں قلیل، ہم نے تمہاری مدد کی۔ اللہ سے ڈرو تا کہ اللہ تم کو نوازتا ہے اور تم شکریہ ادا کرتے رہو۔

اے رسول ﷺ! وہ وقت یاد کرو جب تم اپنی چھوٹی سے فوج سے پوچھ رہے تھے کہ اگر اللہ تمہاری مدد کے لئے تین ہزار فرشتے نازل کرے تو کیا یہ کافی ہوں گے؟ یاد رکھو کہ اگر میدان جنگ میں تم ثابت قدم رہے پاکیزگی کو اپنا شعار بنائے رکھا تو دشمن کتنے ہی جوش وخروش سے تم پر حملہ کرے تمہارا رب تمہیں بچائے گا اور پانچ ہزار وردی پوش فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا۔

(آل عمران۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴)

جنگ بدر میں مسلمان صرف ۳۱۳ تھے ان کی امداد تین ہزار (دس گنا) فرشتوں سے کی اور مزید دو ہزار (سات گنا) کا وعدہ فرمایا۔ مطلب یہ کہ اگر ہم صرف دو خوبیاں پیدا کر لیں، اول ثابت قدمی، دوم تقویٰ تو ہماری امداد کے لئے سترہ گناہ فوج آسمان سے آسکتی ہے۔ ہمارے مقدس اسلاف نے اس نسخے کو بارہ سو برس تک آٹھ سو میدانوں میں آزمایا اور ہر جگہ دشمن کی دس بیس، چالیس اور پچاس گنا فوج کو پیس کر رکھ دیا۔ آج جب کہ بھارت اور امریکہ جیسی مہیب طاقتوں سے مقابلہ ہے اور کسی زمینی طاقت سے ہمیں امداد کی کوئی امید نہیں تو ہمارا بچاؤ اسی میں ہے۔

۱۔ کہ اللہ کے سامنے جھک جائیں، صلوٰۃ قائم کریں۔

۲۔ اپنے اخلاق و اعمال کو پاکیزہ بنائیں۔

۳۔ جام وساغر توڑ ڈالیں اور عیاشی و اوباشی کا سلسلہ ختم کر دیں اگر یہ نہ ہوا تو روحانی قوت کے ذخائر نہ ہونے کی وجہ سے بھارتی درندے ہماری بستیوں میں داخل ہو جائیں گے اور تلوار کو اسی وقت نیام میں ڈالیں گے جب یہاں کے کروڑہا مسلمانوں کی لاشیں کتوں، بھیڑیوں اور گدھوں کی خوراک بن چکی ہونگی اور پیچھے صرف ہماری نوجوان

Marfat.com

بیٹیاں رہ جائیں گی جن سے درندے بدکاری کریں گے۔

شرابی اپنی قوم کا لہو پیتا ہے

شرابی قوم کا اخلاق بگاڑتا، خواتین کی آبرو لوٹتا اور غیرت وحمیت کا جنازہ نکالتا ہے وہ ملک و ملت کی خاطر کبھی نہیں لڑسکتا۔ مجھے ایک دوست نے جو جنگ کشمیر میں شامل تھا بتایا کہ وہاں ایک شرابی افسر بھی پہنچا۔ شام کو شراب پی کر لافیں ہانکتا رہا لیکن دوسری صبح جب محاذ جنگ پہ پہنچا اور پہلی توپ چلی تو بھاگ نکلا، خوف سے پتلون بھیگ گئی، جوتے راہ میں پھینک گیا اور ستر میل دور ایبٹ آباد میں جادم لیا۔ اگر ایک فوج میں سپاہی اور افسر سب شرابی ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ ملک کا دفاع کبھی نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شرابی قوم کا لہو پیتا ہے۔ یہ بات ایک اور پہلو سے بھی درست ہے کہ ایک چرواہا ایک بکری چار سال تک گرمی، سردی، بارشوں اور طوفانوں میں جنگلوں وادیوں اور پہاڑوں میں چراتا ہے بالآخر وہ ذبح ہوتی ہے اور اس کی کھال بیچ کر ہم صرف دو شلنگ زرمبادلہ کماتے ہیں۔ شراب کی ایک بوتل نوے شلنگ میں آتی ہے جسے دو شرابی ایک ہی شام کو پی جاتے ہیں۔ کبھی آپ نے سوچا کہ اس بوتل کے اجزاء کیا ہیں؟ پینتالیس بکریوں کا لہو، پینتالیس چرواہوں کا خون گرم، پسینہ اور دوڑ دھوپ غریب کی محنت کا یہ ناجائز استعمال اور غیر ملکی زر (جس سے ہم وسائل معاش وقوت خرید سکتے ہیں) کا یہ عیاشیانہ صرف ایک خوفناک قومی جرم ہے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس ایک بدوی قبیلہ کے چند سردار آکر کہنے لگے کہ حضور! ہمارے ہاں سردی بہت ہوتی ہے اس لئے ہم شراب نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دو۔ حضور پرنور کی یہ سخت گیری محض اس وجہ سے تھی کہ شراب اور اسلام کا اجتماع ناممکن ہے۔ اسلام معاشرے میں پاکیزگی، توازن غیرت جانفروشی، ایثار بے نفسی اور دیگر بلند اوصاف پیدا کرنا چاہتا ہے اور شراب ان تمام اوصاف کی دشمن ہے۔

بالآخر مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ اے میرے مقدس وطن کے پاک لوگو! اپنے مستقبل کا سوچو، اپنی بیٹیوں اور بہنوں پر رحم کھاؤ۔ اللہ کی پناہ میں آؤ اور جام ومینا توڑ دو کہ تمہاری نجات اسی میں ہے۔

Marfat.com

شیعہ سنی کو دعوت اتحاد و محبت

مغربی پاکستان

اس لحاظ سے خوش قسمت تھا کہ یہاں کوئی قوم موجود نہ تھی اور اسی لئے حکومت فرقہ وارانہ مسائل کی الجھنوں سے آزاد تھی۔ لیکن ہماری بدبختی دیکھئے کہ خود مسلمانوں میں پھوٹ پڑ رہی ہے اور شیعہ سنی اختلافات ایک خوفناک صورت اختیار کر رہے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر ہمارے ادیبوں، مدیروں، راہنماؤں اور دیگر بہی خواہان ملک وملت نے اس مسئلے کی طرف فوری توجہ نہ کی تو ہمارا وقار ختم ہو جائے گا۔ ہماری طاقت ٹوٹ جائے گی اور بھارت کے پچاس کروڑ افراد ہم پر قہقہے لگائیں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ شیعہ سنی کن چیزوں پر متفق ہیں اور اختلاف کہاں ہے؟ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے مجھے ان میں اتفاق بہت زیادہ اور اختلاف بہت کم نظر آتا ہے۔ دونوں کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک، قبلہ ایک، تہذیب ایک، معاشرت ایک، اہل بیت سے محبت دونوں کا ایمان یزید پہ لعنت بھیجنے میں دونوں ہم زبان، دونوں نے اسلامی کلچر کی پیش رفت میں نمایاں حصہ لیا۔ اگر فخر الرازی، ابن تیمیہ، ابن قیم، امام غزالی، اور ابن العربی جیسے ہزار ہا سنی علماء کے کارنامے قابل صد ستائش ہیں تو یقین جانیئے کہ شیعی فضلا کی ثقافتی کوششیں بھی اپنے بڑے بھائیوں سے کسی پہلو کم نہ تھیں علم عروض کے موجد خلیل ابن احمد، علم النحو کے واضع ابو الاسود دولی شیعہ تھے۔ جن شیعہ علماء نے علم الکلام کی تدوین وتوسیع میں حصہ لیا ان میں سے ابو ہاشم بن محمد بن حنیفہ، عیسیٰ بن روضہ، قیس الناصر، محمد بن علی احول، ہشام بن حکم، سکاک البغدادی، ابو مالک، ضحاک خضرمی، ہشام بن سالم اور یونس بن یعقوب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان الاحمر، ہشام بن محمد، محمد بن سائب، الکلبی اور محمد بن اسحاق مطلبی ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ مورخین میں بھی کافی تعداد شیعوں کی تھی مثلاً کتاب ''المحاسن'' کے مصنف احمد بن خالد ''الیعقوبی''

Marfat.com

کے مصنف احمد بن یعقوب "مروج الذہب" کے مصنف المسعودی "آداب السلطانیہ" کے مصنف محمد بن علی بن طباطبا، نیز نصیر بن مزاحم منقری، ابراہیم بن محمد بن سعد ثقفی اور دیگر سینکڑوں افاضل جنہیں یہاں درج کرنا باعث طوالت ہے۔

شعر و ادب میں بھی شیعہ سنیوں سے پیچھے نہ تھے۔ ناجتہ جعدی اور عروہ بن زید اپنے زمانے کے مشہور رجز گو تھے اور حضرت علیؓ کی طرف سے جنگ صفین میں شامل ہوئے تھے ان کے علاوہ ابوطفیل، عامر بن واثلہ، کعب بن زہیر، دربار اموی کا مشہور شاعر فرزوق اور تیسری صدی کے مشہور شعرا مثلاً ابونواس، ابوتمام، دعبل خزاعی، حسین بن ضحاک، ابن رومی، اشجع سلمی اور محمد بن وہب سب شیعہ تھے۔ اگر تیسری صدی سے لے کر آج تک شیعہ شعراء و ادبا کی فہرست مرتب کرنے لگیں تو شاید دس جلدوں میں بھی نہ سمائے مشہور شیعہ تاجداروں، سیاستدانوں اور وزیروں کی فہرست بھی کافی طویل ہے۔ مشہور البرامکہ یعنی خالد، یحییٰ، جعفر، فضل اور مامون الرشید کے دو مشہور وزیر فضل بن سہل اور حسن بن سہیل شیعہ تھے۔ مقتدر باللہ کا وزیر حسن بن علی رکن الدولہ دیلمی کا وزیر ذوالکفاتین اور صاحب بن عباد جیسے بلند پایہ مدبر بھی شیعہ تھے۔ گذشتہ زمانے کو چھوڑیئے اور عصر رواں کو دیکھئے۔ یہاں بھی آپ کو چند ایسے افراد ملیں گے جن میں سے کچھ عقیدۃً شیعہ تھے جسٹس امیر علی اور حضرت قائداعظمؒ اور بعض حضرت علیؓ کو اصحاب ثلثہ سے افضل سمجھتے تھے۔ مثلاً حکیم مشرق علامہ اقبال اور غالب۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے عظیم کارناموں پر شیعہ و سنی ہر دو کو ناز ہے اور جن کی تخلیقات دونوں فرقوں کی مشترکہ علمی و ثقافتی میراث ہے۔

جغرافیائی وحدت ایک زبردست رشتہ ہے جو مختلف مذاہب کے افراد کو ایک قوم بنا دیتا ہے۔ اسی طرح کا ایک اور رشتہ لسانی وحدت ہے۔ لیکن ان سب سے قوی تر مذہب کی حبل المتین ہے جو سفید و سیاہ اور ترکی و ایرانی کے تمام امتیازات مٹا دیتی ہے شیعہ و سنی میں صرف مذہبی وحدت ہی نہیں بلکہ نسلی ثقافتی اور معاشرتی وحدت بھی پائی جاتی ہے۔ حیرت ہے کہ واعظین کو یہ تمام وحدتیں نظر نہیں آتیں اور وہ گوشت کو ناخن سے جدا کرنے کے لئے مختلف قسم کے خیالی اختلافات تراشتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

اختلافات

بعض لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ شیعہ وسنی کا اختلاف اصولی ہے اور دونوں فرقے اسلام کے تمام اصولوں میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مجھے ان سے شدید اختلاف ہے۔ اسلام کے اصول کیا ہیں؟

یہی توحید، نبوت، آخرت، ملائکہ وغیرہ پر ایمان لانا، فرائض خمسہ یعنی صلوٰۃ وصوم وغیرہ کو ادا کرنا، گناہ سے بچنا اور صالحات پر عمل کرنا، اسلام کی اصولی تعلیم یہی ہے کوئی ایسا شیعہ یا سنی جوان میں سے کسی ایک چیز کا بھی منکر ہو؟ اگر کوئی نہیں تو پھر ان دونوں میں اصولی اختلاف کیسے ہوگیا۔

رہی یہ بات کہ شیعہ کی اذان سنیوں سے مختلف ہے یا وہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں اور ایسی ہی چند اور باتیں تو یہ سب اختلافات جزوی اور فروعی ہیں ان کا اصول عقائد واعمال سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ ''قرآن'' نے نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں بتایا اور نہ اذان کی صورت متعین کی ہے عبادت کا تعلق دل سے ہے اگر نمازی اللہ کے حضور میں گڑگڑانے اس کی رحمت ومغفرت طلب کرنے اور اپنی غلط کاریوں پر چند آنسو بہانے آتا ہے تو پھر ہاتھ چھوڑنے یا ناف وسینہ پہ باندھنے سے قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا اس قسم کے اختلافات تو خود سینوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ شافعی، امام مالک اور احمد بن حنبل کی فقہ اس قسم کے اختلافات سے لبریز ہے۔ کتنے ہی ایسے کلامی مسائل ہیں جن میں قتل وقتال اور کفر وتفسیق تک نوبت پہنچی۔ مثلاً ابن العربی کا مسئلہ وحدت الوجود، امام احمد بن حنبل کا نظریہ کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور امام ابن تیمیہ کا عقیدہ کہ خدا جسم رکھتا ہے اور عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور اسی قسم کے لاتعداد دیگر مسائل رسول کریم ﷺ کے عالم الغیب ہونے نہ ہونے پہ بحث آج بھی جاری ہے اور مردوں سے امداد طلب کرنے کا مسئلہ آج بھی وجہ پرخاش بنا ہوا ہے۔ جب ان نزاعی مسائل کے باوجود ایک عقیدہ کے سنی دوسرے عقیدہ کے سینوں کو ایک الگ مذہب کے پیرو نہیں سمجھتے تو پھر چند فروعی اختلافات کی بنا پر شیعوں کو کیوں الگ فرقہ خیال کیا جائے۔

اس سے انکار نہیں کہ شیعوں کا عقیدہ امامت ایک اصولی حیثیت رکھتا ہے ان کا ایمان ہے

Marfat.com

کہ امام کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور یہ کہ بارہویں امام حضرت مہدیؑ قیامت سے پہلے دوبارہ تشریف لائیں گے۔ یہ عقیدہ بھی وجہ اختلاف نہیں ہو سکتا۔ گو اہل سنت اس اصول کے قائل نہیں تاہم وہ ہر زمانے میں ان تمام آئمہ کا بے حد احترام کرتے رہے یہاں تک کہ امیہ اپنے سو سالہ جابرانہ دور حکومت اور عباسیہ اپنے پانچ سو برس کے طویل عرصے میں کسی سنی سیرت نگار سے ایک لفظ تک ان آئمہ کرام کے خلاف نہ لکھوا سکے۔ شیعہ انہیں عقیدتاً اور سنی علم و تقویٰ کی بنا پر اپنا سردار، راہنما، مرشد اور امام سمجھتے ہیں۔

رہے امام مہدیؑ تو ان کی دوبارہ آمد کی بشارت سے سنیوں کی تمام کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ اور دونوں نہایت بے چینی سے ان کے منتظر ہیں۔ اگر حضرت امام موسیٰ رضا کو اس زمانے کے بعض آدمیوں نے تسلیم نہیں کیا یا دکھ دیا تھا تو اس کی ذمہ داری آج کے سنیوں پر عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ آج کا سنی، خاندان نبوت کے ان شہزادوں سے اتنی ہی عقیدت و محبت رکھتا ہے جتنی کہ کوئی شیعہ۔ گو مسئلہ امامت ایک اصولی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس پر عملاً شیعہ و سنی دونوں متحد ہیں۔

اصحاب ثلثہ

جو مسئلہ آج ان دونوں فرقوں میں تلخی پیدا کر رہا ہے وہ اصحاب ثلثہ کا ہے۔ سنی ان اصحاب کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ لیکن شیعوں کا خیال یہ ہے۔

۱۔ کہ حضرت حضور اکرم ﷺ کے بعد خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا جس پر یہ حضرات زبردستی قابض ہو گئے۔

۲۔ کہ ان کے تعلقات حضرت علیؓ سے معاندانہ تھے۔

شق اول۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت پر حضرت علیؓ کا حق کیسے تھا؟

اس کے جواب میں شیعہ علماء حدیث ذیل پیش کرتے ہیں۔

کہ جب حضور ﷺ آخری حج سے لوٹے اور ایک مقام "خم غدیر" پر قیام فرمایا تو صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

یا مشعر المسلمین السنت اولی بکم من انفسکم قالو ابلی

Marfat.com

قال من کنت مولا فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ عاد من عاداہ۔

ترجمہ۔ اے مسلمانو! کیا تم مجھے اپنی جانوں سے زیادہ محبوب نہیں رکھتے؟ جواب ملا۔ ضرور۔ پھر فرمایا جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کا مولا ہے۔ اے اللہ! جو علیؓ سے محبت کرتا ہے تو بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔

علمائے شیعی کا استدلال یہ ہے کہ اس اعلان کی رو سے حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو نامزد کر دیا تھا اور یہاں مولیٰ کے معنی امیر سردار اور مالک کے ہیں۔ اس کے جواب میں سنی علماء یہ کہتے ہیں کہ ''مولیٰ'' بیس مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

مالک، سردار، آزاد کردہ غلام، انعام دینے والا، انعام پانے والا، محبت کرنے والا ساتھی، دوست، حلیف، پڑوسی، مہمان، حصہ دار بیٹا، چچے کا بیٹا بھانجا، چچا، داماد، رشتہ دار، والی، تابعدار۔ (قاموس۔ المنجد)

اور ہر جگہ اس کا مفہوم متعین کرنے کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے حدیث زیر بحث میں چار لفظ ایسے استعمال ہوئے ہیں یعنی اولیٰ، مولیٰ وال، والا جن کا مادہ یا ماخذ ''ولی'' ہے۔ ''اولیٰ'' یہاں محبوب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے وال کے معنی ''محبت کر'' اور والا کے معنی ''محبت'' کی۔ پس ''مولیٰ'' کے معنی بھی دوست اور محبوب ہی ہو سکتے ہیں اور حدیث کا ترجمہ یوں ہوگا۔

''..... میں جس کا محبوب ہوں، علیؓ بھی اس کا محبوب ہے۔''

علماء سنت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر رسول ﷺ نے واقعی حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کیا ہوتا تو وہ پیروان رسول ﷺ جو رسول ﷺ کے ایک اشارے پر سب کچھ لٹا دیتے تھے۔ رسول ﷺ کے اس اہم ارشاد کی بھی لازمی تعمیل کرتے اور حضرت صدیق ؓ کو کبھی مسند خلافت پہ نہ بیٹھنے دیتے۔ خود علیؓ اس ظلم پر اسی طرح تلوار سونت لیتے جس طرح حضرت امام حسینؓ نے یزید

Marfat.com

کے خلاف سونت لی تھی اور ان حضرات کو نہ تو مشوروں سے نوازتے اور نہ بیعت کرتے۔

اس موضوع پر خود امیر المومنین حضرت علیؓ کا قول فیصلہ کن ہے۔

فرماتے ہیں۔

انما الشوری للماجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل و صموہ اماما کان ذالک للہ رضی۔ (نہج البلاغت ج ۲ ص ۸)

شوریٰ مہاجرین وانصار کا حق ہے۔ اگر وہ کسی شخص کو متفقہ طور پر اپنا امام بنا لیں تو اللہ کی رضا بھی یہی ہوگی۔

یہاں یہ بھی سوچنا ہے کہ حضرت فاروق ؓ وصدیق ؓ نے مسند خلافت کو غصب کر کے کون سا فائدہ اٹھایا۔ کیا دنیا جمع کی جاگیریں سمیٹیں یا محل بنوائے؟ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی، وہی مٹی کے کچے جھونپڑے، سو سو پیوندوں والے کرتے رات بھر کے پہرے، بیواؤں، یتیموں اور غریبوں کی پرورش، جہاد، سلطنت اسلامی کی توسیع اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت دو خالی ہاتھ۔ حضرت علیؓ کے اپنے ارشاد کے مطابق مہاجرین وانصار نے ان حضرات کو اپنا سردار چن لیا تھا اور کچھ عرصے کے بعد حضرت علیؓ نے بھی بیعت کر کے اس جھگڑے کو ختم فرما دیا تھا۔ اگر فی الحقیقت حضور ﷺ نے حضرت حیدرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا ہوتا تو مہاجرین وانصار کی بہت بڑی جماعت خلافت صدیقؓ کی مزاحمت کرتی۔ آخر وہ لوگ زبردست ایمان وجرات کے مالک تھے۔ خدا اور رسول ﷺ کی محبت میں سرشار تھے۔ زندگی سے متنفر اور موت سے محبت کرنے والے تھے۔ لڑنا، مرنا، مارنا پشتوں سے چلا آتا تھا وصیت رسول ﷺ کی صریحا توہین ہو رہی ہو اور شمع نبوت کے یہ پروانے خاموش رہیں؟ عقل تسلیم نہیں کرتی۔ تیس برس بعد جب معاویہ نے غصب خلافت کی کوشش کی تو امیر المومنین حضرت علیؓ نے ذوالفقار سونت لی اور صفین کا میدان مددگاران معاویہ کے لہو سے رنگین کر دیا۔ بیس برس بعد جب انتخاب واستحقاق کے بغیر یزید مسند رسول پر قابض ہو گیا تو فاطمہ الزہرا کا لخت جگر سارے خاندان کو لے کر کربلا کی طرف چل دیا۔ خانوادہ رسالت کے اس غیور شہزادے نے سارا خاندان کٹا دیا۔ خود جسد مبارک پر چھیانوے زخم

Marfat.com

کھائے اور بالآخر سر دے دیا لیکن غاصب کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر حضرت صدیق ؓ بھی غاصب ہوتے تو فاتح خیبر یوں آسانی سے توہین رسالت کو برداشت نہ فرماتے۔ اگر اور کچھ نہ کر سکتے تو اپنے نور نظر کی طرح مدینہ کو کربلا میں بدل دیتے۔

ایک اور بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ خم غدیر والے خطبے کے بعد حضور ﷺ تین ماہ تک بقید حیات رہے۔ اگر من کنت مولا میں ''مولا'' سے مراد جانشین ہوتا تو حضور پر نور ﷺ اس کی تائید میں ایک آدھ جملہ تو ارشاد فرماتے لیکن تاریخ وحدیث کا سارا ذخیرہ اس قسم کے تائیدی جملے سے خالی ہے اور غالباً شیعی احادیث میں بھی کوئی ایسا مقولہ موجود نہیں۔ بات یہ ہے کہ ''امرھم شوریٰ بینھم'' (مسلمانوں کی حکومت باہمی مشورے سے طے ہوتا ہے) کی آیت نازل ہو چکی تھی اور حضور ﷺ نامزدگی کی ضرورت ہی محسوس نہیں فرماتے تھے۔ درست فرمایا تھا امیر المومنین حضرت علیؓ نے۔

''شوریٰ انصار و مہاجرین کا حق ہے وہ جس شخص کو بھی اپنا امام منتخب کر لیں اللہ کی رضا بھی اسی میں ہوگی......''

Marfat.com

خلفائے اربعہ کے باہمی تعلقات

اس میں کلام نہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی مسند نشینی کے وقت حضرت علیؓ کچھ دل برداشتہ سے ہو گئے تھے۔ آپ نے چند ماہ تک بیعت نہیں کی تھی اور اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں حضرت علیؓ کی علیحدگی اسلام کی آہنی دیوار میں کوئی شگاف نہ ڈال دے۔ ایک موقعہ پر حضرت فاروقؓ نے دھمکی سے بھی کام لیا لیکن تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس مختصر سی شکر رنجی کے بعد جو حضرت فاطمۃ الزہراہؓ کی رحلت کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی، پچیس برس تک ان حضرات کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار رہے اور خوشگوار کیوں نہ ہوتے کہ اسلام کی حبل المتین کے علاوہ قرابتوں کے بندھن میں بھی بندھے ہوئے تھے۔ صدیق ؓ و فاروقؓ حضور کے سسر تھے اور عثمانؓ و علیؓ داماد۔ حضرت صدیقؓ کی وفات کے بعد آپ کی ایک بیوہ اسماء بنت عمیس سے حضرت علیؓ نے شادی کر لی تھی اور حضرت علیؓ نے اپنی ایک بیٹی...... ام کلثوم جو حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے بطن سے تھی حضرت عمرؓ کو دیدی تھی۔ جب ایران فتح ہوا اور شہنشاہ ایران کی ایک دختر فاروق اعظمؓ کے سامنے لائی گئی تو آپ نے یہ شہزادی خاندان نبوت کے جلیل القدر شہزادے یعنی امام حسینؓ کو دے دی اور اس کا نام جہان شاہ سے شہر بانو رکھا۔ یہی وہ عظیم المرتبت خاتون ہے جس کے بطن سے امام زین العابدین پیدا ہوئے تھے۔

اگر یہ خلفاء غاصب ہوتے تو خاندان نبوت کا یہ بطل جلیل جس نے چند برس بعد اسی قسم کے تنازعے میں سارا خاندان کٹا دیا تھا، غاصبوں کے ہاتھ سے کوئی تحفہ کبھی قبول نہ کرتے پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے گھر کو باغیوں نے گھیر لیا اور پانی بند کر دیا تو خلیفہ کی امداد سب سے زیادہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے کی تھی۔

ہر دور میں مسلمان کو خاندان رسالت سے انتہائی عشق رہا۔ اس کے اظہار کی ایک صورت یہ بھی اختیار کی گئی کہ بچوں کے نام سادات کے نام پر رکھے گئے۔ ہمارے حسنوں، علویوں، محمدوں

Marfat.com

کو آج شمار کرنا مشکل ہے۔ لیکن ظالم اور غاصب یزید کا نام ساری ملت اسلامیہ میں شاید ہی پھر کسی نے رکھا ہو اگر اصحاب ثلثہ بھی غاصب ہوتے تو یزید و شمر کی طرح ان کے نام بھی صفحہ ہستی سے مٹ جاتے۔ لیکن سادات کے بعد دوسرے درجے کی مقبولیت ان ناموں کو حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے ایک صاحبزادے کا نام جو لیلیٰ بنت مسعود کے بطن سے تھا ابوبکر رکھا ایک اور بیٹے کا نام جو صیہ بنت ربیعہ سے تھا عمر رکھا، نیز ایک صاحبزادے کا نام جو ام البنین بنت خرم کے بطن سے تھے، عثمان تجویز فرمایا۔ اسی طرح امام حسنؓ کے ایک بیٹے کا نام ابوبکر اور دوسرے کا عمر تھا یہ دونوں معرکہ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ امام زین العابدین کے ایک بیٹے کا نام عمر تھا اور امام باقر کے ایک صاحبزادے سید قاسم کا عرف بھی عمر تھا۔ عام قاعدہ یہی ہے کہ ہم انہی بزرگوں کے نام اپنے بچوں کو دیتے ہیں جن سے ہم محبت کرتے ہوں یہ ایک واقعہ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اصحاب اربعہ کے باہمی تعلقات نہایت گہرے اور انتہا درجہ کے خوشگوار تھے۔

نہج البلاغہ میں جو حضرت علیؓ کے خطبات کا مجموعہ ہے متعدد ایسے واقعات درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب ثلثہ عموماً اور حضرت فاروقؓ خصوصاً تمام معاملات میں حضرت علیؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ جب حضرت فاروقؓ نے اسلامی افواج روم کی طرف بھیجیں تو فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ خود ساتھ جائیں یا نہ۔ حضرت علیؓ سے مشورہ لیا تو انہوں نے فرمایا۔

قلمرو اسلام کو غلبہ دشمن سے بچانے والا اور مسلمانوں کی آبرو کا ضامن و کفیل اللہ ہی ہے۔ اللہ نے انہیں اس وقت فتح دی جب ان کی تعداد نہایت قلیل تھی ...... اگر آپ خود ساتھ گئے اور ہلاک ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی ...... اگر آپ یہاں موجود ہوں گے تو مسلمانوں کی پناہ اور ڈھارس ثابت ہونگے۔ (نہج البلاغۃ ص ۳۲۵)

جنگ ایران کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے یہی مشورہ دیا تھا لیکن الفاظ یہ ہیں

کہ سردار کا مقام رشتہ مروارید کی طرح ہے جو تمام دانوں کو ایک نظام میں منسلک رکھتا ہے۔ اگر چہ رشتہ ٹوٹ جائے تو موتی بکھر کر دانہ دانہ ہو جاتے ہیں۔ (نہج البلاغۃ ۳۲۵)

Marfat.com

حضرت حیدر کرار کے یہی وہ زریں مشورے تھے جن کی افادیت کے پیش نظر کئی مرتبہ حضرت فاروقؓ نے فرمایا تھا۔ لولا علي لھلک عمر (اگر علی نہ ہوتے تو عمر تباہ ہو جاتا) اور وزیری و مشیری کا یہی وہ مقام تھا جس کے متعلق ایک مرتبہ جناب مرتضیٰ نے فرمایا تھا۔ (انا لکم وزیرا خیر لکم مني امیر) (نہج البلاغہ ص ۲۱۹)

میرا وزیر رہنا تمہارے لئے امیر ہونے سے بہتر ہے۔

مدح و قدح کا آغاز

حضرت علی کی شہادت کے بعد جب عنان حکومت معاویہ کے ہاتھوں میں آئی تو آپ نے حکما حضرت علیؓ پر محراب و منبر سے لعنت بھیجنے کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ محبان علی نے خلفائے ثلثہ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں خارجیوں کا گروہ پیدا ہو گیا جو حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں کو برا بھلا کہتا تھا خارجی ختم ہو گئے اور خاندان امیہ کے ساتھ ہی اہل بیت کے خلاف لعن طعن کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ لیکن بعض حلقوں میں قدح صحابہ کا سلسلہ ابھی تک باقی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر عشرہ محرم میں بہی خواہاں ملت کے لئے باعث تشویش بن جاتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس چیز کا ذمہ دار کون ہے جہاں تک عوام شیعہ کا تعلق ہے وہ امام باڑہ میں حضرت شہید اعظم کے پاکیزہ سوانح اور مرثیے سننے جاتے ہیں۔ انہیں کسی اور سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ تعلیم یافتہ شیعہ ردوقدح کو معیوب سمجھتے ہیں اور انہیں شدید احساس ہے کہ اس چیز کے نقصانات بے شمار ہیں۔ لیکن فائدہ کوئی نہیں۔ شیعوں کا بلند تر طبقہ ہر زمانے میں اصحاب ثلثہ کا مداح رہا۔ عصر حاضر کے روشن خیال عالم و مفکر جسٹس سید امیر علی کی کتاب ''ہسٹری آف سیریسیز''۔ ''صدیقؓ و فاروقؓ کی تعریف سے لبریز ہے خود حضرت علیؓ ان کے مداح رہے، حضرت علیؓ ایک خط میں امیر معاویہ کو کہتے ہیں۔

بایعني القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیه فلم یکن للشاھد ان یختار والا للغائب ان یرد
(نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۸)

Marfat.com

میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سے
بیعت کی تھی اور پھر اسی بات پر کی ہے جس پر ان کی بیعت ہوئی تھی پس
کسی حاضر یا غیب کو یہ بیعت مسترد کرنے کی اجازت نہیں۔

امیر المومنین کا یہ جملہ کہ انصار و مہاجرین نے میری بیعت اسی بات پر کی ہے جن پر خلفائے ثلثہ نے کی تھی۔ صاف صاف اعلان ہے اس حقیقت کا کہ حضرت علیؓ ان خلفاء کی خلافت اور بیعت کو اتنا ہی صحیح و جائز سمجھتے تھے جتنا کہ اپنی خلافت و بیعت کو۔

حضرت امام حسن عسکری کی تفسیر (ص ۱۳۱) میں حضور پرنور ﷺ کی ہجرت کا واقعہ یوں درج ہے۔

''جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ پہ نازل ہوئے اور کہا کہ ابوجہل اور چند قریش آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے آپ ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر روانہ ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے ابوبکرؓ سے پوچھا آپ نے عرض کی اگر آپ کی محبت میں عمر بھر عذاب اور دکھ پہنچتا رہے تو میرے لئے یہ دنیا کی شہنشاہی سے بہتر ہے یہ سن کر حضور نے فرمایا اللہ کو علم ہے کہ تیرا دل اور تیری زبان ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔

جعلك منی بمنزلته السمع والبصر والراس من الجسد و
بمنزلته الروح من البدن.

خدا نے تیرا تعلق مجھ سے وہی قائم کیا ہے جو کان، آنکھ اور سر کا جسم سے اور
روح کا بدن سے ہے۔...... ملخص

شیعوں کی ایک مستند کتاب تفسیر قمی (ص ۱۵۷) میں حضرت امام جعفرؒ کی یہ روایت درج ہے فرماتے ہیں۔

جب حضور غار ثور میں تھے تو ابوبکرؓ سے فرمایا کہ میں جعفر اور اس کے ساتھیوں کی کشتی کو دیکھ رہا ہوں جو دریا میں کھڑی ہے۔ نیز انصار مدینہ کو دیکھ رہا ہوں جو گھروں میں بیٹھے ہیں...... ابوبکرؓ نے کہا ''حضور مجھے بھی یہ منظر دکھایئے۔''

Marfat.com

"فمسح علی عینہ فراھم فقال لہ انت الصدیق"

''حضور ﷺ نے ابوبکرؓ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور انہیں بھی وہ سب کچھ نظر آ گیا۔ اور پھر فرمایا۔ ابوبکر تو صدیق ہے۔''...... ملخص

فروع کافی میں ایک طویل حدیث دی ہوئی ہے جس کے راوی امام جعفر صادق ہیں۔ اس میں حضرت ابوبکرؓ، ابوذرؓ اور سلمان فارسیؓ کا بھی ذکر ہے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا نام آتا ہے پھر حضرت سلمانؓ کا ذکر یوں شروع ہوتا ہے۔

"ثم من علمتم بعدہ فی فضلہ و زہدہ سلمان"

ابوبکرؓ کے بعد فضل و تقویٰ میں دوسرا درجہ حضرت سلمانؓ کا تھا۔ تینوں کا ذکر کرنے کے بعد امام صادق فرماتے ہیں۔

"ومن ازھد من ھوہ"

اور ان سے بڑا متقی کون ہو سکتا ہے؟

حضرت امام باقر کا ارشاد ہے۔

لست بمنکر فضل ابی بکر و لست بمنکر فضل عمرو لکن ابابکر افضل۔ (کتاب احتجاج ص ۲۰۴)

میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے فضائل کا منکر نہیں بلکہ یہ تو کہتا ہوں کہ ابوبکرؓ افضل تھے۔

شیعہ بھائیوں کی ایک اور معتبر کتاب ''کشف الغمہ'' میں یہ روایت درج ہے۔

''حضرت امام باقر سے کسی نے پوچھا کہ تلوار کو مرصع کرنے کی اجازت ہے یا نہیں'' اجازت ہے کیونکہ ابوبکر صدیق نے تلوار کو مرصع کیا تھا سائل نے کہا۔ ''کیا آپ ابوبکرؓ کو صدیق سمجھتے ہیں۔'' حضرت امام غصے میں اپنی جگہ سے اٹھے اور تین مرتبہ اچھا صدیق، اچھا صدیق (نعم الصدیق) کا فقرہ دہرایا اور آخر میں فرمایا۔

فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولہ ما فی الدنیا

Marfat.com

والاخرة

کہ جو شخص ابوبکرؓ کو صدیق نہ کہے، خدا اسے دنیا و آخرت میں جھوٹا کرے۔

''کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جبل حرا پہ کھڑے تھے کہ پہاڑ ہلنے لگا، حضور نے فرمایا ٹھہر جا کہ تجھ پر نبی ﷺ، صدیقؓ اور شہید کے علاوہ اور کوئی نہیں''

ملا باقر مجلسی نے امام باقر کی یہ روایت درج کی ہے۔

ان رسول الله صلعم قال اللهم اعزالا سلام بعمر بن الخطاب اوبابی جهل بن هشام.

''کہ حضور پر نور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کو مسلمان بنا کر اسلام کی عزت اور شان میں اضافہ کر۔''

(بحار الانوار ج ۱۴۔ کتاب السماء والعالم)

فروغ کافی کی تیسری جلد (ص ۱۵۱) پر واقعہ حدیبیہ کے متعلق لکھا ہے کہ جب حضور نے حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا اور کفار نے انہیں قید کر لیا تو حضور نے سب سے بیعت لی اور "ضرب باھدی یدیه علی زاخری لعثمان و قال المسلون طوبی لعثمان."

اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مار کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے اس پر تمام مسلمانوں نے کہا۔ عثمان کو بشارت۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ عثمانؓ کے ہاں کسی سفارش کے سلسلے میں گئے وہاں حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ہماری طرح حضور پر نور کی صحبت میں رہے ابوبکر و عمر آپ سے زیادہ متقی نہیں تھے پھر آپ حضور سے زیادہ قرابت رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ

قد خلت من صهره مالم ینالا

''کہ آپ کو داماد ہونے کی وہ عزت حاصل ہے۔ جو صدیق و فاروق کو حاصل نہ تھی۔'' (نہج البلاغت طبع مصر جلد اول ص ۳۷۳)

Marfat.com

ان روایات کے علاوہ شیعہ بھائیوں کی دیگر اہم کتابیں ان صحابہ کی مدح وثنا سے پُر ہیں۔

اگر ایک لحہ کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ میری درج کردہ روایات سب کی سب جعلی اور سنیوں کی وضع کردہ ہیں۔ پھر بھی عشرہ محرم میں اصحاب ثلثہ کے خلاف کچھ کہنا نہ تو قرآن کی بلند اخلاقی تعلیم کی رو سے جو بتوں کو بھی گالیاں دینے سے روکتی ہے جائز ہے اور نہ ہماری ملی وحدت کے لئے مفید ہے دنیا کے چالیس کروڑ سنی مسلمان خلفائے ثلاثہ کا بے حد احترام کرتے ہیں اور ان پر زبان طعن کھولنے سے چالیس کروڑ دل بے چین ہو جاتے ہیں۔

ہندوؤں کو دیکھئے کہ گائے کو ماتا سمجھتے ہیں اس کا دودھ اور کبھی کبھی پیشاب بھی پی جاتے ہیں۔ اس کے گوبر سے کچن کے صحن کو پوتر بناتے ہیں اس کی کھال کے جوتے پہنتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی من چلا گائے کی ہڈی ان کے مندر میں پھینک دے تو سارے گاؤں کے مسلمانوں کو زندہ جلا دیتے ہیں۔ گائے زندہ ہو تو ماتا اور معبود مر جائے تو پلید و مردود۔ یہ سب پراپیگنڈہ کی بوالعجیاں ہیں۔ شریمتی نانکی نے اپنے پتر ہری رام کو کہا۔ ''بیٹا گاؤ ماتا کی ہڈی اور ماس سے سارا گھر بھرشٹ ہو جاتا ہے اور یہ جملہ اتنی مرتبہ دھرایا گیا کہ یہ عقیدہ اس کا ایمان بن گیا۔ اب کوئی لاکھ کہے کہ لالہ جی پوری گائے گھر میں بندھی ہو تو باعث رحمت و برکت اور اگر اس کا کوئی حصہ چار دیواری میں آ گرے تو سارا گھر ناپاک۔ یہ کیا؟ لالہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

مسلمان مزدور اور راج ہندوؤں کے مکان تعمیر کرتے ہیں۔ مسلمان کسان انہیں غلہ دیتے ہیں جسے مسلمان مزدور مشینوں پر پیستے ہیں۔ کنواں مسلمان کھودتے ہیں، ہر چیز کو مسلمانوں کے ہاتھ لگتے ہیں اور کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ لیکن جونہی کوئی شریمتی اس کنویں کا پانی اس گھڑے میں بھر لیتی ہے جو نورے کمہار نے بنایا تھا اور پھر کوئی مسلمان اس گھڑے کو چھو لیتا ہے تو سارا محلہ سنتا ہے یہ سب پراپیگنڈہ کی کارستانیاں ہیں۔ ایک مرتبہ ایک احمدی دوست سے مرزا صاحب کی نبوت پر بحث ہو رہی تھی۔ اور میں مرزا صاحب کے اقوال پیش کر رہا تھا۔ جن میں انہوں نے اپنی نبوت کا انکار کیا تھا۔

وہ دوست زچ ہو کر کہنے لگے۔ بھائی! مرزا صاحب کی رسالت کا عقیدہ ماں کے دودھ

Marfat.com

کے ساتھ میرے رگ وریشہ میں داخل ہو چکا ہے۔اب اگر حضرت مرزا صاحب بھی قبر سے اٹھ کر کہیں کہ دیکھو! میں نبی نہیں ہوں تو میں انکار کر دوں گا۔

کسی حد تک یہی صورت مسئلہ، زیر بحث میں بھی پائی جاتی ہے۔ تیرہ سو برس سے شیعہ واعظین اس بات پر زور دے رہے ہے کہ خلفائے اربعہ کے تعلقات آپس میں خراب تھے اور اب تصورات یقیناً اختلاف کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔اب میں لاکھ کہوں کہ حضرت علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد اصحاب ثلثہ کے متعلق نہایت بلند رائے رکھتی تھی اور ان کا بہت احترام کرتی تھی تو شیعوں کے بلند طبقے کے سوا شاید ہی میری بات کی طرف کوئی دھیان دنے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ حضرات یہ تحریر پڑھتے ہی میرے ہمنوا بن جائیں۔ بلکہ صرف اتنی التماس کرتا ہوں کہ ازراہ کرم ملت اسلامیہ کی وحدت، پاکستان کے استحکام اور بلند اخلاقی کو مدنظر رکھتے ہوئے عشرہ محرم میں علی الاعلان اصحاب ثلاثہ کی توہین نہ کریں کہ اس سے آپ کے چالیس کروڑ بھائیوں کی دل آزاری ہوتی ہے اور اس دل آزاری سے بگڑتا بہت کچھ ہے سنورتا کچھ بھی نہیں۔ رہا چھوٹے موٹے عقائد کا اختلاف تو یہ چیز آفرینش آدم سے چلی آتی ہے اور قیامت تک چلتی جائے گی۔

میرا تعلق کسی کے عقائد سے نہیں۔آپ جو عقائد چاہیں رکھیں۔ میں تو صرف اتنی سی بات کہہ رہا ہوں کہ آیئے! حضرت شہید اعظم کی یاد کچھ اس طریقے سے منائیں کہ ہماری روح عمل بیدار ہو۔ ہمارے تعلقات مہر و ولا استوار ہوں اور ہم کندھے سے کندھا ملا کر ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر شاہراہ زندگی پر کچھ اس انداز سے آگے بڑھیں کہ ارض وسما پکار اٹھیں۔

یہ ہیں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

ایک کارتوس ایک ہی دفعہ چلتا ہے

یہ تھا وہ جملہ جو ایک نوجوان افسر کے منہ سے نکلا اور ساتھ ہی کہا ''اسلام کا کارتوس چل چکا ہے اور اب یہ بیکار ہو گیا ہے'' میں نے کہا ''جی ہاں۔ کنویں کے پانی سے صرف ایک ہی بار پیاس بجھتی ہے۔ اگر کوئی پیاسا اسی کنویں پر دوسری مرتبہ جائے تو کتنا ہی پانی پیئے اس کی پیاس دور نہیں ہوگی۔ کیونکہ کارتوس صرف ایک ہی دفعہ چلتا ہے'' دیکھا آپ نے ہمارے یورپ زدہ نوجوان اسلام سے بھاگنے کے لئے کیا کیا دلائل اختراع کر رہے ہیں۔

بات سیدھی ہے کہ انگریزی ادب پڑھنے، یورپی فلمیں دیکھنے اور بادہ وزن کا مزہ چکھنے کے بعد قدیم روایات، معاشرتی بندشیں اور مذہب زہر لگتا ہے۔ اس قسم کے نوجوان صرف یہ چاہتے ہیں کہ والد صاحب اپنی کمائی میں سے کم از کم سوا سو روپے ہر شام صاحبزادہ صاحب کو دے دیں۔ یہ ہمسائے کی بیٹی کو ساتھ لیں کسی ناچ گھر میں جا کر ساٹھ ستر کی شراب پئیں چالیس پچاس کا ڈنر کھائیں صبح کے تین بجے تک داد عیش دیں پھر گاتے لڑکھڑاتے اور بکواس کرتے ہوئے گھر کو چل دیں اور اگلے روز دن کے دو بجے تک بستر میں بے ہوش پڑے رہیں۔

اگر آپ کو اسلام کے مقدس اصول پسند نہیں تو چلئے ہم کچھ وقت کے لئے آپ ہی کی پیروی کر لیتے ہیں۔ کراچی میں نوجوانوں کی تعداد نو لاکھ کے قریب ہوگی انہیں شام گزارنے کے لیے نو لاکھ لڑکیاں اور شراب کی نو لاکھ بوتلیں چاہئیں، یہ کہاں سے آئیں گی، لڑکیوں میں کچھ زیادہ حسین ہوتی ہیں اور کچھ کم، حسیناؤں کے لئے جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔ سارے مرد شراب میں غٹ، جگہ جگہ چاقو زنی اور گولی چلنے کی واردات ہونگی اور ہر رات کراچی کی گلیاں خون سے سرخ ہو جائیں گی۔ اگر یہ نوجوان ہر شام کسی دوسرے کی بیٹی یا بہن سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں تو انہیں لازماً اپنی بہنیں کسی اور کے حوالے کرنی پڑیں گی۔ رفتہ رفتہ دیہاتی آبادیاں بھی متاثر ہونگی اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کنجرستان بن جائے گا۔

Marfat.com

اے پاکستان کے عیاشو! تمہاری حیوانیت کے منطقی نتائج یہی ہیں۔تم میرے وطن کی مقدس سرزمین میں فسق وفجور پھیلا رہے ہو۔میرے جاں بازوں کو بے غیرت، بزدل، شرابی اور گھوڑا بنا رہے ہو۔میری، محترم، باحیا اور باعصمت بیٹیوں کی توہین کر رہے ہو اسلام کی ناکامی کا اشتہار دے رہے ہو، انسانیت کو بہیمیت کی طرف واپس بلا رہے ہو اور دس کروڑ پاکستانیوں کی تباہی کا انتظام کر رہے ہو۔ یاد رکھو کہ اللہ جرم عیاشی کو کبھی معاف نہیں کرتا، عیاش لوگ نہ تو ملک کا دفاع کر سکتے ہیں، نہ وفادار ہوتے ہیں یہ صرف لال پری اور لال دوپٹے کے پرستار ہوتے ہیں، یہ چیزیں دشمن سے ملیں تو دشمن کے بن جاتے ہیں۔

آپ نے تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ جب مغلوں، رومیوں، بابلیوں، عباسیوں اور دیگر صدہا، قوم کا سفینہ غیرت وشجاعت مے ونشاط کے دریا میں ڈوب گیا تو خدائی غضب چنگیز، ہلاکو اور نلوہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ان کی آزادی ......عزت، شان وشوکت، دولت شراب کے خم اور بیٹیاں سب چھن گئیں، لاکھوں قتل ہو گئے اور باقی ماندہ سگان بازار سے بھی زیادہ ذلیل وخوار بن گئے۔

کیا آپ اس تاریخ کو پھر دہرانا چاہتے ہیں؟

ہمارا نوجوان کہتا ہے کہ اگر شراب ورقص وجہ تباہی ہوتے تو یورپ مدت سے تباہ ہو چکا ہوتا۔اسے کون سمجھائے کہ یورپ کے پاس اس زہر کے بیسیوں تریاق موجود ہیں۔ان کا بے پناہ حلم، محنت، تلاش، جستجو وطن کے لئے جذبہ سرفروشی، اتحاد وغیرہ، وہ خوبیاں ہیں کہ جب تک ان میں موجود رہیں گی وہ شاید شراب ورقص کے باوجود زندہ رہیں لیکن نوجوان پاکستان کے پاس کیا ہے؟ ایک اسلام تھا اس سے بھی بھاگ رہے ہیں۔اس بے سروسامانی کا نتیجہ لازماً شخصی تباہی اور ملی زوال ہوگا۔

بعض تعلیم یافتہ ایسے بھی ہیں جو شراب سے متنفر ہیں، عورت کا احترام کرتے ہیں اور اچھے خاصے جنٹلمین ہیں لیکن بایں ہمہ اسلام سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔کوئی پوچھے کہ آپ کو اسلام کی کون سی بات ناپسند ہے؟ اللہ سے رابطہ محبت؟ والدین کی تابعداری؟ اساتذہ کا ادب؟ امیر کی اطاعت؟ اتحاد واتفاق؟ تلاش علم؟ تسخیر کائنات؟ تن من کی پاکیزگی؟ مساوات

Marfat.com

انسانی؟ احترام قانون؟ عبادت؟ الٰہی صفات کا نام تو اسلام ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو نظام حیات سے نکال دیجئے۔

تو یہ دنیا جہنم بن جائے گی۔ فرض کیجئے کہ حکومت بد دیانتی کی اجازت دے دیتی ہے، ایک گھنٹے میں خزانہ خالی ہو جائیگا، بینک لٹ جائیں گے، بازار اجڑ جائیں گے اور آپ کی کوٹھی، جائیداد وغیرہ پر غنڈے قبضہ کرلیں گے۔

البتہ ایک چیز ایسی ہے جس کے متعلق ہمارے ننانوے فیصد طلبہ اساتذہ اور حکام کا خیال یہ ہے کہ اسے اسلام سے نکال دیا جائے اور وہ ہے عبادت یعنی صلوٰۃ۔ کوئی کہتا ہے کہ نماز بور کرتی ہے۔ آپ ہر روز صبح سردی میں جاگ کر جلدی جلدی دفتر جاتے ہیں، دن بھر گوشوارے بھرتے، جمع وتفریق کرتے اور ایک ہی انداز کی چٹھیاں لکھتے رہتے ہیں۔ ان چیزوں سے تو آپ بور نہیں ہوتے لیکن صرف دو منٹ کے لئے اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کو نور وہدایت طلب کریں، منزل پہ پہنچنے کی دعا مانگیں، آباؤ اجداد کی مغفرت اور ساری کائنات کے لئے خدائی فضل وکرم کی آرزو کریں تو بور ہو جاتے...... واہ رے نزاکت طبع۔

عبادت کے فوائد یہ ہیں۔

اول۔ کائنات میں کچھ خفیہ طاقتیں ہیں جو پھلوں کو رنگیں پھولوں کو شیریں، گھٹاؤں کو جمیل اور بہاروں کو حسین بناتی ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے۔ بہت اچھا! تو پھر ایک گدھا خود بخود انسان کیوں نہیں بن جاتا۔ تمہارے دادا جان مرنے کے بعد خود بخود زندہ کیوں نہ ہو گئے۔ کیکر کے ساتھ خود بخود آم کیوں نہیں لگتے۔ جواب ایک ہی ہے کہ آقائے کائنات کی مرضی کے بغیر ایک پتہ تک جنبش نہیں کرسکتا۔ اس کے تحت لاتعداد مخفی کارکن ہیں، جن میں سے کچھ آپ کی خدمت پر مامور ہیں یہ آپ کے دل کی مشین چلاتے، لہو کو رگوں میں پھراتے اور آپ کو حادثوں دکھوں اور پریشانیوں سے بچاتے ہیں۔ اگر ایک آدمی عبادت کو ترک کر دے تو ان میں سے کچھ واپس بلا لئے جاتے ہیں اور انسان بار بار امراض وآلام کا شکار ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

دوم۔ عبادت سے مزاج میں نرمی، رفتار میں متانت اور کردار میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ انسان کی عظمت اسی پاکیزگی میں ہے۔

سوم۔ ایک معبود کے آگے سر جھکانے سے دیگر بیسیوں خداوں سے نجات مل جاتی ہے، ایک عابد کی غیرت یہ کبھی گوارہ نہیں کرسکتی کہ وہ اپنے سر کو جو ہر روز اللہ کے سامنے جھکتا ہے کسی اور کے سامنے خم کرے روح کی یہی وہ حریت ہے جو شخصیت کو بالیدگی عطا کرتی ہے۔

چہارم۔ عبادت سے چہرہ حسین بن جاتا ہے اور خدوخال میں ملاحت و دلکشی آجاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو اپنے مسجد کے امام یا کسی اور عابد کا چہرہ دیکھئے اور پھر آئینے میں اپنی شکل ملاحظہ فرمایئے۔ عبادت کی یہی وہ چمک تھی جس نے اسلام کو بحرالکاہل کے بعید ترین جزائر تک پہنچا دیا تھا۔ دنیا ہمارے عبادت گزار تاجروں سپہ سالاروں اور حاکموں کے حسین چہروں کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھتی تھی کہ یہ روشنی جھوٹے کے چہرے پر نہیں ہو سکتی۔

پنجم۔ عبادت سے شخصیت میں مقناطیسیت پیدا ہوتی ہے۔ بشرطیکہ زندگی گناہ سے پاک ہو اور کبھی کبھی یہ عالم ہو جاتا ہے کہ موت کے بعد دنیا عابد کے مزار پر صدیوں عقیدت کے پھول برساتی رہتی ہے۔ حضرت شکر گنج، داتا اجمیری اور باہو رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر جایئے اور لاکھوں پروانہ صفت عقیدت مندوں کا طواف دیکھئے۔ اگر وہاں کوئی شمع نہیں جل رہی تو یہ پروانے کیسے آگئے؟ یہ کشش اور کروڑوں دلوں پہ یہ حکومت صرف عبادت کا نتیجہ ہے۔

ششم۔ ساری دنیا سکون و قرار کی تلاش میں ہے یہ اگر دولت میں ہوتا تو...... دولت مند تمام افکار سے آزاد ہوتے۔ لیکن حقیقت اس کے الٹ ہے یہ سلطنت میں ہوتا تو تمام سلاطین چین کی نیند سوتے۔ لیکن شاہوں کے نصیب میں چین کہاں، یہ نعمت صرف ایک مقام سے ملتی ہے اور وہ ہے عبادت۔ اللہ کا پجاری فکر سود و زیاں سے بلند ہو جاتا ہے، وہ ہر واقعہ کو اللہ کی مشیت سمجھتا ہے اور اس لئے ہر حال میں خوش رہتا ہے۔

Marfat.com

ہفتم۔ عبادت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں، کامیابیوں کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور کائنات کی تمام خفیہ طاقتیں مددگار بن جاتی ہیں جنگ بدر میں چھ تلواریں ہزار تلواروں سے کیسے جیت گئیں۔ نہاوند، قادسیہ، صلیبی جنگوں اور دیگر آٹھ سو میدانوں میں چھوٹے چھوٹے بے سروساماں لشکروں نے اپنے سے بیس، تیس اور پچاس گنا زیادہ افواج کو کیسے شکست دی۔ جواب ہے روحانی قوت جو عبادت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ہم اس قوت سے محروم ہو گئے تو ہر میدان میں پٹنے لگے اور اب تو یہ عالم ہے کہ امریکہ، برطانیہ اور بھارت ہمیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔

مادی قوت ہمارے پاس ہے نہیں۔ اگر روحانی طاقت بھی پیدا نہ کی تو پندرہ کروڑ اسلامیان پاک وہند حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ الحاد و دہریت کے رجحان کو روکے، شراب خانوں کو بند کرے، مادی قوت کو بڑھائے اور ساتھ ہی روحانی قوت کو تخلیق کے لئے تمام سیکرٹریوں، کمشنروں، پروفیسروں، طالبعلموں اور دیگر ملازمین کو ادائے نماز کا حکم دے۔ اگر یہ نہ کیا تو کل ساری قوم کو لادینی عیاشی اور خدا سے دوری کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ آسودہ حال طبقے کی عیاشی کیا ہے؟ غریب کی محنت سے حاصل کردہ دولت کا نہایت وحشیانہ و بہیمانہ استعمال، یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ نے آج تک معاف نہیں کیا اور نہ آئندہ کریگا۔ یقین نہ آئے تو تاریخ اقوام پڑھیے یا الہامی صحائف اٹھا کر دیکھئے، آپ کو ہر جگہ یہ بات لکھی ملے گی۔

شمشیر وسناں اول طاؤس و رباب آخر

Marfat.com

کیا!

غربی پاکستان میں اردو ایک اجنبی زبان ہے؟

کچھ عرصے کا ذکر ہے کہ لاہور میں علاقائی زبانوں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی، اس میں جو تقاریر ہوئی تھیں ان کا ماحصل یہ تھا۔ کہ زبان سے اقوام نہیں بنا کرتیں کہ کئی ممالک میں ایک سے زیادہ قومی زبانیں ہیں، اس لئے پنجابی پشتو اور سندھی کو بھی قومی زبانیں قرار دیا جائے۔ پھر مندوبین کا عام رجحان یہ تھا کہ غربی پاکستان میں اردو ایک اجنبی زبان ہے۔

ہمیں مندوبین کی اس بات سے تو کامل اتفاق ہے کہ اقوام زبانوں سے نہیں بنتیں لیکن ان کا یہ مطالبہ کہ پنجابی، پشتو اور سندھی کو بھی قومی زبانوں کا درجہ دیا جائے اور یہ دعویٰ کہ یہاں اردو ایک اجنبی زبان ہے، محل نظر ہیں۔

اردو کی حیثیت

کیا اردو غربی پاکستان میں ایک اجنبی زبان ہے؟ اگر ہے تو وہ اجنبی لوگ کون تھے؟ کیا یہ زبان آریوں یونانیوں یا انگریزوں کے ساتھ یہاں آئی تھی؟ کیا یہ فرانسیسی یا پرتگالی تاجروں کے صندوقوں سے نکلی تھی؟ اگر یہ بات نہیں۔ بلکہ یہ زبان فارسی اور پنجابی کے اختلاط کا نتیجہ تھی تو پھر اجنبی کیسے ہوئی؟ فارسی بولنے والے مسلمان (اور مسلمان کسی خطہ زمین میں ہو لا الہ کی حبل متین سے یوں بندھے ہوئے ہیں کہ غیرت و اجنبیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اور پنجابی (یہاں پنجابی سے مراد زبان پنجاب ہے ممکن ہے اس زمانے میں اس کا ہندی نام کچھ اور ہو) بولنے والے اہل پنجاب، تو پھر اردو ایک بیگانہ زبان کیوں کر ہوئی؟

تاریخی حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ آج سے کئی سو برس پہلے وسطی و شمالی ہند کی زبان تقریباً ایک ہی تھی۔ یعنی

Marfat.com

ہندی لیکن مختلف علاقوں میں اس کے نام جدا جدا تھے۔ یہ پنجاب میں پنجابی، قنوج کے قریب انتربیدی، گوالیار کے شمال مشرق میں سیکٹرواری، بھرت پور کے جنوب میں ڈانگی اور نینی تال میں بھکسا کہلاتی تھی، پنجابی کو امیر خسرو، لاہوری اور ابوالفضل ملتانی کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ زبان، جو دریائے چناب کے مغربی علاقہ میں لہندا (پنجابی میں آج بھی مغرب کو لہندا کہتے ہیں) کہلاتی تھی۔ پانچ دریاؤں کے درمیان محصور نہ تھی بلکہ مشرق میں دریائے گھگر اور مغرب میں پشاور تک پھیلی ہوئی تھی۔ آج سے ہزاروں برس پہلے فارسی سے اسی زبان کا رابطہ قائم ہوا تھا۔

ہر دور میں لاہور پنجاب کا مرکزی شہر تصور ہوتا رہا۔ محمود غزنوی یہاں آیا تو اس نے اسی شہر کو پایہ تخت قرار دیا۔ غزنویوں کی زبان فارسی تھی وہ یہاں ایک سوستر برس رہے۔ اس طویل عرصہ میں پنجابی اور فارسی کے ہزارہا الفاظ باہم غلط ملط ہوئے۔ حکومتی، تجارتی اور معاشرتی کاروبار چلانے کے لئے غزنویوں نے پنجابی الفاظ اور پنجابیوں نے فارسی الفاظ ایک دوسرے سے لئے اور اس طرح دو صدیوں میں ایک نئی زبان کا ڈھانچہ تیار ہو گیا اور یہی زبان بعد میں اردو کہلانے لگی۔ آغاز میں اس پر پنجابی رنگ و روغن زیادہ نمایاں تھا۔ یہی زبان جب بعد میں دہلی اور دکن پہنچی تو پنجابی الفاظ تراکیب اور فعال و اسماء ساتھ لے گئی۔ وہاں ہندی کی ایک ایسی شاخ سے رابطہ پیدا ہوا جو پنجابی سے قدرے مختلف تھی۔ اس لئے وہاں اردو کی ہیئت میں تبدیلی آنے لگی اور تین چار صدیوں کے بعد اس پنجابی سے قدرے مختلف ہو گئی جو پنجاب میں بولی جاتی تھی۔

کیا آپ آج اردو کو محض اس اختلاف اور تبدیلی ہیئت کی وجہ سے اجنبی کہنے لگے ہیں؟ مختلف ماحول میں یہ تبدیلی ہو کر رہتی ہے۔ اگر ہمارے گھر کا کوئی آدمی کاروبار کے لئے برما جائے، وہیں کا لباس اور طرز معاشرت اختیار کرے تو کیا اس تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے اجنبی قرار دیں گے؟ ہر سال ہزارہا نوجوان ولایت جاتے ہیں واپس آتے ہیں تو لباس کے ساتھ عادات و اطوار بلکہ زندگی کے متعلق نقطہ نگاہ تک بدلا ہوا ہوتا ہے تو کیا ہم ان سب کو اجنبی قرار دیں؟ ایسی تبدیلیاں تو ہر گھر میں آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ فرض کیجئے زید کے تین بیٹے ہیں ایک ان پڑھ، دوسرا سی۔ ایس۔ پی اور تیسرا کسی مسجد میں امام ہے۔ ان تینوں کے لباس، ہیئت، چال ڈھال اور

Marfat.com

نقطہ نگاہ میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔

اختلاف ماحول کی وجہ سے یہ تبدیلیاں پودوں، پرندوں اور دیگر جانوروں میں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یقین نہ آئے تو چڑیا گھر میں پچاس رنگ کے طوطے، کسی جھیل میں مختلف قسم کی مرغابیاں اور باغوں میں بارہ رنگ کے گلاب دیکھئے۔ گلاب گلاب ہے خواہ وہ پیلا ہو یا سرخ، طوطا طوطا ہے خواہ وہ سبز ہو یا نارنجی، آم آم ہے خواہ وہ مالدہ ہو یا لنگڑا اور پنجابی پنجابی ہے خواہ دہلی والے اسے اردو کہیں یا ریختہ۔

اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ اردو کی ابتدائی صورت پنجاب میں تیار ہوئی تھی۔ بعد میں جب ہزاروں لاکھوں پنجابی دہلی کی طرف تجارت کی خاطر یا حملہ آوروں کے لشکر میں شامل ہو گئے تو نئے ماحول میں ان کی زبان بدلنے لگی اور بالآخر وہ دہلی میں میر و غالب کی زبان بن گئی۔

پنجابی دہلی میں

ضروری نہیں کہ ہر واقعہ کا ذکر تاریخ میں موجود ہو۔ تاریخ میں سبھی آئے کہ کوئی لکھے۔ محمود غزنوی کے بعد کتنے ہزار یا لاکھ پنجابی دہلی کی طرف گئے۔ ہمیں معلوم نہیں، نہ تاریخ کو علم ہے۔ البتہ چند متفرق واقعات کا ذکر ملتا ہے۔

اول۔ جب نمک حرام خسرو نے خلجیوں کے خلاف غداری کی اور تخت دہلی پر قابض ہو گیا تو غیاث الدین تغلق پنجابیوں کا لشکر لے کر دہلی کی طرف بڑھا ۷۲۰ھ۔ ۱۳۲۰ء میں دہلی پہ قابض ہو گیا اور ان پنجابیوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہیں آباد ہو گئی۔

دوم۔ خضر خان تیمور کی طرف سے ملتان کا گورنر تھا۔ اس نے ۸۱۶ھ۔ ۱۴۱۴ء میں ساٹھ ہزار پنجابی سپاہیوں کے ساتھ دہلی پہ چڑھائی کی اور دولت خاں لودھی کو شکست دی۔ اس لشکر کے بیشتر افراد دہلی ہی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

بیرونی حملہ آور پنجاب میں سے گزر کر دہلی پہنچے تھے۔ وہ ساری فوج گھر سے ساتھ نہیں لائے تھے بلکہ منزل بمنزل کہیں جہاد کا نعرہ لگا کر اور کہیں مال غنیمت کا لالچ دے کر تیار کرتے تھے جب بابر فرغانہ سے نکلا تو اس کے ساتھ تین چار جاں نثار تھے۔ کابل میں پہنچ کر یہ پچیس بن

Marfat.com

گئے اور پنجاب میں کئی ہزار۔ یہی وہ پنجابی تھے جو تلوار کے ساتھ ابتدائی اردو بھی ہمراہ لے گئے۔ یوں کہیے کہ اردو ہمارے آباؤ اجداد کی زبان تھی جس پر ہزار برس تک تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ دہلی میں اس کا نام اردو پڑ گیا اور لاہور میں پنجابی کہلانے لگی۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی اس لئے اردو ہماری زبان ہے۔ ہمارے آبا کی میراث ہے اور اسے اجنبی کہنا کسی طرح بھی روا نہیں۔

اردو اور پنجابی کا اشتراک

پنجابی اور اردو میں کئی طرح سے اشتراک ہے۔

اول۔ ان کے نوے فیصد الفاظ مشترک ہیں۔ پنجابی کے کسی جملے کو لیجیے۔ حروف اضافت یعنی دی۔ دا۔ کو۔ کی۔ کا سے افعال کے دا۔ ندا۔ کوتا سے بدل دیجیے۔ چند اور چھوٹی موٹی تبدیلیاں کر دیجیے۔ اور وہ اردو جملہ بن جائے گا۔ مثلاً

پنجابی	اردو
ا۔ مزدوری کرنا اس دا پیشہ اے	ا۔ مزدوری کرنا اس کا پیشہ ہے
۲۔ اوہ گھوڑے تے سوار اے	۲۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے
۳۔ خدا تینوں پچھے	۳۔ خدا تم سے پوچھے
۴۔ کرسی ادھر چک لے آ	۴۔ کرسی اِدھر اٹھا لاؤ
۵۔ میں نماز پڑھ کے تے دوھ چو کے آواں گا	۵۔ میں نماز پڑھ کر اور دودھ دوھ کر آؤں گا

بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آغاز میں پنجابی حروف اضافت بھی۔ کا، کے، کی تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دیہاتی لوگ اپنی بستیوں کے نام مرید کے اور سادھو کی نہ رکھتے بلکہ کے کی جگہ دے استعمال کرتے۔ پنجاب میں اس شکل کے درجنوں نام ملتے ہیں۔ مثلاً پتوکی، مدوکی، رحیم کی چوڑی چیچو کی ملیاں وغیرہ۔ پھر ہمارے ہاں میکے (ماں کے گھر) پیکے (پے یعنی باپ کے گھر) نانکے (نانا کے گھر) دادکے (دادا کے گھر) کی اصطلاحات عام استعمال ہوتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کا، کے، کی اردو سے مخصوص تھے تو اہل پنجاب نے ان کا استعمال اس فیاضی سے کیوں اور کیسے کیا؟ کیا ان دیہاتیوں نے اپنی بستیوں کے نام دہلی سے منگوائے تھے؟

Marfat.com

سوم۔اردو پنجابی کی صرف نحو ایک۔افعال کی گردان ایک

پنجابی	اردو
ا۔اوہ کردااے۔اوہ کردے ہن	ا۔وہ کرتا ہے۔وہ کرتے ہیں
۲۔تو کرداایں۔تسی کردے او	۲۔تو کرتا ہے۔تم کرتے ہو
۳۔میں کرواہاں۔اسی کردے ہاں	۳۔میں کرتا ہوں۔ہم کرتے ہیں

چہارم۔تذکیر و تانیث کا قاعدہ ایک

مذکر	اردو مونث	پنجابی مونث
اونٹ	اونٹنی	اونٹنی
فقیر	فقیرنی	فقیرنی
نٹ	نٹنی	نٹنی
ڈوم	ڈومنی	ڈومنی
زمیندار	زمیندارنی	زمیندارنی
مغل	مغلانی	مغلانی
کبوتر	کبوتری	کبوتری
گھوڑا	گھوڑی	گھوڑی
بیل	گائے	گاں
دنبہ	بھیڑ	بھڈ۔بھیڑ
میراثی	میراثن	میراثن
تیلی	تیلن	تیلن
جوگی	جوگن	جوگن

پنجم۔دونوں زبانوں کے اسمائے صفات کے آخر الف آتا ہے۔

Marfat.com

پنجابی	اردو
لمبا۔لما	لمبا
اچا	اونچا
چنگا	اچھا
ڈنگا۔ونگا	ٹیڑھا

کہاں تک بیان کروں۔گریمر کا کوئی پہلو لیجئے آپ کو دونوں زبانوں میں تقریباً مکمل اتحاد ملے گا۔

ہندی، اردو، پنجابی

اردو ادب کے بعض مورخین کہتے ہیں کہ اردو اس بھاشا سے تعمیر ہوئی جو دہلی کے گرد و نواح میں بولی جاتی تھی، اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بھاشا نے اردو کو بڑی حد تک متاثر کیا لیکن یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہے کہ اردو کا ابتدائی ہیولیٰ ان دو صدیوں میں تیار ہوا تھا جب غزنوی پنجاب میں سربر آرا تھے باوجودیکہ اس ابتدائی اردو پر بھاشا آٹھ سو برس تک اثرانداز رہی پھر بھی آج اردو بھاشا کی نسبت پنجابی سے قریب تر ہے۔

بھاشا	پنجابی	اردو
کانگی	کنگھی	کنگھی
کال	کل	کل
ماٹی	مٹی	مٹی
پاکنا	پکنا	پکنا
پانسلی	پسلی	پسلی
چاکی	چکی	چکی
پاتھر	پتھر	پتھر
پاچھے	پیچھے	پیچھے

Marfat.com

گھنٹی	گھنٹی	گھانٹی
سچ	سچ	ساچ۔ سانچ
کچا	کچا	کاچا
مچھر	مچھر	ماچھر
مکھی	مکھی	ماکھی
کھیل	کھیل	کھیال
بےکل	بےکل	بیاکل

ترقی یافتہ صورت

موجودہ اردو پرانی پنجابی کی ترقی یافتہ صورت ہے یہ ارتقا ہر زبان میں مسلسل جاری رہتا ہے۔ایک زمانہ تھا کہ اردو شعرا سے کوسیں یاسوں اور کوکوں باندھتے تھے۔یہ صورت ذوق سلیم پہ گراں تھی چنانچہ رفتہ رفتہ یہ الفاظ غائب ہو گئے۔ذوق سلیم ضرورت اختصار اور تقاضہ فصاحت و بلاغت وہ عوامل ہیں جو زبان کی قطع و برید میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں اور ان سے کسی طرح مفر نہیں۔ابتدائی اردو میں یہ عوامل صدیوں کارفرما ہے لیکن اردو اور پنجابی میں کوئی ناقابل عبور خلیج حائل نہ کر سکے۔آج یہ کہنا غلط ہو گا کہ اردو ایک اجنبی زبان ہے۔ بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ موجودہ اردو قدیم پنجابی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔

اگر پیوند لگانے سے معمولی آم مالدہ یا قلمی بن جاتا ہے تو کیا یہ مالدہ اپنے باغ میں ایک اجنبی پھل تصور ہو گا؟ زبان کا یہ اختلاف تو ہمارے گھروں میں بھی نظر آتا ہے۔فرض کیجئے کہ ایک بھائی مورخ ہے تو اس کی زبان میں بونا پارٹ، بسمارک، پلاسی، ٹیپو، قادسیہ، واٹر لو جیسی اصطلاحات کی بھرمار ہو گی۔دوسرا ریاضی دان ہے تو وہ مثلث، مربع، زاویہ، عمود اور قطر کی رٹ لگائے گا۔تیسرا فلسفی و منطقی ہے تو صغریٰ، کبریٰ، ممکن، محال عرض اور واجب کی گردان کریگا اور ان کا ان پڑھ بھائی کسی ایک کی بھی بات نہیں سمجھ سکے گا۔تو کیا ان تعلیم یافتہ بھائیوں کی ترقی یافتہ زبان کو ہم اجنبی کہیں گے؟ یہی بات اردو کے ساتھ ہوئی۔کہ اسے شبلی، حالی، سرسید، اکبر، سرشار، شرر، جگر،

Marfat.com

جوش اور اقبال جیسے ہزاروں علمائ شعراء، فلسفی، مؤرخ، محدث، مفسر اور ادیب مل گئے اور اس کا دامن علمی اصطلات، شستہ الفاظ وترکیب اور چست محاورات سے بھر گیا اور دوسری طرف پنجابی کو وارث شاہ کے سوا اور کام کا آدمی نہ ملا اور وہ جٹ کی سی زبان بن کر رہ گئی۔

ابتدائی اردو کا سفر دہلی ودکن کی طرف

محمد غوری ۱۱۶۷ء میں داخل ہند ہوا پہلے سندھ اور ملتان پر قبضہ کیا ۱۱۸۶ء میں لاہور سے غزنویوں کو نکالا اور ۱۱۹۴ء میں گوالیار، بندھیل کھنڈ، بہار اور بنگالہ کو مسخر کیا ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور پنجاب ہی سے گزرا۔ ۱۵۲۶ء میں بابر کی گزرگاہ بھی یہی تھی اور ۱۵۵۴ء میں ہمایوں بھی یہیں سے ہو کر دہلی کی طرف بڑھا تھا۔ ان کشور کشاؤں کے ہمراہ پنجاب کے ہزارہا سپاہی اور درجنوں اہل علم تھے جو اردو کا ابتدائی ہیولا ساتھ لئے دہلی پہنچے تھے۔ خسرو اور خضر خاں کے لشکر کشی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دکن میں سب سے پہلے خلجی پہنچے اور پھر تغلق ۱۳۵۱ء میں محمد تغلق نے دولت آباد کو اپنا دارالخلافہ بنالیا اور دہلی سے ساری فوج، حکام، امرا، شعراوغیرہ کو دکن میں بلالیا۔

اس اختلاط کا اثر یہ ہوا کہ وہ پنجابی نما اردو جو دہلی میں پروان چڑھ رہی تھی دکن میں بھی جڑ پکڑنے لگی۔ اس ابتدائی زبان کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں پنجابی اسماء وافعال کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں۔

مثلاً:۔ خسرو دہلوی ۱۳۲۵ء میں پیدا ہوئے تھے خلجیوں اور تغلقوں کا زمانہ تھا۔ خسرو ضلع ایٹہ (ممالک متحدہ آگرہ واودھ) میں پیدا ہوئے۔ وہ پنجاب کی زبان سے ناآشنا تھے لیکن باایں ہمہ ان کی شاعری میں کہیں کہیں ٹھیٹھ پنجابی الفاظ بھی ملتے ہیں جس کی توجیہہ یہی ہوسکتی ہے کہ ابتدائی حملہ آوروں کے ہمراہ پنجابی فوج بھی تھی۔ یہ الفاظ خسرو تک پہنچے اور اس نے کہیں کہیں اشعار میں استعمال کئے۔ مثلاً

من کہ برسر نمی نہادم گل
بار برسر نہاد گفتا جل

Marfat.com

اے دہلی والے بتان سادہ
پگ بستہ و چیرہ کج نہادہ

ہندی گویند خرمارا کھجور
داکھ راتو فارسی میدان انگور

۲۔ اسی زمانے میں شیخ فریدالدین گنج شکرؒ (م1226ء) پنجاب میں نظر آتے ہیں۔ جن کا کچھ پنجابی وار اردو کلام محفوظ ہے۔ پنجابی کلام کا نمونہ۔

آپ جاواں کہ قاصد گھلاں دلبر یار دے ولے
دے ہن دید او دلبرا اساں دکھ لکھاں سر جھلے
ہجر تیرے وچ صبر نہ ملیا لکھ لکھ کتے تلے
یار فرید، اوہ ملن سجن نوں صبر جنھاں دے پلے

میں دلبر ول سجدے کردی، لوگ جاون ول مکے
لوگ تاں تکدے عید دے چن نوں چن ماہی ول تکے
یار مرے دے دور ٹھکانے پہنچ کوئی نہ سکے
یار فریدا اوہی پہنچے صدق جنھاں دے پکے

یہ زبان اردو کے اتنی قریب ہے کہ اگر چند الفاظ مثلاً گھلاں، ول، تکے، اساں، لیتے، ملن، نوں، جنھاں وغیرہ کو اردو میں بدل دیا جائے تو یہی اشعار اردو اشعار بن سکتے ہیں۔

حضرت بابا فریدؒ اس دور کی اردو میں بھی اشعار کہتے تھے نمونہ یہ ہے۔

وقت سحر وقت مناجات ہے خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن تنہا چہ روی زیں زمیں نیک عمل کن کہ یہی سات ہے

۳۔ بابا فریدؒ کا ذکر تو ضمناً آ گیا ہے۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ آغاز میں دہلی کے شعرا اور ادبا پنجابی

Marfat.com

الفاظ استعمال کرنے پر مجبور تھے کیونکہ ان کے پاس ابتدائی اردو ہزار ہا پنجابی الفاظ کے ہمراہ پہنچی تھی۔ یہ الفاظ کئی سو برس تک دہلی میں رائج رہے۔ میر تقی (۱۷۸۳ئ) اور سودا، خسرو سے چار سو برس بعد آئے تھے لیکن ان کے ہاں بھی کہیں کہیں پنجابی الفاظ ملتے ہیں میر تقی میر کا شعر ہے۔

ابر اٹھا تھا کعبہ سے اور جھوم پڑا میخانے پر
بادہ کشوں کا جھرمٹ ہیگا شیشے اور پیمانے پر

ہیگا خالص لاہوری پنجابی کا ہے۔ اسی طرح سودا (م ۱۷۸۱ئ) کے کلام میں بھی جا بجا پنجابی ساخت کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ مثلاً

خاک وخوں میں صورتیں کیا کیا نہ ملیاں ویکھیاں
اے فلک باتیں تیری کوئی نہ بھلیاں ویکھیاں
وہ رہا دست تاسف کے تئیں ملتا ہوا
جس نے وہ آنکھیں خمار آلود ملیاں ویکھیاں

۴۔ محمد افضل جھنجھانوی، میر و سودا سے ڈیڑھ سو برس پہلے کا آدمی ہے۔ میرٹھ کے قریب ایک قصبہ جھنجھانا میں پیدا ہوا۔ ۱۶۲۲ء میں وفات ہوئی۔ اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کا زمانہ پایا۔ اس کا کلام میر و سودا کی نسبت پنجابی کے زیادہ قریب ہے مثلاً

بہت مدت ہوئی آون نہ کہتا ۔۔۔ نہ کاگت ہی کسی کو لکھ نہ دیتا
ارے آساں نہ جانوں عشق کرناں ۔۔۔ تمن اس آگ میں ہرگز نہ سڑناں
جنوں در ملک جاں جھنڈا گڈایا ۔۔۔ سمجھ اور بوجھ کا تھانہ اٹھایا
چہ بینم کہ منگل گاوتی ہیں ۔۔۔ مرے گھر ناریاں سب آوتی ہیں

(بارہ ماسہ)

۵۔ جعفر زٹلی، جو عالمگیر کے سال جلوس (۱۶۵۹ئ) میں پیدا ہوا تھا کے اردو کلام کا نمونہ دیکھیے۔ زٹلی، جھنجھانوی کا قریب العصر تھا۔

Marfat.com

نہ ہو سکھ سیج راحت میں سدا رہ محو طاعت میں
اجل بھی ہیگی ساعت میں کہ آخر خاک ہو جانا

لنگتی باندھتے پاگاں، محل میں رنگ اور راگاں
وہاں ہیں بیٹھتے کاگاں کہ آخر خاک ہو جانا
لذت کا کھاوے تے کھانا پہنے ریشمی بانا
انہوں کو موت نے بھانا کہ آخر خاک ہو جانا

۶۔ ابراہیم فاروقی پندرہویں صدی عیسوی کا ایک مصنف ہے جس کی تصنیف شرف نامہ میں منگ، گانگلو، گڈی، کت جیسے درجنوں پنجابی الفاظ موجود ہیں۔ یہی سال اسی کے معاصر ضیاءالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی کا ہے۔

دکن کی اردو

گو دکن پنجاب سے اندازاً دو ہزار میل دور ہے اور دہلی بہت قریب۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ دہلوی شعراء کی نسبت دکنی شعراء کا کلام پنجابی کے زیادہ قریب ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ دہلی میں اردو برج بھاشا سے جو پنجابی سے بہت ملتی جلتی تھی فوراً متاثر ہوئی اور تیزی سے بدلنے لگی۔ لیکن دکن کے ارد گرد کوئی ایسی زبان موجود نہ تھی جو اردو، بھاشا یا پنجابی سے مماثل ہوتی اور قصر اردو کی تعمیر میں اینٹ گارے کا کام دیتی۔ اس لئے جس شکل میں یہی مدتوں استعمال ہوتی رہی، تبدیلیاں تو ہوتی ہیں لیکن دہلوی اردو کی نسبت بہت کم، نمونہ ملاحظہ ہو۔

ا۔ دکن کے قدیم ترین اردو مصنف خواجہ گیسو دراز (م ۱۴۲۲ ای) ہیں۔ اپنی تصنیف معراج العاشقین میں پنجابی سواب سی بن چکا ہے (اسی نے آنا سی جانا سی) کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

''......آنکھ سوں غیر نہ دیکھنا ہو۔ غفلت کے کان سوں غیر نہ سننا ہو۔ وسواس کے تک سوں بد بوئی نہ لیتا سو۔''

۲۔ محمد قلی قطب شاہ (۱۶۱۱ئ)

Marfat.com

کہو رات کن سات کیتی ہیں باتیں
کہ چوتا ہے تم میں سے رنگ خماری

پیا یوں حضرت کے ہت آب کوثر

۳۔ احمد دکنی محمد قلی شاہ کا درباری شاعر

جو بندیاں تے نا ہوے گنہ کا ظہور
تو کس وہات ہوئے نام تیرا غفور

مجھے لوگ کہتے کہ دے سٹ دے پرت
پرت چھوڑ دینی کسے ہے سکت

۴۔ سراج دکنی (م ۱۷۶۷ئ)

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخہ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جیوں دھری تھی یونہی دھری رہی

۵۔ امین دکنی (م ۱۶۹۸ئ)

توں اول پی پچھوں دیدے امین کو
امین پی کے بھلا دے سب غمیں کو

نبی جا کے انہوں انے غرض کیتی
بڑائی رب نے تم کو آج دیتی

جو کچھ تم نے لیا سو ہم نے لیتا
جو کچھ تم نے کیا سو ہم نے کیتا
حقیقت سب تیری میں تجھ کوں آکھی

۶۔ مولانا نصرتی (م ۱۶۸۲ئ) صاحب معراج نامہ

Marfat.com

مضامین سوں جا بجا بات تول
دکھایا سکت فیض کا حق کے بول

یلک فن میں کی سحر کی بہت چھند
خیشا کی جیساں کو کیتا ہوں بند

۷۔ ولی دکنی (م ۱۷۴۴ئ) ابھی جو خالص اردو غزل کے باوا آدم سمجھے جاتے ہیں، کہیں کہیں پنجابی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

کیا ہے زہر کا تاثیر اس میں
نہ چلسی کچھ مرا تدبیر اس میں

کروں کیا وقت نئیں ہے اب ملن کا
نہ کچھ فرصت ہے اب باتاں کرن کا

Marfat.com

کیا پشتو، سندھی اور پنجابی قومی زبانیں بن سکتی ہیں؟

کسی زبان کی اہمیت کا اندازہ اس کے لٹریچر سے لگایا جاتا ہے۔ پشتو ارتقاء کے ابتدائی مدارج طے کر رہی ہے۔ اس کے پاس خوشحال خاں، بابا رحمان کا کلام اور چند دیگر متفرق کتابیں ہیں وبس، سندھی ادب سے تو میں آگاہ نہیں البتہ پنجابی ادب کے طول وعرض سے ہر کوئی باخبر ہے۔ ہیر وارث شاہ، سوہنی مہینوال، سسی پنوں، پکی روٹی، نور نامہ، کچھ کافیاں وغیرہ کچھ غیر اہم سے مذہبی رسائل، بس یہ ہے پنجابی ادب کی کل کائنات۔

کسی زبان کے سیکھنے کا مقصد اس زبان کے علوم تک رسائی ہے۔ زبان ایک کلید ہے جس سے اس زبان کے علمی خزانے کھولے جاتے ہیں۔ اگر کسی خزانے کو کھولنے کے بعد اس سے دس بیس گلی سڑی کتابیں نکلیں تو اس تکلیف فرمائی کا فائدہ؟ انگریزی میں تقریباً اڑھائی کروڑ کتابیں ہیں۔ عربی میں بھی اس کے لگ بھگ۔ فارسی میں دس لاکھ اور اردو میں تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت، فلسفہ، شعر، ادب، موسیقی، افسانہ، فلسفہ، ریاضی، لغات، صرف ونحو، عروض ودیگر شعبہ ہائے علم پر اندازاً چھ لاکھ کتابیں موجود ہیں جن کی تالیف وتصنیف پر پانچ سو برس لگے اور ہزاروں اہل قلم نے اس کار خیر میں حصہ لیا۔ ایسی عظیم الشان زبان کو چھوڑ کر پنجابی اور پشتو جیسی مفلس زبانوں کو قومی زبان بنانا اور تمام قوم کو ہیر، سسی پنوں اور خوشحال خاں کی چند نظمیں پڑھنے پر لگا دینا اپنا ہی خسارہ ہے کسی اور قوم کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔

یہی وہ فلسفہ ہے جس کے تحت پاکستانیوں کو اس وقت انگریزی پڑھنی ہوگی جب تک کہ اردو تمام علوم وفنون میں خود مکتفی نہ ہو جائے۔

اس وقت انگریزی ہماری دفتری زبان بھی ہے اور یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم بھی، انگریزی کی ان حیثیتوں کو جلد ختم کرنا ہماری حکومتوں کا فرض ہے۔ رہا اسے بطور ایک لازمی مضمون کے

Marfat.com

پڑھانا تو یہ سلسلہ ابھی جاری رہنا چاہیے۔

اردو پڑھنے میں کوئی دقّت نہیں

اردو اور پنجابی کے حروف ہجا ایک، نوے فیصد الفاظ مشترک، صرف کا، دا اور چند اسماء کا فرق۔ پنجابی پڑھنا گویا اردو سیکھنا ہے۔ پھر اردو کراچی سے پشاور تک بلا تکلف بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ پشتون اردو کو پشتو پہ ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پشاور، مردان، نوشہرہ اور کوہاٹ کے سکولوں، کالجوں، دفتروں، عدالتوں بلکہ بازاروں تک میں لاکھوں آدمی اردو بولتے نظر آتے ہیں۔ کراچی سندھ کا دارالخلافہ تھا لیکن آج وہاں ہر شخص اردو میں گفتگو کر رہا ہے۔ یہی حال حیدر آباد سندھ کا ہے۔

ایک اور پہلو

اس مسئلے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اردو کا خمیر پنجابی، ہندی، فارسی اور عربی سے تیار ہوا ہے۔ فارسی اور عربی کی ہزارہا تلمیحات، جو قدیم واقعات، پرانی تہذیبوں اور سبق آموز داستانوں کی یاد دلاتی ہیں آج اردو میں موجود ہیں۔ مثلاً برق طور، شعلہ ایمن، نار ابراہیم، سلمیٰ، لیلیٰ، بلقیس، سلیمان وغیرہ، علاوہ ازیں فارسی، عربی کے لاکھوں مترنم الفاظ، متبسم تراکیب اور دل کش تشبیہات ہمارے ادب کا حصہ ہیں۔ جن کی رنگینی سے ہمارے ابوکلاموں، ظفر علیوں، شبلیوں اور حالیوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ اگر فارسی وعربی کے رنگین وعظیم الفاظ کا یہ ذخیرہ ان ادیبوں کے پاس نہ ہوتا تو ان کا قلم کبھی نہال گلبار نہ بن سکتا۔ پنجابی زبان کے خمیر میں یہ نقص ہے کہ اس کے بودے، کرخت اور پھُس پھُسے الفاظ سے رنگین نثر تیار ہو ہی نہیں سکتی۔ بعض لوگوں نے قافیہ، ردیف اور تخیل کے بل پر پنجابی میں چند اچھی نظمیں ضرور لکھی ہیں لیکن گذشتہ ہزار برس میں اس زبان نے نہ کوئی ابو الکلام پیدا کیا، نہ ظفر علی، پنجابی ادیبوں کا رجحان یہ ہے کہ وہ فارسی وعربی الفاظ سے بچتے ہیں اور مقامی بولیوں سے کرخت نامانوس الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔ ان کا یہی رجحان پنجابی نثر کو سلیس و رواں نہیں بننے دیتا۔ میری مادری زبان پنجابی ہے لیکن یقین مانیے کہ میں آج تک کسی

Marfat.com

پنجابی تحریر کا ایک صفحہ تک پڑھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

پنجابی ادیبوں میں بڑے بڑے نقائص دو ہیں۔

اول۔ کہ وہ عربی فارسی الفاظ سے بھاگتے ہیں۔

دوم۔ کہ واہگہ پار کی سکھی پنجابی کی تقلید کرتے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ جو پنجابی، ہم لاہور سے پشاور تک بولتے ہیں وہ ان کی تحریرات میں مفقود ہوتی ہے اور اسی لئے عوام کو پڑھنے اور سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اگر چند پنجابی عوام کو آپ ایک اردو کہانی سنائیں اور دوسری کسی پنجابی ادیب کی لکھی ہوئی، تو اول الذکر کو سب سمجھ جائیں گے لیکن اس پنجابی کہانی کو شاید ہی کوئی پنجابی سمجھ سکے۔

ان واقعات کی روشنی میں یہ کہنا کہ یہاں اردو ایک اجنبی زبان ہے اور یہ مفلس علاقائی زبانیں قومی زبانیں بننے کی اہلیت رکھتی ہیں، صحیح نہیں......

اس مضمون کا بیشتر مواد علامہ محمود شیرانی کی (پنجاب میں اردو) سے لیا گیا ہے۔

Marfat.com

دل اور آب وگل کی دنیا

دنیائیں دو ہیں، ایک یہ آب وگل کی دنیا جو لالہ وگل مہ وانجم اور دشت وجبل کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور دوسری مخفی دنیا، جو ہر چند ان آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن اس کے وجود سے انکار ناممکن ہے جب ہم اس کائنات پر ایک متجسانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے ایک دانش اعلیٰ سپریم انٹیلی جنس (Supreme Intelligence) کا احساس ہوتا ہے جو خلق وآفرینش کے حیرت انگیز کرشمے دکھا رہی ہے جو آکسیجن اور ہائیڈروجن جیسی دو زہریلی گیسوں کی ترکیب سے پانی بنا رہی ہے جس کے کروڑوں آفتاب ومہتاب ازل سے فضائے نیلگوں میں محو پرواز ہیں۔ ان میں نہ تصادم ہوتا ہے اور نہ ان کی رفتار میں فرق آتا ہے ہماری زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محو سفر ہے۔ اگر اس کی رفتار سو میل فی گھنٹہ ہوتی تو ہمارے لیل ونہار دس گنا طویل ہوتے۔ ایک سو بیس گھنٹوں کے لمبے دن میں ہم تمازت آفتاب سے جھلس جاتے، درخت سوکھ جاتے، دریاؤں اور چشموں کا پانی ابلنے لگتا اور دوسری طرف اتنی طویل رات میں ہر چیز منجمد ہو جاتی ہمارے آفتاب سے ۱۲ ہزار درجے کی حرارت خارج ہو رہی ہے اور یہ زمین سے اندازاً ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے۔ اگر یہ حرارت دگنی ہوتی یا یہ فاصلہ نصف ہوتا تو کائنات میں آگ بھڑک اٹھتی۔ آپ جانتے ہیں کہ سمندروں کا مدوجزر چاند کی وجہ سے ہے جو ہم سے اندازاً ڈھائی لاکھ میل دور ہے۔ اگر یہ فاصلہ دس گنا کم ہوتا تو سمندر کی لہریں دس گنا اونچی ہوتیں اور ہر منٹ کے بعد ساری زمین پانی میں ڈوب جاتی۔ یہ اور اس قسم کے بیشمار دیگر حقائق سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کائنات کا نظم ونسق ایک زبردست قوت ناظمہ کے ہاتھ میں ہے جو مہندس ومحاسب ہونے کے علاوہ شاعر بھی ہے۔ یہی قوت، بہاروں اور مہ پاروں کی خالق ہے نیز لالہ وگل اور مہ انجم میں اسی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ حیات میں بڑی قوت ہے۔ جب ہم ایک باریک سا بیج کسی چٹان پر پھینک دیتے ہیں تو اس کی ننھی سی جڑ سنگین چٹانوں کا سینہ چیر کر نکل جاتی ہے۔ دیودار

Marfat.com

کا سوفٹ اونچا اور چار سو من وزنی درخت کشش ثقل آندھیوں اور طوفان تینوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور گرتا نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس قوت کے سہارے قائم ہے؟ جواب ہے حیات۔ اللہ حیات کا سرچشمہ ہے۔ جب کوئی فرد اس منبع حیات سے رابطہ قائم کر لیتا ہے تو اس میں ایک نئی زندگی کروٹیں لینے لگتی ہے۔ یہی جسمانی زندگی سے عظیم تر، مہیب تر اور جمیل تر آر۔ ڈبلیو۔ ٹرائن اپنی شہرہ آفاق کتاب ان ٹیون وِد دی ان فی نٹ (In Tune With The Infinite) میں کیا پتے کی بات کہتے ہیں۔

اس کائنات کی مرکزی حقیقت حیات وقوت کا وہ منبع ہے جو ہر چیز میں زندگی بھر رہا ہے اللہ کی تخلیقی، تعمیری طاقتیں بعض ایسے قوانین کی معرفت عمل پیرا ہیں جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہیں۔

''چمن کا ہر متبسم پھول اور فضا کا ہر برف کا گولہ چند عظیم وغیر متبدل قوانین کی تعمیل پر مجبور ہے۔ کائنات میں ایک ایسی طاقت موجود ہے جو ان قوانین کی واضع ہے۔ اسے ہم اللہ کہتے ہیں۔ یہ کائنات صرف اللہ سے معمور ہے وہی ہر چیز کا منبع ومرجع ہے اور اس سے الگ کوئی چیز موجود نہیں۔''

قوت کا خزانہ

انسان کی طویل تاریخ اور اس کی تلاش وطلب پر نظر ڈالنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ طاقت کے خزانے دو ہیں۔

یہ کائنات جس سے ہم پٹرول، کوئلہ اور بجلی لینے کے بعد آج جوہری توانائی حاصل کر رہے ہیں۔

دوم۔ دل کی دنیا، جہاں مہیب توانائی کے ذخائر نہاں ہیں۔ وہی توانائی جو ایک ڈانٹ سے قلزم کو خشک اور چاند کو دو نیم کر سکتی ہے، جو چٹانوں کو چیر کر ان سے چشمے نکال سکتی ہے، جو رب کائنات کو ایک بالشت کے فاصلے پر لا سکتی ہے۔ اگر یہ دونوں توانائیاں شاہراہ زندگی پر ہم سفر ہو جائیں تو انسان اللہ کا نائب بن جاتا ہے۔ خالص مادی طاقت جس کے ساتھ روح کی داخلی طاقت شامل نہ ہو نہ تو کوئی انقلاب پیدا کر سکتی ہے اور نہ دنیا کو پیام امن دے سکتی ہے۔ آج یورپ کے

Marfat.com

پاس مادی قوت کے بے پناہ وسائل موجود ہیں لیکن روحانی لحاظ سے بے حد مفلس و بے نوا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس کی قوت اس بے لگام حبشی کی سی ہے جو شراب میں مست اور شمشیر بدست کسی بستی میں داخل ہو جائے۔ درست فرمایا تھا حکیم مشرق نے۔

من درون شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام

آنچناں زہرے کہ از دے مارہا در پیچ و تاب

انقلاب اے انقلاب

پیام مشرق کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔

''اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہئے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کرسکتی، جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو۔''

انقلاب وہ آگ ہے جس کے شعلے سینے سے نکل کر جہاں کہن کے کاشانے پر برستے ہیں حضرت خلیل، کلیم اور محمد ﷺ کلیم علیہم السلام نے عالم پیر کو خاکستر بنانے کے بعد جہان تازہ کی بنیاد ڈالی تھی اور یہ شعلے ان کے آتش کدہ دل ہی سے نکلے تھے۔ اسی آگ کا دوسرا نام عشق ہے۔ جب ایک انسان اللہ سے رابطہ قائم کرنے لگتا ہے تو شروع میں اسے جسمانی کوفت ہوتی ہے بعد میں تعمیل عادت بن جاتی ہے پھر اسے رابطہ میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے، ایک قسم کی مبہم، پر اسرار اور آسمانی لذت جو فکر و ذکر کے منازل طے کرنے کے بعد بہت عمیق ہو جاتی ہے اور دل ایک ایسا حرم بن جاتا ہے جس میں اللہ کے سوا اور کوئی معبود سما ہی نہیں سکتا۔ مادی عظمتیں حقیر نظر آنے لگتی ہیں، روح جلیل و جمیل بن جاتی ہے اور اللہ کے قرب کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں بندہ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے اور جب وہ تین سو تیرہ (۳۱۳) بے سروساماں سرفروشوں کو لے کر میدان میں جاتا ہے تو آسمانوں کے پٹ کھل جاتے ہیں اور کئی ہزار مسلح فرشتے اس کی مدد کے لئے جنگ گاہ میں اتر آتے ہیں۔ جب اس کے عساکر ایران و روم کا رخ کرتے ہیں تو قیصر و کسریٰ کے تمام وسائل قوت و ہیبت بیکار ہو جاتے ہیں ۱۹۱۸ء میں لینن اپنے ملک میں صرف ایک انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھا تھا ساڑھے تین کروڑ زمینداروں اور سرمایہ داروں کو

Marfat.com

ذبح کرنے کے بعد بھی ابھی تک اسے مکمل کامیابی نہیں ہوئی، دوسری طرف حضور پرنور ﷺ نے مدینہ کے دس سالہ قیام میں پانچ عظیم انقلابات بپا کیے۔ آپ نے لوگوں کا:۔

ا۔ مذہب بدلا۔

۲۔ زندگی کے متعلق ان کا نقطہ نگاہ تبدیل کیا۔

۳۔ نئے اخلاقی نظام کی بنیاد ڈالی۔

۴۔ سلطنت دردین ما خذمت گریست (سید القوم خادمہم) کا نعرہ بلند کیا۔

۵۔ ایک ایسا اقتصادی نظام جاری کیا جس سے دنیا نا آشنا تھی۔

سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ میں یہ طاقتیں کہاں سے آتی تھیں کہ جس طرف کا رخ کرتے تھے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ جواب ہے، دل سے دل توانائی کا بہت بڑا مرکز ہے اور جو لوگ اس توانائی سے محروم رہتے ہیں انہیں دولت کے انبار اور سر بفلک محل کبھی توانا نہیں بنا سکتے دولت دل زندہ کے ساتھ زینت ہے اور دل تیرہ کے ساتھ لعنت۔

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی
اسی نگاہ میں ہے قاہری و جباری
اسی نگاہ میں ہے دلبری و رعنائی
نگاہ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

تمثیل

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق ایک تمثیل دی ہے۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح المصباح زجاجہ... (نور)

Marfat.com

اللہ زمین اور آسمان کا نور ہے یہ نور اس چراغ داں کی طرح ہے جس میں ایک چراغ جل رہا ہو اور شیشے کے گلوب میں رکھا ہو۔

یہ کائنات شیشے کا ایک گلوب ہے جس سے نور الوہیت چھن چھن کر ہر چار سو پھیل رہا ہے۔ جس طرح رات کو کسی کمرے کا روشندان اس قمقمے یا چراغ کی خبر دیتا ہے جو کمرے کے اندر جل رہا ہو۔ اسی طرح آفتاب و مہتاب کے روشندان صاف صاف بتا رہے ہیں کہ حریم حیات میں کوئی بہت بڑا قمقمہ فروزاں ہے انسان کا روشندان اس کا جبیں یا چہرہ ہے۔ جب اللہ کسی سینے میں گھر بنالیتا ہے تو پیشانی سے نور ربانی کی تجلیاں پھوٹ نکلتی ہیں۔

خواجہ اجمیریؒ، داتا گنج بخشؒ اور بابا فرید شکر گنجؒ کی یہی وہ تجلیاں تھیں کہ جنہیں بت پرست دیکھ پاتے تو زنار توڑ ڈالتے اور رب الکعبہ کے سامنے سربسجود ہو جاتے۔ ان لوگوں کے نورانی چہروں نے وہ کام کیا جسے غزنوی، ایوبی اور ابدالی جیسے ہزار ہا کشور کشاؤں کی تلواریں سر انجام نہ دے سکیں۔

آں فقر کہ بے تیغ صد کشور دل گیر
از شوکت دارا بہ از فر فریدوں بہ

اللہ نے قرآن میں باخدا اور بے خدا بندوں کی علامت ہی یہ بتائی ہے کہ تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان سکو گے۔

سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود... (فتح)

نیک لوگوں کے چھروں پر سجدہ اور عبادت کے آثار ھیں۔

یعرف المجرمین بسیماھم... (رحمان)

بدکار اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے۔

کہتے ہیں۔ کاتبین قدرت ہر انسان کے اعمال لکھ رہے ہیں اور کہیں لکھتے ہوں یا نہ، صفحہ جبین پر یقیناً لکھ رہے ہیں اور اس تحریر کو پڑھنے کے لئے کسی خاص آنکھ کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے ماحول پر نگاہ ڈالیں آپ کو ہر طرف جہالت اور گناہ میں لتھڑے ہوئے ہزار ہا چہرے نظر آئیں

Marfat.com

گے اور کچھ ایسے بھی جنہیں علم و پاکیزگی نے منور کر رکھا ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ وہ حسین و جمیل بنے لیکن اس کی راہ صرف ایک ہے یعنی اللہ سے عمیق رابطہ۔

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور۔
اللہ اہل ایمان کا دوست ہے اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر دنیائے نور کی طرف لے جاتا ہے۔
چہرے کے نور یا چمک کی کئی قسمیں ہیں۔

اول۔ بچپن کی چمک جو دس بارہ برس تک ساتھ دیتی ہے اس کے بعد جوانی کا نور آتا ہے۔ اگر جوانی کے نور کو سنبھال کر رکھا جائے تو نور تیس پینتیس برس تک کی عمر تک ساتھ چلتا ہے۔ علم میں بھی ایک چمک ہے جو چالیس پینتالیس سال کی عمر تک رہتی ہے اس کے بعد صرف ایک ہی روشنی ساتھ دیتی ہے اور وہ ہے نور عبادت، مبارک ہیں وہ نفوس جو جوانی ہی میں اس روشنی کو حاصل کر لیں اور ایسے شمع دان بن جائیں جن کے سینوں میں آسمانی شمعیں جل رہی ہوں۔

وجدان

انسانی حواس صرف پانچ نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی ایک حس موجود ہے جس سے کوہستان کی بلند و پست چوٹیوں اور تاروں کی بکھری ہوئی محفل میں رشتہ وحدت نظر آتا ہے اور کائنات میں ایک روح، ایک قوت ناظمہ اور مشیت قاہرہ کا احساس ہوتا ہے۔ اس حس کا نام وجدان ہے اور وجدان کو چمکانے کا نام تصوف ہے جسے خدا شناسی بھی کہتے ہیں۔

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

تصوف کوئی فلسفیانہ نظریہ حیات نہیں بلکہ نظام حیات ہے جس سے کائنات کے متعلق تصور ہی بدل جاتا ہے۔ قرآن کائنات کو بیکار نہیں سمجھتا بلکہ بار بار مشاہدہ موجودات کی ہدایت کرتا ہے اور پھر مرئی حقائق سے ایک غیر مرئی عالم کی طرف لے جاتا ہے۔ بعض مذاہب نے دین کو دنیا اور روح کو مادہ سے الگ کر دیا تھا، لیکن اسلام روح و مادہ کو ایک ہی حقیقت کے دو پہلو قرار دیتا ہے

Marfat.com

اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وحدت روح و مادہ کا تصور اسلامی فکر کا عظیم شاہکار ہے۔

زندگی کی تکمیل دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ جلال اور جمال سے، ان ہر دو کے مظاہر بیشمار ہیں۔ جلال ایک طرف تو کہساروں، سمندروں اور آسمانوں میں پایا جاتا ہے اور دوسری طرف تلوار، سلطنت اور دولت میں۔ لیکن جمال کا سب سے بڑا مظہر علم ہے اور جمال کا عشق جب علم و عشق۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر وہ زندگی پر روانہ ہوتے ہیں تو مہینوں کی منزلیں دنوں میں طے ہو جاتی ہیں۔

چو خود را درکنار خود کشیدم
بہ نور تو مقام خویش دیدم
دریں دیراز نوائے صبح گاہی
جہان عشق و مستی آفریدم

اللہ ایک چراغ ہے جو کائنات میں جل رہا ہے اور اس کا تصور وہ قمقمہ ہے جو سینہ انسان میں فروزاں ہے۔ یہ دیا بجھ جائے تو قلب ونظر پہ تیرگیاں مسلط ہو جاتی ہیں اور اس تاریک ماحول میں حیات بھٹکنے لگتی ہے اور بڑے بڑے حادثوں سے دو چار ہوتی ہے۔ میرے نقطہ نگاہ سے انسان کا سب سے بڑا حادثہ اللہ سے کٹ جانا ہے۔

مقناطیسیت

یورپ اور امریکہ میں علماء کی ایک بہت بڑی جماعت گذشتہ صدی کے اواخر سے دنیائے دل کے اسرار بے نقاب کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ ان میں سر ولیم، کرکس، لارڈ ریلے، سر آرچی بالد، پروفیسر گلبرٹ، پروفیسر ولیم جیمز، ڈاکٹر الیگزینڈر کانن اور ڈاکٹر کگنٹن خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی شخصیت سے کچھ غیر مرئی شعاعیں خارج ہوتی رہتی ہیں جو محبت یا نفرت کا اثر پیدا کرتی ہیں۔ اگر اعمال وخیالات میں پاکیزگی ہو تو ایسے آدمی سے لازماً محبت کی جاتی ہے، ڈاکٹر کرنگٹن اپنی کتاب ''پروجیکشن آف ایسٹرل باڈی'' میں ''اورا'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

Marfat.com

یہ ایک غیر مرئی کہربائی روشنی ہے جو انسانی جسم سے خارج ہوتی ہے اس کا اثر یا تو جذب و محبت ہوتا ہے یا نفرت۔

ڈاکٹر الیگزینڈر کانن اپنی کتاب (The Invisible Influence) میں اس حقیقت کی یوں تشریح کرتے ہیں۔

زمین کی طرح انسانی جسم سے بھی مقناطیسی لہریں خارج ہوتی ہیں جن کا اثر مختلف صورتوں میں مختلف ہوتا ہے۔ جس شخص کے خیالات و اعمال میں پاکیزگی ہو اس کی خارج کردہ لہریں جذب و محبت کا اثر پیدا کرتی ہیں۔ یہیں سے یہ مسئلہ کہ کیوں بعض لوگوں سے محبت اور بعض سے نفرت کی جاتی ہے، حل ہو جاتا ہے۔

تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔

اے رب! میں اپنی کچھ اولاد تیرے مقدس گھر کے پاس اس ویران وادی میں بسا رہا ہوں تا کہ یہ صلوٰۃ قائم کریں (اور اس طرح لوگوں کو اللہ سے راہ و رسم پیدا کرنے کا طریقہ سمجھائیں) اے رب! لوگوں کے دل میری اولاد کی طرف مائل کر۔

سرورِ دو عالم ﷺ ہر نماز کے بعد عموماً یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

رب حبب الناس من الی رحبنی الیھم۔

اے رب! لوگوں کو میرا اور مجھے لوگوں کا محبوب بنا۔

محبوبیت کا یہ مقام بڑا عظیم ہے جسے حاصل کرنے کے لئے بڑی کٹھن راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اور عام مشاہدہ یہ ہے کہ عبادت و طاعت کا بھی اس میں بڑا دخل ہے۔ جنید و بایزید، اویس و سلمان اور دیگر ہزارہا اہل دل اس منزل تک اسی راہ سے پہنچے تھے۔ شہرت و محبوبیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے بے شک چنگیز و ہلاکو، ہٹلر اور نپولین عالمگیر شہرت کے مالک تھے لیکن وہ کسی ایک دل میں بھی اپنا مقام نہ بنا سکے اور دوسری طرف حسینؓ و حیدرؓ، فاروقؓ و صدیقؓ اور رومی و غزالی کا نام سنتے ہی کروڑوں مسلمانان عالم کی گردنیں تعظیماً جھک جاتی ہیں۔ بقول غالب۔

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا ایک زمانہ مہربان ہو جائے گا

Marfat.com

جسم لطیف

دنیائے روح کے متعلق تازہ انکشاف یہ ہے کہ ہمارے اس جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم اسی طول وعرض کا داخل ہے جو غیر فانی وابدی ہے اسے انگریزی میں ایسٹرل باڈی اور ہماری زبان میں جسم لطیف کہتے ہیں۔ اسے ہم ہر رات خواب میں دیکھتے ہیں۔ نیند میں جسم خاکی بستر پہ بے حس وحرکت پڑا ہوتا ہے اور جسم لطیف ادھر ادھر گھوم رہا ہوتا ہے۔ یہ جسم لطیف کہاں سے آتا ہے، کوئی نہیں جانتا۔ یورپ کے ایک حکیم لیڈ بیٹر اتنا ہی بتا سکے۔

پیدائش کیا ہے؟ اس مادی وجسمانی دنیا میں ورود اور موت کیا ہے؟

اثیری دنیا میں نیا جنم، یہ اثیری دنیا جسمانی دنیا کی طرح حقیقی چیز ہے۔

ایک اور مقام پر یہی حکیم کہتے ہیں۔

تم جسم نہیں بلکہ جسم کے باسی ہو، یہ اجسام محض خول ہیں جنہیں زندگی یوں ٹھکرادیتی ہے جس طرح کپڑے بدل لئے جائیں۔

زندگی کہاں سے آئی اور کدھر جارہی ہے؟ ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں۔ قرآن حکیم سے صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ ہم سب اللہ کی طرف جارہے ہیں۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون) اور ہماری آخری منزل اللہ ہے۔

غالباً اس منزل کی راہ اس خاکدان سے ہوکر آگے نکلتی ہے اور جسم خاکی سے جسم لطیف کا یہ عارضی بندھن اس لئے ہے کہ ہم پاکیزہ خیالات، بلند اعمال، علم وعبادت سے جسم لطیف میں وہ قوت پیدا کرلیں کہ وہ منزل بہ منزل اپنے مرکز تک پہنچ جائے۔

اس مضمون کو لیڈ بیٹر یوں پیش کرتے ہیں۔

''نیک اعمال سے ہم رفتہ رفتہ ایک ایسے افق پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ہمیں روح کائنات سے شرف ہم کلامی حاصل ہوجاتا ہے۔''

جسم لطیف کے متعلق ایک نہایت حیرت انگیز انکشاف یہ ہوا ہے کہ ہر گناہ بیماری یا دکھ بن کر جسم لطیف سے لپٹ جاتا ہے اور وہاں سے یہ بیماری جسم خاکی میں منتقل ہوتی ہے۔ شروع میں تو

Marfat.com

یہ بات لیڈ بیٹر جیسے صوفی ہی کہا کرتے تھے لیکن اب امریکہ کے ایک طبی ڈاکٹر نے بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کردی وہ کہتا ہے۔

روح یا دماغ جسم کا قدرتی محافظ ہے۔ گناہ کی وجہ سے روح برص اور دیگر امراض کا شکار ہو جاتی ہے اور یہیں سے یہ بیماریاں جسم میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف محبت، نیک دلی، فیاضی اور رحم ومروت سے جسم میں ایسی صحت افزا زندگی اور مصفی رطوبتیں پیدا ہوتی ہیں جو گناہ کے مرض آور اثرات کو زائل کر دیتی ہیں۔

جب کوئی مریض حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جاتا تو پہلا سوال یہ ہوتا ''کیا تم میرے پیغام کو تسلیم کرتے ہو'' اور علاج کرنے کے بعد آئندہ کے لئے پرہیز یہ بتاتے ''جاؤ اور آئندہ کے لئے گناہ مت کرو۔'' (Go and More Sin)

قرآن حکیم بھی کچھ اسی طرح کی بات کہتا ہے۔ عربی زبان میں ایک لفظ ''سیۂ'' ہے۔ جس کے معنی ہیں بدکاری، سزا، دکھ اور بیماری۔ اس کی جمع ہے..... (سیات) قرآن میں بار بار یہ مضمون دہرایا گیا ہے۔

ان الحسنات یذھبن السیئات

کہ حسنات یعنی نیک اعمال۔ سیات یعنی گناہ، دکھ اور بیماریوں کو دور کر دیتے ہیں۔

یہ ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے جسمانی امراض کا بہت کم شکار ہوتے ہیں اور بدکار ذہنی پریشانیوں اور جسمانی امراض میں عموماً گرفتار رہتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ قلب ونگاہ کی پاکیزگی اور پابندی عبادت کے ساتھ ساتھ اسمائے حسنہ کا ورد اس سلسلہ میں بڑا موثر ہے اور غالباً اللہ نے اس کے لئے حکم دیا تھا۔

واللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا

اللہ کے نام بڑے ہی پیارے ہیں اسے انہی ناموں سے یاد کرو۔

ایک سوال

ہم مغربی پاکستان کی کسی بستی میں چلے جائیں۔ وہاں بلھے شاہ، فرید، باہوشاہ کی کافیوں کا

Marfat.com

چرچا پائیں گے اسی طرح مولانا رومی کی مثنوی، جامی کی یوسف زلیخا اور سعدی کی گلستان صدیوں سے پڑھی جارہی ہے اور دوسری طرف خود ہمارے عہد میں ایسے سینکڑوں شعراء ادباء موجود ہیں جن کی تخلیقات سے ان کے ہمسائے تک ناآشنا ہیں۔ انہیں نہ قبول عام حاصل ہے، نہ رنگ دوام۔ حالانکہ ان میں بعض کے کلام میں فصاحت و بلاغت کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں اور خیال میں بھی خاصی پرواز وندرت ہے۔ بعض ایسے ادیب بھی ہیں جن کے نام سے تو سب آشنا ہیں لیکن ان کا کلام عظمت واحترام سے محروم ہے مثلاً امام دین گجراتی وغیرہ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قبول عام واحترام کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کے کئی جواب ہو سکتے ہیں مثلاً کہ ادیب کا اسلوب انوکھا تھا، شاعر کے خیالات میں پرواز تھی، موضوع کلام بلند تھا۔ وقس علی ہذا اسی سوال کا ایک جواب قرآن نے دیا ہے اور وہ یہ کہ۔

ان ناشئتہ اللیل ھی اشد وطاء واقوم قلیل۔ (مزمل)

اس آیت میں ''اقوم'' کا لفظ تشریح چاہتا ہے۔ اس کا مادہ ق۔ و۔ م (قوم) ہے جس سے مختلف مشتقات تیار ہوئے۔ مثلاً قیام، تقوم، اقامت قوام، قوام، قیم، قائم، استقامت وغیرہ ان کے معنی جدا جدا ہیں۔ لیکن ایک مفہوم ایسا ہے جو ان تمام میں مشترک ہے اور وہ ہے ثبات، مضبوطی یا استحکام تو اقوام کے معنی ہوں گے۔ بہت مضبوط، پائیدار اور محکم اور آیت کا ترجمہ ہوگا تحقیق شب خیزی نفس کو کچلنے اور کلام کو محکم و پائیدار بنانے میں بہت ممد ہے دعائے سحر گاہی کا نتیجہ کلام کا دوام و استحکام کیوں ہے؟ عقل سمجھنے سے قاصر ہے لیکن انسان کا تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا اور غالباً بابا ہو اور بلھے شاہ کی قبولیت کی وجہ بھی یہی تھی، اقبال بھی اس راز سے آگاہ تھے۔

فرماتے ہیں۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

اور ساتھ ہی سحر خیز بھی تھے ۱۳۱ کتوبر ۱۹۱۶ء کو ایک خط میں جو مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام تھا، لکھتے ہیں۔

''صبح چار بجے کبھی تین بجے اٹھتا ہوں اور اس کے بعد نہیں سوتا سوائے اس کے کہ مصلے پر

Marfat.com

اونگھ جاؤں'' (اقبال نامہ حصہ اول ۴۴۔۴۵)

اقبال نے اللہ سے کبھی دولت وحشمت نہیں مانگی، بلکہ ہمیشہ شور رومی وصدق سنائی کی تمنا کی۔

عطا کن شور رومی، سوز خرد
عطا کن صدق و اخلاص سنائی

اور بعض اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں یہ دولت حاصل ہوگئی تھی۔

بیا بمجلس اقبال یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

یا

اگرچہ زادہ ہندم، فروغ چشم من است
زخاک پاک بخارا و کابل و تبریز

اور اپنے کلام کے متعلق فرماتے ہیں۔

مسنج معنی من درعیار ہند و عجم
کہ اصل ایں گہر از گریہ ہائے نیم شبی است

پاکستان کے اہم مسائل

پاکستان کے اہم مسائل دو ہیں، اسٹیل اور ایسٹرل یعنی فولاد اور من کی دنیا۔ میرے خوابوں میں ایک ایسا پاکستان آباد ہے جس کے چپے چپے پر کارخانوں کی بلند چمنیاں دھواں اگل رہی ہوں اور ہر فرد ایک ایسا چراغ دان ہو جس کے سینے میں سوز و گداز کی شمع فروزاں ہو۔ یہ کام اہل قلم سے بہتر کون کرسکتا ہے، ایران کے ادیبوں اور شاعروں نے ایران جدید کی تخلیق کی۔ روسو، والٹیئر اور ہال بش نے انقلاب فرانس کی بنیاد ڈالی۔ گوئٹے اور فان ہیمر نے جرمنی کو مشرقی سوز و گداز سے آشنا کیا۔ ایک کارل مارکس نے آدھی دنیا کا نقشہ بدل ڈالا اور ایک اقبال نے دس کروڑ اسلامیان ہند کے سینوں میں آگ بھڑکا دی۔

......اور اب

اے ادیبان پاکستان! مستقبل کا مؤرخ آپ کا منتظر ہے

Marfat.com

مسئلہ کشمیر کا حل

برطانیہ گذشتہ دو تین صدیوں سے مسلمانوں کے پیچھے لٹھ لے کر پڑا ہوا ہے پہلے مغلوں کو پیٹا، پھر ترکوں کی خبر لی، اس کے بعد باقیماندہ مسلم ریاستوں کو صاف کیا اور اب دنیائے اسلام کی سب سے بڑی سلطنت ''پاکستان'' کے درپے ہے۔ کیا تقسیم ہند کے وقت برطانیہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے جس کے تمام دریا کشمیر سے آتے ہیں، پھر لطف یہ کہ ہمارے سینے میں یہ زہر آلود خنجر گھونپنے کے بعد ہمارا ہمدرد بن بیٹھا اور اپنے خرچ پر یہاں سینکڑوں مشیر بھیج دیئے۔ بایں ہدایت کہ خبردار! پاکستان کو صحیح مشورہ ہرگز نہ دینا۔ ان کی درسگاہوں سے انگریزی زبان کو کبھی نہ نکلنے دینا تا کہ یہ ہمیشہ ہماری آنکھوں سے دیکھتے اور ہمارے دماغ سے سوچتے رہیں فولاد وخلا کے اس عہد میں اسے ایک چھٹانک فولاد نہ بنانے دینا اس کے پہاڑ معادن اور بہترین فولاد سے لبریز ہیں۔ یہی کہے جانا کہ آپ کا فولاد ناقص ہے، مہنگا پڑے گا۔ باہر سے منگواؤ گے تو فائدے میں رہو گے۔ اگر یہ قوم اسلحہ کا کوئی کارخانہ لگا بھی بیٹھے تو اسے چلنے نہ دینا اور اگر وہ چلانے پر اصرار کرے تو اس میں اسلحہ کی جگہ لالٹین اور صابن بنانا۔ اگر کسی وقت فولاد کا کارخانہ لگانے پر مجبور ہو جاؤ۔ تو دو یا تین لاکھ ٹن کا پلانٹ لگانا تا کہ پیداوار کم اور خرچ زیادہ آئے اور فوجی ضروریات تو رہیں ایک طرف، ایک ضلع کی آہنی ضروریات بھی پوری نہ کر سکے نیز خیال رکھنا کہ صنعتی اور فوجی طور پر یہ ملک نہایت کمزور رہے اور اپنی زرعی پیداوار بھیج کر ہم سے کاریں اور ریڈیو خریدتا رہے۔

برطانیہ ایک دولت مند ملک ہے صرف ایک لاکھ میل کا رقبہ، پانچ کروڑ کی آبادی اور اس کا سالانہ بجٹ اربوں پونڈ کا ہوتا ہے دوسری طرف پاکستان آبادی میں دگنا اور رقبے میں چار گنا ہے لیکن اس کا بجٹ صرف دو ارب روپے یعنی چودہ کروڑ پونڈ سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دولت کہاں سے آ رہی ہے جواب یہ ہے کہ ربڑ اور ٹین ملایا سے۔ چاول پٹ سن اور

Marfat.com

کھالیں پاکستان سے۔ تیل عراق، ایران، کویت اور بحرین سے اور سونا عرب سے جا رہا ہے۔ اگر یہ ممالک جاگ اٹھیں۔ اپنی دولت کو خود سنبھالنے کے قابل ہو جائیں تو مغربی جرمنی، بلجیئم، ہالینڈ، فرانس اور انگلینڈ بھوک سے ہلاک ہو جائیں۔ برطانیہ کی نجات اسی میں ہے کہ ہر مسلم ریاست کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا رہے تاکہ وہ داخلی مسائل کی طرف توجہ ہی نہ کر سکے۔ ناصر کی چھاتی پر یہودی بٹھا دیا، ایران میں داخلی سازشوں کا جال بچھا دیا، عراق کے دامن میں کردوں کا کانٹا الجھا دیا، ترکی کو معاشی، فکری اور سیاسی انتشار میں مبتلا کر دیا، پاکستان کو قضیہ کشمیر میں الجھا دیا، انڈونیشیا کے کاشانے پر ہالینڈ کا ناگ چھوڑ دیا۔ اس طرح ہر مسلم ریاست کو کسی نہ کسی بپتا میں پھنسا کر خود برطانیہ زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے۔ لطف یہ کہ انگریز جس ملک کو جتنا الو بناتا اور لوٹتا ہے وہ اس کا اتنا ہی گرویدہ ہوتا جاتا ہے۔ ایسی قوم سے یہ امید کہ وہ مسئلہ کشمیر میں ہماری امداد کرے گی۔ سانپ سے شہد کی توقع رکھنا ہے۔

ہماری غلطیاں

مسئلہ کشمیر کو الجھانے میں خود ہم نے بھی کوئی کمی نہیں کی تقسیم ہند اور ریڈکلف ایوارڈ کے بعد اپنی افواج کی باگ ڈور جنرل گریسی کے حوالے کرنا پہلی غلطی تھی۔

۲۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی فوجیں طیاروں کے ذریعے سرینگر میں اتر رہی تھیں۔ اس وقت جموں، کٹھوعہ روڈ پر قبضہ نہ کرنا دوسری غلطی تھی۔

۳۔ جب جہاد کشمیر میں ہندوؤں کے چھکے چھوٹ چکے تھے اور وہ ہتھیار ڈالنے ہی والے تھے اس وقت ''گولی بند کرو'' کا حکم دینا تیسری غلطی تھی۔

۴۔ جب ۱۹۴۸ء میں بھارت نے سلامتی کونسل کے سامنے دو مرتبہ استصواب پر اظہار رضامندی کر لیا تھا اور اس کے بعد ٹال مٹول شروع کر دی تھی تو اسے مہلت دیئے جانا اور کئی سال تک اس مسئلہ کو نہ اٹھانا چوتھی غلطی تھی۔

۵۔ گزشتہ برسوں میں بھارت نے اپنے ہاں فولاد کے سات اور اسلحہ کے چھ کارخانے لگا لئے ہیں۔ جو توپیں، ٹینک، جیٹ اور بحری جہاز تک بنا رہے ہیں اور آج وہ از سر تا پا

Marfat.com

فولاد سے مسلح ہو چکا ہے، دوسری طرف ہم اس عرصے میں کاریں، ٹرانسسٹر، کولرز خریدتے اور جگہ جگہ گلبرگ اور سمن آباد بناتے رہے۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے ہاں سامان عیش میں اضافہ ہوا اور بھارت ایک مہیب قوت بن گیا۔ ضعیف اپنی بات نہیں منوا سکتا، صرف رحم کی اپیل کر سکتا ہے۔ فولاد سے ہماری یہ المناک غفلت، جواب بھی جاری ہے وہ جرم ہے جس کے نتائج بڑے ہی عبرتناک ہونگے۔

۶۔ مختلف ممالک میں ہمارے سفیر پچھلے پندرہ سال سے چپ چاپ تنخواہیں لے رہے ہیں اور اپنے فرائض سہ گانہ سے بالکل بے خبر ہیں۔

ا۔ پاکستان کے روابط دوستی متعلقہ ملک سے قائم اور محکم کرنا

ب۔ مسئلہ کشمیر کی وضاحت......اور

ج۔ اسلامی تعلیمات کی عملی نمائش

دوسری طرف بھارت کشمیر پر اپنے غاصبانہ قبضے کے جواز میں ہر جگہ پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ دنیا ہمیں جھوٹا اور بھارت کو سچا سمجھنے لگی ہے۔

۷۔ پچھلے تیرہ برس سے ہمارا گزارہ پھوکی اور بے جان دھمکیوں پر ہے کبھی درہ خیبر کے کسی پٹھان کا فرضی بیان کہ

ہم کشمیر پر پھر حملہ کرنے والے ہیں۔

جلی حروف سے اخبارات میں شائع کر دیتے ہیں۔ کبھی کسی کشمیری مہاجر کی مردہ سی دھمکی۔

ا۔ کہ کیا ان دھمکیوں کو عملی صورت دینے کی ہمت ہم میں ہے۔

۲۔ بھارت سے ہماری جنگ ناگزیر ہے۔ بھارت کو معلوم ہے کہ پاکستان کا ہر نوجوان سپاہی ہے اور اسے ایک سخت جنگ لڑنا ہوگی اس لئے وہ شب و روز سامان جنگ اکٹھا کر رہا ہے اور اس کے ساتھ کارخانے اسی کام پر لگے ہوئے ہیں، کیا ہماری حکومت کو بھی یہ احساس ہے کہ ہمارا مقابلہ ایک خوفناک دشمن سے ہے؟ اگر ہے تو وہ اس لئے کیا کر رہی ہے؟ ہمارا ایک ہی کارخانہ اسلحہ ہے اور وہ بھی پائپ، شکاری کارتوس اور صابن بنا رہا

Marfat.com

ہے۔ تو کیا وقت پڑنے پر ہم گولہ بارود امریکہ اور برطانیہ سے منگوائیں گے۔

علاج کار

اس صورتحال سے نپٹنے کے لئے چند اقدام ضروری ہیں۔

اول۔ سیٹو اور سنٹو سے بیزاری کا اعلان۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روس کا رویہ بدل جائے گا۔

دوم۔ چین سے دفائی معاہدہ۔

سوم۔ تمام امریکی و برطانوی مشیروں سے نجات۔

چہارم۔ قوم کو ایک طویل اور خوفناک جنگ کے لئے تیار کرنا۔ جگہ جگہ ٹریننگ کیمپ کھولنا۔ تمام آبادی کو فوجی تربیت دینا اور ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ کرنا۔

پنجم۔ ہر قسم کا سامان جنگ جہاں سے بھی مل سکے فراہم کرنا۔

ششم۔ فولاد کے دو تین بڑے بڑے مل لگانا جن کی سالانہ پیداوار ساٹھ لاکھ ٹن سے کم نہ ہو۔

اگر ہم ان خطوط پر آج سے تیاری شروع کر دیں اور دس سال کا ایک جامع منصوبہ بنالیں تو پھر نہرو کشمیر کو نہیں روک سکتا۔

سلامتی کونسل

یہ مت بھولیئے کہ سلامتی کونسل سازشوں کا ایک عالمی اڈہ، ایک بے جان اور مخنث ادارہ ہے وہ وہیں حرکت میں آئے گی جہاں امریکہ و برطانیہ کا مفاد خطرے میں ہوگا۔ پاکستان جیسے مفلس بے دست و پا اور کمزور ملک کی اسے کیا پرواہ۔ اس لئے ادارے کے در پہ دستک دینا چھوڑیئے اور اپنی طاقت پہ اعتماد کیجئے۔ آپ کے سامنے روس نے ہنگری پر قبضہ کیا۔ اس سے پہلے بھارت کشمیر اور حیدر آباد کو ہڑپ کر چکا تھا۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے نہرو نے گوا ہتھیا لیا۔ فرانس سات برس تک الجیریا پر آگ اور موت برساتا رہا۔ کیا سلامتی کونسل کبھی ٹس سے مس ہوئی؟ اس کی جبین پہ کوئی شکن آیا؟ اگر نہیں آیا تو یقین رکھیئے کہ کل اگر بھارت پاکستان پر قابض ہوگیا تو کونسل کو قطعاً کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

Marfat.com

ہٹلر کی مثال

ہٹلر کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اس نے آٹھ برس کی قلیل مدت میں اپنی قوم کو جو تعداد میں پاکستان سے دو کروڑ کم تھی اتنا طاقتور بنالیا کہ صرف دو حملوں میں دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ پہلے حملے میں وہ آسٹریا، بلجیئم، ہالینڈ اور فرانس کو روندتا ہوا رودبار انگلستان تک نکل گیا اور دوسرے میں سٹالن گراڈ پہ جادم لیا۔ جان فروشی، شجاعت اور جفا طلبی میں ہماری قوم کا مقابلہ نہیں ہوسکتا اگر اس قوم کو تربیت اور جدید ہتھیار مل جائیں تو پھر یہ سیلاب نہرو کی بزدل اور جنگ ندیدہ قوم سے نہیں رک سکتا۔ ہماری پارلیمان کا فرض ہے کہ وہ وزارتوں اور ملازمتوں کی تقسیم سے بلند ہوکر پاکستان کو ایک حصار سنگین اور قوم کو ایک محکم چٹان بنانے کی فکر کرے اور صدر مملکت کی خدمت عالیہ میں التماس ہے کہ قوم کو جفا طلب، سرباز اور میدان طلب بنانے کا پروگرام ابھی سے بنائیں۔ جدید اسلحہ فراہم کریں اور پانچ برس بعد بھارت کو للکاریں کہ یا تو کشمیر چھوڑ دو اور یا ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے میدان میں اترو۔ قائد ملت نے خالی مکہ ہوا میں لہرایا تھا اور واہگہ سے خلیج بنگال تک ہندو جاتی کی نیند اڑ گئی تھی اگر کل ہم مسلح ہو گئے تو بھارت ہر بات سننے اور ماننے کے لئے تیار ہو جائے گا۔

تاریخ کا ہر طالب علم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں پہلی ہجری سے ۳۵ء تک اسلامی افواج کو اندازاً ساٹھ خوفناک جنگیں لڑنا پڑیں۔ ہر جنگ میں دشمن کی فوج تعداد میں کم از کم چار گنا اور سامان حرب دس گنا زیادہ ہوتا تھا۔ ان میں سے اندازاً ستائیس جنگیں کسرائے ایران بیس شہنشاہ روم اور باقی عرب قبائل اور یہودیوں کے خلاف ہوئیں۔ ہر جگہ مسلمان غالب آئے اور دشمن کو ہر مقام پر خوفناک شکست ہوئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلسل پینتیس برس تک قلت کثرت کو اور بے سروسامانی، پر سامانی کو کیسے شکست دیتی رہی؟ اگر یہ بات ایک یا دو مرتبہ ہوتی تو ہم اسے حسن اتفاق قرار دے دیتے لیکن یہ معجزہ مسلسل پینتیس برس تک ہوتا رہا اس لئے ارباب فکر ونظر کا فرض ہے کہ وہ ان اسباب وعوامل کا سراغ لگائیں جو دشمنان اسلام کی ہزیمت اور ہمارے فتح وظفر کا باعث بنے۔

Marfat.com

یہ فقیر سالہا سال تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا اور اس حتمی نتیجے پہ پہنچا کہ ہماری ان فتوحات کی وجہ سے صرف ایک تھی یعنی اللہ کی عبادت وصلوٰۃ عبادت وہ توانائی ہے جو اثیر وافلاک کی تمام مخفی طاقتوں کو جو سیلابوں طوفانوں، سمندروں اور بجلیوں پر حکمران ہیں، مسخر کر لیتی ہے، انسان کو حیوانی پستیوں سے اٹھا کر آستان ذوالجلال تک پہنچا دیتی ہے، قید اہر من سے نکال کر بندہ یزداں بنا دیتی ہے اور پھر اللہ ایسے پیارے بندوں کی سو طرح سے مدد کرتا ہے۔ کہیں فرشتے اتار کر، کہیں طوفان چلا کر، کہیں مقابل کے دل میں خوف ڈال کر، اگر محارب فریقین غیر مسلم ہوں تو اس صورت میں جنگ کا فیصلہ بہتر ہتھیاروں اور قلت وکثرت سے ہوتا ہے اور اگر یک جانب صحیح معنوں میں اسلامی لشکر ہو تو خدا اور رسول ﷺ سے محبت کرنے والا پاکباز، جذبہ عشق وشہادت سے سرشار، تمام خطرات سے آزاد، گولیوں کی بوچھاڑ میں نماز پڑھنے والا، لب پہ نعرہ تکبیر اور دل میں عشق خدا اور رسول ﷺ تو ہماری تاریخ شاہد ہے کہ ایسا لشکر ہر جگہ فتح وظفر حاصل کرتا ہے۔

الا ان جند اللہ لھم الغالبون۔ (القرآن)

یاد رکھو۔ کہ اللہ کا لشکر لازماً اور یقیناً غالب رہتا ہے۔

ہمارے لیڈر پچھلے پندرہ برس سے صرف ایک ہی کام کر رہے ہیں یعنی منصب اور وزارت کے لئے سازشیں، اسے گرانا، اسے اٹھانا، یہاں سے پرمٹ لینا وہاں بیچنا، کچھ رشتہ دار بھرتی کرا لینا، نئی نئی موٹریں خریدنا کوٹھیاں بنانا اور ووٹوں کا وقت آئے تو اپنے منشور میں اسلام کو آڑ بنانا۔

انہوں نے قوم کو طاقتور بنانے، فولادی مل لگانے، اسلحہ بنانے مسئلہ زبان کو سلجھانے، اپنی ثقافت کو بنانے، اپنے ادب کو فروغ دینے اور مرحوم ومغفور اسلام کو زندہ کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ نتیجہ یہ کہ

۱۔ پاکستان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور حکام اعلیٰ اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور نکل گئے۔

۲۔ ان میں اور اللہ تعالیٰ میں پہاڑ حائل ہو چکے ہیں۔

۳۔ آج ہمارے پاس مادی طاقت ہے اور نہ روحانی قوت۔

فرمائیے:۔ ان حالات میں ہماری حیات وبقا کی سبیل کون سی ہے۔

Marfat.com

ایک ہی راستہ

اب حالات یہ ہیں کہ ہمارے دوست ہمیں چھوڑ گئے اور انہی دوستوں کے فریب میں آ کر ہم فولاد کے مل نہ لگا سکے، نہ اسلحہ بنایا نہ قوم کو سربازی کے لئے تیار کیا۔ اب مجھے انجام بد سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی نظر آتا ہے کہ ہم اپنا سر فوراً دہلیز یزداں پہ جھکا دیں، تمام گناہوں سے معافی مانگیں، عبادت کے پابند ہو جائیں اور آج ہی سے اس فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دیں جو موت کی طرح اٹل ہے۔

میں اپنے ان وزراء اور حکام اعلیٰ سے جو اپنی تقریروں میں بار بار اسلام کا نام لیتے ہیں اور بھول کر بھی عبادت نہیں کرتے صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ عبادت تعمیر اسلام کا بنیادی پتھر ہے اور نماز کے بغیر اسلام کا کوئی خاکہ تیار نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے ذکر صلوٰۃ کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کو سات سو مرتبہ دہرایا ہے۔ یہی چیز اب ہماری قوت و بقا اور استحکام کی ضامن ہے۔

حکمران پاکستان کا فرض

اے حکمرانِ پاکستان! قرآن عظیم میں کل ۶۲۳۶ آیات ہیں ان میں سے ایک آپ کے لئے ہے اور وہ یہ ہے۔

کہ جب ہم اپنے منتخب اور پیارے بندوں کو حکومت دیتے ہیں تو وہ ان چار فرائض کو پوری طرح نبھاتے ہیں۔

اول۔ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔

دوم۔ ان کا مقصد دولت جمع کرنا نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ اپنے پاس بھی ہوتا ہے اللہ کی راہ میں دے دیتے ہیں۔

سوم۔ نیکی کی تبلیغ کرتے ہیں۔

چہارم۔ اور بدی سے حکماً روکتے ہیں۔

برادران وطن

وطن خطرے میں ہے اس لئے اللہ کے سامنے جھک جاؤ اور اپنے ممبروں، وزیروں، سیکرٹریوں اور حاکموں کو بھی اسلام کا درس دو۔ اللہ آپ کی مدد کرے۔

Marfat.com

عورت کا صحیح مقام

قرآن کی روشنی میں

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے بجا فرمایا تھا۔

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں

حقیقتاً مسئلہ زن ایک نہایت ہی مشکل مسئلہ ہے۔ اسے جتنا سلجھاؤ یہ اتنا ہی الجھتا ہے۔ مغرب میں عورت کی آزادی، بے باکی اور آوارہ گردی سے مردوں کے ہاں صف ماتم بچھی ہوئی ہے اور مشرق میں وہ گھر کی چار دیواری اور زندان نقاب میں یوں محبوس ہے کہ اس پر رحم آتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس مشکل کا حل کیا ہے؟ اور قرآن حکیم اس معاملے میں ہماری کہاں تک رہنمائی کرتا ہے۔

مسئلے کی صورت

مسئلہ زن کو سمجھنے کے لئے ہمیں چند سوالات کا حل قرآن سے تلاش کرنا ہوگا۔

۱۔ کیا ہمارا موجودہ برقع قرآن کی رو سے درست ہے؟

۲۔ کیا عورتوں اور مردوں کا ملنا جائز ہے؟

۳۔ عورتوں کی بہتری کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

پردے کے متعلق قرآن شریف میں مندرجہ ذیل آیات ملتی ہیں۔

قل للمومنین ان یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ۔	اے نبی مسلمانوں سے کہئے کہ (وہ) عورتوں سے ملیں تو آنکھیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔
قل اللمومنات ان یغیضض من ابصارھن و یحفظن فروجھن۔	اسی طرح مسلم خواتین کو حکم دیجئے کہ وہ مردوں کے سامنے آئیں تو آنکھیں جھکا لیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

Marfat.com

اس آیت سے کہیں یہ مترشح نہیں ہوتا کہ عورتیں منہ پہ نقاب ڈال کر باہر نکلا کریں۔ بلکہ آنکھیں جھکا لینے کی ہدایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورت بلا حجاب بھی پھر سکتی ہے۔ اگر آنکھیں جھکا لینے سے مراد پردہ لیا جائے تو پھر مردوں کو بھی پردہ اوڑھنا پڑے گا اس لئے کہ آنکھیں جھکانے کا حکم مرد وزن ہر دو کے لئے ہے۔ اگر اس حکم کے ہوتے ہوئے مرد بلا حجاب پھر سکتا ہے تو عورت کو کون سی چیز روکتی ہے۔

دوسری آیت۔

ولا یظھرن زینتھن الا ما ظھر منھا۔ عورتیں غیر محرموں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ ہاں جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے اس کا کوئی حرج نہیں۔

خود بخود ظاہر ہونے والی زینت کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اس زینت سے مراد ہاتھ پاؤں اور ہاتھوں کے زیور ہیں اور چہرے کو ننگا رکھنا ممنوع ہے۔ دوسرا گروہ جس میں حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، حضرت انسؓ، ضحاکؒ اور سعید بن جبیرؒ وغیرہ شامل ہیں۔ اس زینت میں چہرے کو بھی شامل سمجھتا ہے۔ حضرت حسن بصری بھی اس خیال کے موید ہیں۔ سنن ابی داؤد اور موطا (امام مالک) میں چند احادیث بھی اس مضمون پر موجود ہیں کہ عورت چہرے پر نقاب ڈالنے کے لئے شرعاً مامور نہیں۔

اس وقت ترکی، ایران، مصر، لیبیا، مراکش، تیونس، شام، سعودی عرب، عراق، شرق اردن، فلسطین اور لبنان میں عورتوں کے چہروں پر نقاب نہیں ہوتا بلکہ وہ سارے جسم کو ایک بڑی چادر سے ڈھانپ لیتی ہیں اور چہرہ ننگا رکھتی ہیں۔ بہر حال اس آیت سے ہمارا مروجہ برقع ثابت نہیں ہوتا۔

فلیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ خواتین کو چاہیے کہ اپنی اوڑھنیوں سے سینوں کو ڈھانپ لیں۔

چہروں کو نہیں بلکہ سینوں کو، اگر اللہ کا مقصد نسوانی چہروں کو چھپانا ہوتا تو وہ ''جیوبھن'' کی

Marfat.com

جگہ ''وجوھن'' کے الفاظ استعمال کرتا۔

وقرن فی بیوتکن ولا قد جن قبرج الجاھلیتہ الاولی۔

اے رسول! اپنی ازواج سے کہہ دو کہ وہ گھروں میں رہا کریں اور نساء جاہلیت کی طرح بن سنور کر باہر نہ نکلا کریں۔

یہ حکم صرف امہات المومنین کے لئے ہے۔لیکن اگر اسے عام بھی سمجھ لیا جائے تب بھی اس سے موجودہ برقع ثابت نہیں ہوتا۔اس آیت کے دو حصے ہیں پہلے حصے کا مفہوم یہ ہے کہ ''گھروں میں جم کر رہو'' سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس آیت کے نزول کے بعد امہات المومنین اور دیگر مسلم خواتین جم کر گھروں میں بیٹھ گئی تھیں؟اور کسی ضرورت کے لئے بھی باہر نہیں نکلتی تھیں؟اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ضروری حوائج کے لئے یقیناً باہر آتی تھیں لیکن بن سنور کر نہیں۔تو گویا اس آیت کا دوسرا حصہ پہلے کی تفسیر ہے۔

یا ایھا النبی قل لازواجك و بنتك ونساء المومنین ان یدنین علیھن من جلابیبھن۔

اے رسول! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور دیگر مومنات کو حکم دیجئے کہ وہ باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر خوب اچھی طرح اوڑھ لیا کریں

اس آیت میں ''یدنین'' کا لفظ تشریح طلب ہے۔بعض مفسرین نے اس کے معنی لکھے ہیں گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ہم حیران ہیں کہ گھونگھٹ کا مفہوم کہاں سے نکال لیا۔یدنین کا ماخذ ''دنو'' (دنی دنو) ہے۔دنو کے معنی ہیں قریب کرنا، قریب آنا......قریب لانا تو اس آیت کے لفظی معنی یہ ہیں۔

''کہ عورتیں ایک بڑی چادر کو اچھی طرح جسم کے قریب لائیں'' مطلب یہ کہ اچھی طرح اوڑھ لیں کہ زینت کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔

آیات پردہ کا ماحصل

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں بن سنور کر باہر نہ پھریں۔باہر نکلیں بھی تو ایک بڑی چادر سے مقامات زینت مثلاً سینہ، زیور اور خوبصورت کپڑوں کو ڈھانپ کر نکلیں اور جب نامحرموں

Marfat.com

سے ملیں تو جانبین آنکھوں کو جھکا لیں۔ان ہدایات سے ہم مندرجہ ذیل نتائج نکال سکتے ہیں۔

اول۔ ہمارا موجودہ پردہ قرآن سے ثابت نہیں۔

دوم۔عورتیں ایک بڑی چادر میں اندر باہر آسکتی ہیں۔

سوم۔وہ آنکھیں جھکا کر غیر محرموں سے گفتگو کر سکتی ہیں۔

چہارم۔اگر وہ حیا و عصمت کے تقاضوں کا خیال رکھیں تو زندگی کے ہر شعبے میں برابر حصہ لے سکتی ہیں۔وہ چاہیں تو معلم بنیں، فلسفہ سیکھیں، سیاسیات میں حصہ لیں، سائنس پڑھیں، ڈاکٹر بنیں، تلوار چلائیں، ہوا میں اڑیں، سمندر میں تیریں انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ بشرطیکہ حیا و عصمت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔اللہ گناہ وار بے حیائی کا دشمن ہے۔عورت کی بے حجابی کا دشمن نہیں۔اگر ایک عورت پردے میں رہ کر عصمت بیچ رہی ہے تو کیا وہ اللہ کے عذاب سے محض اس لئے بچ جائے گی کہ وہ بی بی بن کر اندر بیٹھی ہوئی ہے۔اللہ کا مقصد گناہ کو روکنا ہے مرد و زن کی آزادی پہ پابندی لگانا نہیں۔اگر مرد و زن آنکھیں نیچی رکھ سکتے ہیں تو آزاد ہیں۔ورنہ مرد کو جیل میں اور عورت کو گھر کی چار دیواری میں بطور سزا بند کر دیا جائے۔

ایک تاریخی واقعہ

جب راون سیتا جی کو اٹھا کر لے گیا تو سیتا راستے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر زیور ٹپکاتی گئیں تا کہ پسماندگان کو سراغ لگانے میں آسانی رہے یہ تمام زیور ایک بندر اٹھا کر رام چندر جی کے سامنے لے آیا۔رام چندر جی نے اپنے چھوٹے بھائی لچھمن سے پوچھا۔"کیا تم ان زیوروں کو پہچانتے ہو"؟ لچھمن پاؤں کے زیور الگ کر کے کہنے لگا" کہ میں ان زیوروں کو پہچانتا ہوں" جب رام چندر جی نے باقی زیورات کو نہ پہچاننے کی وجہ پوچھی۔تو کہنے لگا"میری نگاہ آج تک بھابی کے پاؤں سے اوپر نہیں اٹھی۔"

سبحان اللہ! کیا کردار ہے۔ایک ہی گھر میں برسوں رہے، اکٹھا دیس نکالا ملا جنگل میں بھی شب و روز اکٹھے رہے۔لیکن دیور کی نظر بھاوج کے پاؤں سے ایک لمحہ کے لئے بھی اوپر نہ گئی۔یہ ہے وہ بلند کردار جو قرآن اپنے پیروؤں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔اگر آج ہم میں بھی اس قسم کے

Marfat.com

مرد پیدا ہو جائیں تو ہماری عورتیں جنگلی ہرنیوں کی طرح خود بخود آزاد ہو جائیں اور سوسائٹی میں انہیں مناسب مقام مل جائے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں لچھمن بہت کم ہیں اور راون بہت زیادہ ملے۔ ہمیں مجبوراً اپنی سیتاؤں کو حریص نگاہوں سے بچا کر رکھنا پڑتا ہے۔

عورتوں کی آزادی مانگنے والو! پہلے نیک اور شریف النفس بنو۔ نگاہیں نیچی رکھو۔ شرمگاہوں پہ حیاو عصمت کے پہرے بٹھاؤ۔ عورتیں خود بخود آزاد ہو جائیں گی۔

اگر ہمارا کردار کافرانہ ہو اور ہم کسی سرخ دوپٹے کو دیکھ کر میلوں اس کا پیچھا کرتے ہوں تو انصافاً کہئے کہ ہم کس برتے پر اپنی معصوم بہنوں اور بیٹیوں کو باہر بھیجیں۔ ہمارا موجودہ پردہ اسلامی نہیں بلکہ محض مجبوری اور ضرورت کا پردہ ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ مسلم نوجوان اس قدر اخلاقاً گر چکا ہے کہ وہ شب و روز عورت کا پیچھا کرتا رہتا ہے بلکہ میں صرف ایک خطرے کا ذکر کر رہا ہوں۔

عورتوں کی آزادی کے چند فوائد

مجھے اس سے انکار نہیں کہ خواتین کی آزادی میں کچھ خطرات بھی ہیں، لیکن ساتھ ہی کچھ فوائد بھی ہیں۔ مثلاً جس محفل یا جلسے میں کوئی عورت آ جائے تو تمام مرد گفتگو میں متین، قہقہوں میں معتدل، حرکات میں مہذب اور بحث و مناظر میں میانہ رو بن جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں درج ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔ تم ان عورتوں سے نکاح کرو جنہیں تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

موجودہ پردے کی صورت میں پسند و انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ اگر مرد کو اپنی رفیقہ حیات پسند کرنے کا موقعہ نہ دیا جائے تو اس کی خانگی زندگی عموماً بدمزگی، تصادم اور نامرادی کی ایک طویل داستان بن کر رہ جاتی ہے۔ انتخاب سے میرا مطلب مغربی انتخاب نہیں بلکہ جانبین کو ایسے موقع بہم پہنچانا ہیں کہ مرد و زن ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔

قدیم رسوم و روایات میں پلے ہوئے بزرگ یقیناً میری اس تجویز پر برا منائیں گے۔ اور کہیں گے کہ تو کون ہوتا ہے ہماری لڑکیوں کو غیر محرموں سے پسند کرانے والا۔ ہم مر جائیں گے لیکن یہ بے غیرتی گوارا نہیں کریں گے...... میاں صاحب! مجھ پر ناراض ہونے کی کوئی وجہ

Marfat.com

نہیں۔ میں تو قرآن پیش کر رہا ہوں اللہ کہہ رہا ہے کہ تم ان عورتوں سے شادی کرو جو تمہیں پسند آئیں۔ اگر ہم نے اپنے ہونے والے داماد کی نظروں سے بچی کو دور رکھا اور شادی کے بعد اسے پسند نہ آئی تو دو ہی صورتیں ہوں گی۔ طلاق یا ایک ہی چار دیواری میں دو نامراد اداس روحیں عمر بھر اپنے والدین کو کوستی رہیں گی۔ انتخاب کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اگر آپ مسلمان ہیں اور قرآن کو مانتے ہیں تو پھر آپ کو یہ حکم بھی ماننا پڑے گا۔ آپ یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ قرآن کا یہ حکم میری غیرت سے متصادم ہوتا ہے اس لئے میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ یاد رکھئے وہ دن جب آپ کی شادی کا انتظام ہو رہا تھا اور آپ نہایت گھبراہٹ اور بے تابی میں اپنے رازداروں سے پوچھتے پھرتے تھے۔ خدا کے لئے کچھ تو بتاؤ، لڑکی کالی ہے یا گوری، پتلی یا موٹی، خوبصورت ہے یا بدصورت، قدو قامت موزوں ہے یا اونٹ کی نسل کی کوئی شہزادی ہے، عادات و اطوار کیسے ہیں، باسلیقہ ہے یا اجڈ، نرم خو یا جھگڑالو۔ آپ یہ تمام سوال اسی لئے پوچھ رہے تھے کہ آپ کو پسند کا موقعہ نہیں دیا گیا تھا۔ میں صدہا ایسے گھرانوں سے واقف ہوں جو محض اس لئے اجڑ گئے کہ بیوی کے انتخاب میں شوہر کا دخل نہیں تھا۔ خود میرا گھر ایک مرتبہ اسی ''خاندانی غیرت'' کا شکار ہوا۔ دنیا میں بے شمار ایسے جوڑے موجود ہیں جو بہ ظاہر آباد ہیں لیکن ان کے سینے قبرستان سے زیادہ اداس ہیں اسلام انسانی فطرت اور حکمت و دانش کا مذہب ہے۔ یہ وہ دستور العمل ہے جس کی ہر ہدایت لازوال مسرت و راحت کا پیغام ہے۔ اسی دستور العمل کے مصنف نے یہ حکم دیا تھا کہ بیویوں کے انتخاب میں تمہاری پسند کا دخل ہونا چاہئے لیکن مفروضہ خاندانی غیرت اس حکم کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو گئی اور آج نتائج آپ کے سامنے ہیں۔

مذکور ہے کہ حضور پر نور ﷺ جب لڑائیوں پہ جاتے تھے تو ازواج مطہرات اور مسلم خواتین کی کافی بڑی تعداد آپ کے ہمراہ ہوتی تھی عورتوں کی موجودگی ہر مرد میں ہیرو بننے کا احساس پیدا کرتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام ہر میدان میں صبر و ثبات کا وہ عدیم النظیر مظاہرہ کیا کرتے تھے کہ آخر دشمن گھبرا کر بھاگ نکلتا تھا۔ صحابہ کو یہ بھی احساس ہوا کرتا تھا کہ اگر ہم ہار گئے تو ہماری یہ خواتین دشمن کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ چنانچہ وہ اپنی عزت، غیرت اور ناموس کو

Marfat.com

بچانے کے لئے یوں جم کر لڑتے تھے کہ آسمان سے ملائکہ ان پر فتح وظفر کے پھول برساتے تھے۔
یہ عورتیں مجاہدین کے لئے کھانا پکاتی تھیں اور کئی دیگر خدمات بھی انجام دیتی تھیں۔حضرت عائشہؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مشک اٹھا کر کافی دور سے غازیوں کے لئے پانی لاتی تھیں، جب کوئی غازی زخمی ہو جاتا تو اسے اٹھا کر کیمپ میں لاتی اور اس کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ایک زخمی سپاہی کا آدھا دکھ دور ہو جاتا ہے، جب یہ دیکھتا ہے کہ خود ان کی بہن، ماں یا بیوی اس کی تیمارداری کر رہی ہے۔

پچھلی جنگ عظیم میں ہر مورچے کے قریب زخمیوں کے لئے عارضی ہسپتال قائم کئے گئے تھے۔ جن میں تیمارداری کے لئے عورتیں مقرر کی گئی تھیں۔ کیونکہ عورتوں کا نرم و حساس دل دوسروں کی تکالیف سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور ان کا سلوک بیمار سپاہیوں سے بہت زیادہ ہمدردانہ اور ہمشیرانہ ہوتا ہے۔

عورتوں کا مطالبہ

عورتیں آئے دن یہ مطالبہ کرتی رہتی ہیں کہ ہمیں ہمارے حقوق دو۔یعنی پردے سے باہر نکالو ہمیں اعلیٰ تعلیم دلاؤ۔شوہر کے انتخاب اور اسے طلاق دینے کی اجازت دو جدوجہد حیات میں برابر کا شریک بناؤ اور آبائی وراثت سے ہمارا حصہ الگ کرو۔

جہاں تک اللہ کا تعلق ہے وہ ان مطالبات کو مدت سے منظور کر چکا ہے۔ پردے کے متعلق آپ قرآن کا فیصلہ سن چکے۔رسول کریم ﷺ نے حصول علم ہر مسلم اور مسلمہ کے لئے فرض قرار دیا ہے، خاوند کو طلاق دینے (خلع) کا حق اسے شرعاً حاصل ہے لیکن چونکہ عورت فطرتاً کم حوصلہ، زود رنج اور جلد باز واقع ہوئی ہے اور ممکن ہے کہ وہ جلدی میں کوئی ایسا فیصلہ کر بیٹھے جس پر اسے بعد میں پچھتانا پڑے۔اس لئے اسے حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ شوہر سے جان چھڑانا چاہتی ہے تو حاکم شرع کو اپنی کہانی سنائے۔اگر حاکم مطمئن ہو جائے کہ عورت کی شکایات معقول ہیں تو وہ اسے شوہر سے علیحدہ کر دے۔

عام طور پر والدین خود ہی اپنی لڑکیوں کے لئے شوہر تلاش کرتے ہیں اور نکاح کے وقت بیٹی سے جبراً اختیارات لے کر اسے ایک نادیدہ و ناشنیدہ انسان کے حوالے کر دیتے ہیں بیٹی کو

Marfat.com

خاوند پسند ہو یا ناپسند ان کی بلا سے۔ انہوں نے تو سر سے بوجھ اتارنا تھا۔ میں کئی ایسی حسین، پاکیزہ مذاق، لطافت پسند اور تعلیم یافتہ لڑکیوں سے واقف ہوں جنہیں دولت کے لالچ میں ماں باپ نے جاہل، سیہ رو، اجڈ، غلیظ بدصورت اور عمر رسیدہ شوہروں کے حوالے کر دیا اور وہ گھر کے جیل خانہ میں پڑی اداس زندگی کے آہستہ خرام دن گزار رہی ہیں۔

اس مسئلے پر شریعت کا نقطہ خیال ہمارے سامنے ہے شریعت کی رو سے نکاح اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک عورت ''ہاں'' نہ کہے..... اگر کوئی لڑکی خاوند کو دیکھے سنے بغیر ہاں کر دیتی ہے تو یہ اس کی اپنی غلطی ہے۔ جس کا بعض اوقات اسے نہایت تلخ خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ورنہ شریعت اسے اجازت دیتی ہے کہ ''ہاں'' کہنے سے پہلے تحقیق کر لے کہ اس کا ہونے والا شوہر کیا چیز ہے۔

اعتراض

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ خاوند کو اجازت ہے کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے بغیر عورت کو طلاق دے کر ایک لمحے میں گھر سے نکال دے لیکن عورت پہ یہ پابندی لگا دی ہے کہ وہ عدالتوں میں خراب ہوتی پھرے، کیا یہ تفاوت خلاف انصاف نہیں۔

جواب

(۱) عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جائیں تو سارے سسرال میں بیوی کا کوئی ہمدرد باقی نہیں رہتا اس قسم کے ناسازگار ماحول میں بیوی، مرعوب اور خوفزدہ ہو جاتی ہے اور اس میں یہ ہمت ہی نہیں رہتی کہ وہ شوہر کو طلاق دے۔ اس لئے عدالت کو کہا گیا ہے کہ وہ عورت کی مدد کرے۔

(۲) عورت فطرتاً جلد باز، زود رنج اور کم حوصلہ ہوتی ہے۔ اگر طلاق کے اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوتے تو ممکن تھا ذرا سی رنجش پہ طلاق کا کلہاڑا شوہر کے سر پر دے مارتی اس لئے اسے ان اختیارات سے محروم کر دیا گیا۔

(۳) نیز ممکن تھا کہ شوہر بھی کسی وقت کسی چھوٹی سی بات پر بگڑ کر طلاق دے بیٹھتا۔ اس لئے

Marfat.com

قرآن نے حکم دیا کہ عورت تین طلاقوں سے حرام ہوگئی اور ہر طلاق ایک حیض کے بعد دی جاسکتی ہے۔ چونکہ طلاق کا مروجہ طریقہ ہرگز قرآنی نہیں اس لئے اگر کوئی شخص ایک وقت میں یا دس دن میں اپنی بیوی کو دس لاکھ مرتبہ دے تب بھی ایک طلاق سمجھی جائے گی۔ قرآنی طلاق کی صورت یہ ہے کہ عورت کو طلاق دو۔ جب اندازاً مہینہ گزر جائے تو دوسری طلاق دو اور پھر مہینے کے بعد تیسری۔ اس عرصے میں شوہر جب چاہے اپنے فیصلہ کو بدل سکتا ہے اگر اس عرصے میں خاوند بیوی کو چھولے یا پیار محبت کی باتیں کر بیٹھے یا اس کے ساتھ ایک چارپائی پر بیٹھ جائے تو فقہا کے ہاں پچھلی طلاق یا طلاقیں خود بخود منسوخ ہو جاتی ہیں۔ طلاق کی یہ میعاد اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ خاوند کو مزید سوچنے اور رشتہ داروں کو مصالحت کرانے کے مواقع مل جائیں۔

اسی طرح عورت کو یہ حکم کہ طلاق حاصل کرنے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے کچھ اسی قسم کی مصلحت کا حامل ہے۔ آخر عدالت میں جانے، عرضی دینے، شہادت پیش کرنے اور شوہر کے عذرات سننے پر دو چار ہفتے تو ضرور ہوں گے۔ ممکن ہے کہ اس عرصہ میں عورت اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرلے یا مرد اپنی غلط روش بدل ڈالے یا کوئی اور بہتر صورت نکل آئے۔ الغرض طلاق دینے میں میاں اور بیوی ہر دو پہ پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں، جن کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جانبین کو اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کرنے کے کافی مواقع دیئے جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ پابندیاں تقاضائے انصاف ہیں۔

وراثت

آبائی وراثت میں عورت کا حصہ اگر مرد سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ فرض کرو کہ ایک گھر میں ایک لڑکا ہے اور دو لڑکیاں، لڑکا نصف جائیداد کا وارث ہوگا اور نصف کی یہ لڑکیاں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کو لڑکے کے برابر نہیں سمجھا گیا لیکن حقیقت یوں نہیں۔ اگر رحلت والدین کے بعد یہ لڑکیاں شادی نہ کریں تو خرچ بھائی کے سر اور اگر کریں تو پھر پدری جائیداد سے نصف لینے کے بعد زندگی بھر کا نان ونفقہ شوہر کے سر۔ اگر مہینے میں ایک لڑکی کا خرچ پچاس روپے بھی ہو تو گویا کم ازکم بیس تیس ہزار روپیہ شوہر سے لیا۔ مہر الگ، زیور کپڑا الگ اور اس کی جائیداد میں

Marfat.com

حصہ واری الگ۔ پھر یہاں بھی تو بیٹے کی جائیداد میں شریک ہوگئی۔ انصافاً کہو کہ کون فائدے میں رہا۔ بیٹا یا بیٹی اور قرآن نے کس کو زیادہ حصہ دلایا؟ یہ بھی یاد رہے کہ بیٹے کے گھر ایک بیوی بھی ہے اور چند بچے بھی، جن کا بوجھ اسی کے سر ہے۔

الغرض عورتوں کے تمام مطالبات قرآن نے آج سے چودہ سو برس پیشتر منظور کر لئے تھے۔ اگر ان کے والدین اور شوہر قرآن کی مخالفت کریں اور اللہ کے صریح احکام کو توڑ کر اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں پر مظالم توڑیں، انہیں جائیداد، آزادی اور اعلیٰ تعلیم سے محروم کریں تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج؟

عورتوں کے دکھوں کا واحد علاج

آج عورت مرد کے سامنے بے بس ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں اول، رواج اور دیرینہ روایات۔ دوم، عورتوں کی ہمہ گیر بے علمی۔ سوئم، عورتوں کی خاموشی۔

ان تمام دکھوں کا واحد علاج عورتوں کو تعلیم دلانا ہے۔ تعلیم کردار کو بلند، شخصیت کو باثر اور زبان کو فصیح بنا دیتی ہے۔ علم سے تصورات حیات بدل جاتے ہیں، علم روح میں بالیدگی، ایمان میں تازگی دل میں حرارت اور جذبات عالیہ میں حرکت پیدا کرتا ہے۔

ہمارا یہ فرض ہے کہ بچیوں کو بلند تعلیم دیں۔ اگر کسی شہر میں لڑکیوں کا کالج موجود نہ ہو تو لڑکوں کے کالج میں انہیں بھیجیں۔ میں مانتا ہوں کہ لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنے میں کچھ خطرات بھی ہیں لیکن فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اللہ نے شراب و قمار کو حرام کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

واثمھما اکبر من نفعھما۔ کہ ان کا نقصان فائدے سے زیادہ ہے

اور اس لئے ان کو حرام کر دیا گیا تھا۔ دوسری طرف اگر لڑکیاں لڑکوں کے ہمراہ بیٹھ کر پڑھیں تو فوائد نقصانات سے بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے یہ اقدام جائز ہوگا۔

بہر رنگ اگر ہماری بیٹیاں بلند علم کے زیور سے آراستہ ہو جائیں تو پھر مردوں کو یہ ہمت نہیں ہوگی کہ وہ عورتوں کے جائز حقوق کو غصب کر سکیں۔ علم وہ طاقت ہے جو ہر رکاوٹ کو ہٹا کر اپنا راستہ خود ہموار کر لیتی ہے۔ اسلام نے حصول علم مرد و زن ہر دو کے لئے فرض قرار دیا ہے تاکہ ہر دو طاقتور بن جائیں اور کوئی جانب دوسرے کو کمزور سمجھ کر اس کے حقوق پہ دست درازی نہ کر سکے۔

Marfat.com

فدیہ صیام

فدیہ کے معنی ہیں کفارہ، سزا، عوضانہ جرمانہ۔ قرآن میں بعض فروگذاشتوں کے لئے فدیہ مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً

ولا تحلقوا روسکم حتی یبلغ الھدی محلہ فمن کان منکم الیضا اوبہ اذی من راسہ ففدیتہ من صیام او صدقہ او نسك۔ (قرآن حکیم)

حج کے دوران میں جب تک قربانی اپنے ٹھکانے پہ نہ پہنچ جائے سر مت منڈواؤ۔ ہاں اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ روزہ، صدقہ یا قربانی کی صورت میں فدیہ ادا کر کے سر منڈا سکتا ہے۔

(۲) زن وشوہر کو حکم ہے کہ وہ حسن سلوک سے گزارہ کریں لیکن اگر ناچاقی ہو جائے مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلتی ہو اور زوجہ طلاق لینے پر مصر ہو تو فدیہ دے کر طوق زوجیت سے خلاصی کرا سکتی ہے۔

فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ۔

اگر یہ خطرہ ہو کہ زن وشوہر حدود الٰہی کی پابندی نہ کر سکیں گے، تو پھر بیوی فدیہ دیکر شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

وضاحت کے لئے یہ دو امثال کافی ہیں۔ ان آیات میں کسی نہ کسی لغزش کا ذکر کرنے کے بعد فدیہ کی صورت میں تلافی کی ہدایت کی گئی ہے تو گویا فدیہ کفارہ ہے کسی لغزش کا یا کسی فرض کو سر انجام نہ دینے کا۔ اپنے فرض کو پورا نہ کرنے والا یقیناً مجرم ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی اس کوتاہی کا وہی کفارہ ادا کر دے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ تو وہ اللہ کی نگاہ میں مجرم نہیں رہتا احرام کی حالت میں سر منڈوانا جرم ہے لیکن اگر کوئی حاجی مجبور ہو جائے اور کفارہ ادا کر دے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی نگاہ میں مجرم نہیں رہے گا۔

Marfat.com

ان تمہیدی سطور کے بعد آیئے ذرا آیات صیام پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا تارک الصیام کوئی فدیہ دے کر اپنی کوتاہی کی تلافی کرسکتا ہے؟

قرآن حکیم میں صیام پر صرف چار آیات ہیں۔ جو پارہ دوم کے چھٹے رکوع میں یکجا دی ہوئی ہیں۔

پہلی تین آیات ہیں۔

کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ ایام معدودات ط فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر۔ علی الذین یطیقونہ فدیتہ طعام مسکین ط فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ ط وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینت من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ط ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر ط یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملو العدۃ و لتکبرو اللہ علی ما ھدا کم و لعلکم تشکرون۔

تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے یہ اس لئے کہ تم متقی بنو روزے چند دن ہیں اگر تم بیمار یا مسافر ہو تو رمضان کے بعد گنتی پوری کرو اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں (اور پھر نہیں رکھتے) وہ فدیہ ادا کریں یعنی (ہر روزہ کے عوض) ایک غریب کو کھانا کھلائیں اگر وہ زیادہ اچھا ہے اور بہتر تو یہی ہے کہ تم (فدیہ کی جگہ) روزے رکھو اگر صاحب علم ہو۔ ماہ رمضان میں قرآن نازل ہوا جو دنیائے انسانی کے لئے ہدایت۔ دلیل ہدایت اور فرقان ہے اگر تم رمضان کو پالو (سکان قطبین نہیں پا سکتے) تو روز رکھو۔ اور بحالت سفر مرض باقی ایام میں گنتی پوری کرلو۔ اللہ تمہارا سکھ چاہتا ہے۔ دکھ نہیں چاہتا۔ گنتی کو پورا کرو اور اس ہدایت کے بعد اللہ کی عظمت بیان کرو۔ نیز شکریہ ادا کرو۔

آیات بالا میں ''یطیقونہ'' تشریح طلب ہے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ اطاق یطیق

Marfat.com

باب افعال ہے جس کا ایک خاصہ سلب ماخذ (نفی) بھی ہے اس لئے یطیقون کی تفسیر ہوگی لا یطیقون یعنی جولوگ روزہ کی حالت نہیں رکھتے مثلاً ضعیف، بوڑھے، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں وغیرہ۔

یہ تفسیر بوجوہ محل نظر ہے۔

اول۔ باب افعال کا خاصہ صرف سلب ماخذ ہی نہیں بلکہ چند اور خواص بھی ہیں۔ مثلاً

تعدیہ (لازم کو متعدی بنا کر دو مفعول لانا)

تغیر (کسی چیز کو صاحب ماخذ بنانا)

بلوغ (ماخذ میں آنا)

مبالغہ (کسی شے کی کیفیت پہ مبالغہ بیان کرنا)

وجدان (کسی چیز کو ماخذ کے ساتھ متصف پانا)

تعریض (مفعول کو محل ماخذ میں لے جانا)

حینونت (کسی چیز کا ماخذ کے وقت کو پہنچنا)

مطاوعت (فعل کے بعد اس غرض کے لئے استعمال کرنا کہ مفعول فاعل کا اثر قبول کر چکا ہے۔ بشرتہ فابشر)

نسبت۔ بہ ماخذ (کسی چیز کو ماخذ کی طرف منسوب کرنا)

ان تمام خواص کو چھوڑ کر یطیقونہ کو سلبی معنوں میں استعمال کرنے کے لئے کوئی قرینہ درکار ہے جو یہاں موجود نہیں۔ مزید برآں جب یطیقون ایجابی معنوں میں استعمال ہو کر ایک مفید ہدایت ہم تک پہنچا رہا ہے اور یہ ہدایت کسی اور نقص سے متصادم نہیں ہو رہی اور نہ تقاضائے تقویٰ کے خلاف ہے (تفصیل آگے آ رہی ہے) تو اسے سلبی معنوں میں استعمال کرنا محض تکلف ہے۔

دوم۔ قرآن عربوں پر اترا تھا۔ وہ اپنی زبان کے اسماء و افعال کے خواص سے پوری طرح آشنا تھے اور الفاظ کے تمام پہلوؤں پر ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ آیئے! ذرا تاریخ کی ورق گردانی کریں اور دیکھیں کہ صحابہ کرام نے اس آیت (وعلی الذین یطیقونہ الخ) کا مفہوم کیا سمجھا تھا؟

Marfat.com

بخاری میں درج ہے۔

وقال ابن نمير حدثنا الاعمش حدثنا عمرو بن مرة حدثنا ابن ابی لیلی حدثنا اصحاب محمد صلعم نزل رمضان فشق عليهم فكان من اطعم كل يوم مسكينا ترك الصوم ممن يطيقه و رخص لهم فی ذالك فنسختها وان تصوموا خیرلکم فامروا بالصوم۔

(صحیح بخاری طبع مطبع عثمانیہ مصر ۱۳۵۱ھ کتاب الصوم ۲۲۸ ج اول)

ابن نمیر اعمش سے وہ عمرو بن مرہ سے۔ وہ ابن ابی لیلیٰ سے اور ابن ابی لیلیٰ صحابہ کرام سے راوی ہے کہ جب رمضان کے متعلق آیات اتریں اور صحابہ کو روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس ہونے لگی تو ان میں سے بعض کسی غریب کو کھانا کھلا دیتے اور طاقت صوم کے باوجود روزہ نہ رکھتے۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں اس سہولت کی اجازت دے رکھی تھی لیکن اس آیت وان تصوموخیرلکم (اگر تم روزہ رکھو تو بہتر ہے) نے اس سہولت (فدیہ صیام) کو منسوخ کر دیا اور تمام صحابہ روزہ دار بن گئے۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل نتائج واضح طور پر نکلتے ہیں۔

۱۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام (جن پر قرآن نازل ہوا تھا) سب نے یطیقون کا مفہوم یطیقون ہی سمجھا تھا۔ نہ کہ لایطیقون۔

۲۔ کہ حضور علیہ السلام نے اس آیت کے مطابق صحابہ کو اجازت دی تھی کہ جو لوگ روزہ نہ رکھنا چاہیں وہ فدیہ دیں۔

۳۔ کہ صحابہ اس سہولت سے مستفید ہوتے رہے لیکن راوی کہتا ہے کہ یہ رعایت وان تصوموکی آیت نے منسوخ کر دی تھی۔ راوی کی یہ رائے بہ وجوہ قابل اعتراض ہے۔

ا۔ یہ راوی کی اپنی رائے ہے۔ راوی ایک عام انسان ہے اس پر وحی نازل نہیں ہوتی، نہ اللہ نے اسے تنسیخ آیات کے اختیارات دیئے ہیں اور نہ رسالت پناہ کا کوئی ایسا فرمان موجود ہے

Marfat.com

کہ فلاں راوی آیات کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اس لئے راوی کا یہ فیصلہ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

۲۔ تنسیخ آخری حرب ہے جو ایسے متباین ومتارض احکام پہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں کوئی تاویل تطبیق پیدا نہ کر سکے اور آیات زیر بحث میں تباین موجود ہی نہیں۔ آیات کا مفہوم اتنا صاف ہے کہ تصادم کا خیال تک نہیں آسکتا۔ اللہ کریم فرمارہے ہیں کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہ رکھتے ہوں وہ فدیہ ادا کریں۔ لیکن رکھ لیں تو بہتر ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ راوی کو کونسی مشکل پیش آئی کہ ایک ہی آیت کا ایک ٹکڑا جو غالباً ایک سیکنڈ پہلے اترا ہوگا منسوخ کر ڈالا۔ غالباً راوی نے یہ مفروضہ قائم کرلیا تھا کہ وعلی الذین یطیقونہ والا حصہ وہ چار سال پہلے نازل ہوا تھا پھر ''وان تصوموا'' اترا اور وہ رعایت منسوخ ہوگئی۔ حالانکہ یہ دونوں ہدایات ایک ہی آیت میں موجود ہیں اور مضمون بھی ہر لحاظ سے مسلسل ہے۔ پھر ہم یہ کیسے فرض کرلیں کہ فدیہ والی رعایت کا اعلان دو چار سال پہلے ہوا تھا۔ اس تمام عرصہ میں یہ آیت نامکمل پڑی رہی اور ایک دن اچانک عرش کی بلندیوں سے یہ صدا گونجی کہ۔

وان تصوموا خیر لکم۔

فوراً اس آیت کا پہلا حصہ منسوخ ہو کر دہ جا پڑا اور آیت مکمل ہوگئی۔

ہم اس راوی اور دیگر قائلین نسخ سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ رعایت منسوخ ہو گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے قرآن میں کیوں رہنے دیا۔ جس طرح (بقول بخاری) رجم کی آیت منسوخ ہونے کے بعد قرآن سے نکال دی گئی تھی اسی طرح اس آیت کو بھی قلمزد کر دیا جاتا یا قرآن کے ساتھ منسوخ شدہ آیات کی فہرست لگا دی جاتی تاکہ جو لوگ صحیح بخاری پڑھے ہوئے نہیں وہ منسوخ شدہ آیات سے دھوکہ نہ کھا جائیں اور فدیہ کو صوم کا کفارہ نہ سمجھ بیٹھیں۔

اور یہ بھی تو سوچئے کہ اگر اس رعایت کو منسوخ تصور کرلیں تو وان تصوموا کا مفہوم کیسے سمجھ میں آئیگا موجودہ صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہے۔

جو لوگ بلا عذر روزہ نہیں رکھتے وہ فدیہ دیں لیکن روزہ فدیہ سے بہتر ہے اگر پہلا حصہ اڑا دیں تو آیت صرف اتنی رہ جائے گی۔

Marfat.com

''لیکن روزہ بہتر ہے۔''

سوال یہ پیدا ہوگا کہ کس چیز سے بہتر ہے؟ پہلا حصہ تو منسوخ ہوگیا، فدیہ کا قصہ ختم ہوگیا، اب اس سوال کا آپ کیا جواب دیں گے؟ مجبوراً یہی کہیں گے کہ فدیہ سے بہتر ہے۔ تو گویا بغیر اس کے کوئی چارہ ہی نہیں کہ فدیہ والی آیت کو زندہ اور قابل عمل حکم تسلیم کر کے ان تصوموا کو اس کا ایک حصہ قرار دیں۔ یہی ہے فیصلہ صحیح بخاری کے شارح علامہ قسطلانی کا حدیث زیر نظر کی شرح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قوله فنسخنها وان تصوموا خير لكم فی كونه ناسخا نظر.

(بخاری حاشیہ ص ۲۲۸)

راوی کی یہ رائے کہ ان تصوموا سے رعائت فدیہ منسوخ ہوگئی۔ محل نظر ہے۔

۳۔ بغرض بحث ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ اللہ نے پہلے فدیہ والی آیت اتاری اور پھر منسوخ کر دی۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ پہلے اتاری کیوں تھی آپ یہی کہیں گے کہ عربوں کو بتدریج روزے کی طرف مائل کرنے کے لئے، کہ انہوں نے پہلے کبھی رکھے نہیں تھے۔ بہت اچھا۔ لیکن کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ رعایت صرف چند صحابہ کو کیوں دی گئی اور بعد کے کروڑوں نو مسلم اس سے کیوں محروم کر دیئے گئے۔ اگر صحابہ نو مسلم ہونے کی وجہ سے روزے کو ایک مشکل فرض سمجھتے تھے تو ایران، ہندوستان، افریقہ، چین اور روس کے نو مسلموں کے متعلق یہ کیوں فرض کر لیا گیا کہ یہ سب کے سب روزہ داری کے ہنر میں بڑے مشاق واقع ہوئے تھے اور انہیں کسی رعایت یا سہولت کی ضرورت نہ تھی اور کیا خیال ہے اس نوجوان مسلم کے متعلق جو سن بلوغ کو پہنچ کر جون کے سخت رمضان میں پہلی مرتبہ روزے رکھتا ہے، اسے روزے کی سابقہ مشق نہیں ہوتی، وہ رعایت فدیہ کا کیوں مستحق نہیں اور چند صحابہ میں اس نوازش کا استحقاق کہاں سے پیدا ہوگیا تھا؟ اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ نے پہلے یہ رعایت دی اور جب دیکھا کہ صحابہ کرام اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کوئی روزہ نہیں رکھتا تو یہ رعایت واپس لے لی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ تو خدا کو صحابہ

Marfat.com

کی استعداد و صلاحیت کا علم تھا اور نہ وہ اس رعایت کے نتائج سے (خاکم بدہن) آگاہ تھا۔ اس لئے ایک غلط حکم کو جاری کر کے واپس لے لیا تا کہ نظام ملت درہم برہم نہ ہو جائے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اس غلط منطق کے نتائج کتنے پریشان کن ہیں۔

۴۔ اللہ کا دعویٰ ہے۔

نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (قرآن)

ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

لیکن حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ آیۂ رجم قرآن میں موجود تھی اور بعد میں کسی نے نکال دی (موطا و بخاری) سورۂ واللیل کی آیت میں تحریف ہو چکی ہے۔ (صحیح مسلم) شہدائے بئر معونہ کے متعلق جو آیات اتریں تھیں۔ وہ آج قرآن میں موجود نہیں (بخاری و مسلم) حافظوا علی الصلوات والصلواۃ العصر کی آیت منسوخ ہو گئی اور العصر کی جگہ الوسطیٰ نے لے لی ہے (مسلم) فدیہ صیام والی آیت منسوخ ہو چکی ہے (بخاری) اور دیگر بیسیوں آیات منسوخ ہو چکی ہیں۔ اگر یہ احادیث درست ہیں تو پھر اللہ کا وعدہ حفاظت قرآن کہاں گیا اور ہم کس منہ سے دنیا کو کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا قرآن ہر لحاظ سے مکمل صحیح، جامع اور محفوظ ہے۔ ایسا محفوظ ہے کہ

لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه۔

جس میں باطل کسی راہ سے داخل نہیں ہو سکتا۔

اگر قرآن کی کئی آیات غائب ہو چکی ہیں، بعض محرف ہیں اور بیسوں دیگر موجود ہیں لیکن قابل عمل نہیں یعنی منسوخ ہیں۔ تو پھر قرآن کا دعویٰ صحت و حفاظت کیسے درست ہو سکتا ہے۔

(۵) ہمارے عام علماء میں دقت نظری کا ہمیشہ فقدان رہا ہے جہاں کہیں دو آیات کا مفہوم میں ظاہری تصادم نظر آیا جھٹ ایک آیت منسوخ کر دی۔ حالانکہ تمام الہامی صحائف کا اسلوب بیان قدرے پیچیدہ ہوتا ہے اور ایک سطحی النظر انسان کو جابجا متصادم افکار و احکام ملتے ہیں۔ اس ظاہری تصادم کو حصول علم، غور و فکر اور حقائق کونی کے مطالعہ سے دور کیا جا سکتا ہے۔ امام فخر الرازی کے زمانے میں نہ تو علم میں یہ وسعت تھی اور نہ اسرار آفاق یوں عریاں ہوئے تھے۔ اس لئے

Marfat.com

قرآن کا طالب العلم متصادم نظریوں سے گھبرا کر ناسخ و منسوخ کی پناہ لیا کرتا تھا آج کے آدم جدید کا دوست رہتا مصنف قرآن کے دامن جلال تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے آج کے انسان نے ستاروں کی بکھری بکھری محفل، کوہساروں کی بلند و پست چوٹیوں اور کائنات کے غیر مربوط مناظر میں وحدت و نظم اور ربط و ہم آہنگی کی ایک دنیا دیکھ لی ہے۔ صحیفہ الٰہی کی سطحی بے آہنگی اسے کیوں کر پریشان کرسکتی ہے۔

اگر ہم اس ظاہری تصادم کی بنا پر آیات کو منسوخ کرنے بیٹھیں تو سارے قرآن سے ہاتھ دھونا پڑیں گا۔ مثلاً یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جس اللہ نے قرآن میں ...... رسول ﷺ اور صحابہ کرام کی تعریف کی ہے وہ خود تمام تعریفوں کا مستحق نہیں ہوسکتا اس لئے۔ الحمد للہ رب العالمین (تمام تعریفوں کے قابل اللہ ہے) کو منسوخ سمجھئے۔ اسی طرح ایاک نعبد منسوخ ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ خدا نے آدم کو فرشتوں کا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے بھائیوں کا مسجود بنا ڈالا تھا۔ اللہ ایک جگہ یضل من یشاء و یھدی من یشاء (جسے اللہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) کا اعلان کرتا ہے اور دوسری جگہ کہتا ہے کہ من شاء فلیومن و من شاء فلیکفر (جس کا جی چاہے ہدایت حاصل کرے اور جس کا چاہے گمراہ بنے) اس لئے ایک آیت کو منسوخ تصور کرنا پڑے گا۔ غرض دس بیس نہیں سینکڑوں مقامات قرآن میں ایسے ہیں جن میں سطحی تصادم نظر آتا ہے تو کیا ہم ان تمام آیات کو منسوخ کر ڈالیں اور ساتھ ہی قرآن کی صحت، حفاظت، تکمیل اور جامعیت کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتے جائیں۔

ایک مثال

فرض کیجئے کہ فضائی فوج کا سالار ایک ہوا باز کو چند تحریری ہدایات دے کر کہتا ہے کہ جاؤ گلگت کی محصور فوج کو راشن پہنچاؤ۔ اگر راہ میں بلند پہاڑوں، برفوں، بجلیوں، بادلوں وغیرہ کی وجہ سے کوئی دقت پیش آئے یا دشمن کے طیارے حملہ کردیں یا کہر میں پھنس جاؤ۔ تو ان ہدایات کو پڑھو یہ ہدایات ہر لحاظ سے مکمل ہیں اور ان کے ساتھ راہ کا نقشہ بھی شامل ہے۔

ہوا باز ہدایت کو غور سے پڑھتا ہے اور پھر مندرجہ ذیل گفتگو ہوتی ہے:

Marfat.com

ہواباز: لیکن حضور! آپ نے ہدایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ دن کے ڈیڑھ بجے سری نگر کے اڈے پر اترو، کیا وہ دشمن کے قبضے میں نہیں؟

سالار: ہاں ہے! لیکن یہ ہدایات منسوخ سمجھو۔

ہواباز: تو کیا میں اسے کاٹ دوں؟

سالار: ہرگز نہیں، اگر ایک لفظ بھی کاٹا تو تمہارا کورٹ مارشل کر دیا جائیگا۔

ہواباز: یہ عجیب ہے کہ منسوخ ہدایات کو نہ تو میں کاٹ سکتا ہوں اور نہ اس پر عمل کر سکتا ہوں، آخر اس ہدایت کو لکھنے کا مقصد کیا تھا؟

سالار: بکو مت، ورنہ......!

ہواباز: لیکن کیا حضور میں ایک الگ کاغذ پر یہ لکھ کر فلاں ہدایت بیکار ہے اسے کتابچہ ہدایات کے ساتھ منسلک کر سکتا ہوں؟

سالار: ہرگز نہیں۔

(ہواباز دیگر ہدایات کا مطالعہ کرتا ہے)

ہواباز: اور حضور یہ چند ایک ہدایات بڑی عجیب ہیں۔

سالار: (کڑک کر) مثلاً

ہواباز: مثلاً یہ کہ ہوا میں جب چاہو پٹرول بند کرو، پہاڑوں میں زیادہ سے زیادہ دس فٹ بلندی پر اڑ سکتے ہو، چلتے طیارے میں جب چاہو سو جاؤ اور......

سالار: خرافات بند کرو یہ سب منسوخ شدہ ہدایات ہیں۔

ہواباز: لیکن حضور، جب اس کتابچہ میں اس قدر منسوخ یعنی ناقابل عمل ہدایات درج ہیں تو کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ یہ ہدایت نامہ صحیح اور مکمل کیسے ہوا؟

سالار: ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ بحث بند کرو طیارہ میں بیٹھو اور چلتے بنو۔

ہواباز: لیکن جناب والا! میں ایسے ہدایت نامہ کے ساتھ کیسے روانہ ہو سکتا ہوں جس میں بیسیوں ناقابل عمل خطرناک اور منسوخ ہدایات درج ہیں اور پھر کوئی ایسی فہرست بھی

Marfat.com

ساتھ شامل نہیں جس سے منسوخ وغیرہ ہدایات میں امتیاز کرسکوں، ان ہدایات کے ساتھ اڑنا خودکشی سے کم نہیں اس لئے مجھے تعمیل ارشاد سے معذور سمجھا جائے؟

انصافاً کہئے کہ آپ اس سالار کو صحیح الدماغ انسان تصور کریں گے؟ اگر نہیں! تو پھر کیا رائے ہے ان حضرات کے متعلق جو ایک طرف تو قرآن کی اکملیت کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں اور دوسری طرف بیسیوں احکام کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

آئیہ نسخ کی تفسیر

ہمارے مفسرین نے جب قرآن میں یہ آیت دیکھی ما ننسخ من ایہ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا ہم جب کوئی آیت (دلیل، درس۔ نشان، منظر) مٹا یا بھلا دیتے ہیں تو ویسی ہی یا اس سے بہتر آیت لے کر آتے ہیں) تو لگے قرآن کی آیات کو منسوخ کرنے۔ حالانکہ اس آیت کا تعلق سلسلہ تخلیق سے تھا۔ سمندر کے ابتدائی جرثومہ حیات سے لے کر انسان تک سینکڑوں انواع منصہ شہود پر آئیں اور غیر نافع ہو جانے کی وجہ سے مٹ گئیں۔

واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔

کشمکش حیات میں صرف مفید اشیاء باقی رہ سکتی ہیں۔

پھر سلسلہ ارتقا کی تکمیل کے بعد بھی ہزار ہا اقوام محض اس لئے ناپید ہو گئیں۔ کہ ان کا وجود غیر مفید ثابت ہو گیا تھا۔ اللہ کی یہ سنت آغاز آفرینش سے کارفرما ہے اور رہے گی اور سنت کی تشریح سے وہ سینکڑوں کتب لبریز ہیں جو ماہرین تخلیق نے بود و نبود حیات پر لکھیں اور بدستور لکھ رہے ہیں۔

اگر اس آیت کا تعلق تنزیل سے بھی ہو تو بھی قرآن کی آیات کو منسوخ کرنا اپنے گھر کو خود آگ لگانا ہے۔ آخر قرآن سے پہلے بھی سینکڑوں صحیفے مختلف انبیاء پہ نازل ہوئے تھے جن میں سے بعض انسانی حافظوں سے اتر گئے مثلاً صحیفہ ابراہیم آج کہیں موجود نہیں۔ حالانکہ قرآن میں اس کا ذکر ملتا ہے اور بعض کی وقتی ہدایات منسوخ ہو گئیں مثلاً یہود وادی سینا میں رہ کر طعام واحد کھانے پر مامور تھے جس کے خلاف انہوں نے احتجاج بھی کیا تھا (لن نصبر علی طعام واحد) اور آئیہ زیر بحث میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ بعض صحائف ناپید ہو جانا یا بعض وقتی ہدایات کا

Marfat.com

منسوخ ہوجانا، نوع انسان کی رفتار ترقی کو نہیں روک سکتا۔ اس لئے کہ ہم قرآن میں ان بنیادی اور اصولی صداقتوں کو جن کا ذکر صحیفہ ابراہیم میں تھا دوبارہ پیش کر رہے ہیں اور عہد موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کی وقتی ہدایات کو نظر انداز کر کے تمہیں بہتر ہدایات دے رہے ہیں۔ ایسی ہدایات جو تمام زمانوں میں تمام طبقات انسانی کے لئے کار آمد ہونگی۔

جب آیہ نسخ کی تفسیر کئی طرح سے ہوسکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس آیت کا اطلاق قرآن پہ کریں اور اس کتاب عظیم میں قطع و برید شروع کر دیں جس کے متعلق ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے مکمل محفوظ اور جامع و مانع ہے اور پھر قطع و برید بھی ایک ہی آیت کے دو ٹکڑوں میں کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ تخیل کہ اللہ نے کہا۔

''اے مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی شخص بلا عذر روزہ نہ رکھے تو وہ فدیہ دے۔''

اور ابھی فقرہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ فرمایا۔

''اور یاد رکھو کہ اس آیت کا پہلا حصہ منسوخ ہے۔''

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک ہیڈ ماسٹر طلبہ کو کہے کہ جو لڑکا سکول میں نہیں آئے گا اس کو ایک آنہ یومیہ جرمانہ ہوگا، لیکن اس حکم کا پہلا حصہ منسوخ ہے۔ فرمایئے طلباء کیا سمجھیں گے اور ہیڈ ماسٹر کی دماغی حالت کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟

سلب ماخذ

اگر ہم یطیقون کو سلبی معنوں میں ہی لیں تو آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔

''جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے وہ فدیہ ادا کریں...... لیکن اگر وہ روزہ رکھ لیں تو بہتر ہے۔

حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو روزہ کی ترغیب دے رہا ہے جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک ظالم افسر کسی گاؤں میں داخل ہو کر بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو حکم دے کہ ہر فرد ایک ایک من کا پتھر اٹھا کر دو فرلانگ دور پھینک آئے اور جو بچے یا بوڑھے اتنا وزن نہیں اٹھا سکتے وہ جوانوں کو اجرت دیکر یہ کام کرا لیں۔ لیکن اگر یہ لوگ (بچے اور

Marfat.com

ضعیف بوڑھے) اپنا وزن خود اٹھائیں تو بہتر ہے۔

اسی طرح جب اللہ جانتا ہے کہ پیران گور رسیدہ سے طاقت صوم کلیۃً سلب ہو چکی ہے تو پھر انہیں ترغیب صوم دینے کا مطلب؟ اس لئے ہم اس بدیہی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ اس آیت کے مخاطب وہی لوگ ہیں جن میں روزہ کی طاقت تو ہے لیکن رکھتے نہیں۔

تفاسیر و تراجم

میں نے یہ آیۂ زیر بحث کے سلسلے میں مختلف تراجم و تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ بعض مترجمین بخاری کی مذکورہ بالا حدیث سے مرعوب ہو کر نسخ کے قائل تھے۔ کچھ ''یطیقون'' کو سلبی معنوں میں لے رہے تھے کچھ ''یطیقون'' کی تفسیر ''یطوقون'' کر رہے ہیں (یعنی جو لوگ روزہ میں تکلیف محسوس کرتے ہوں وہ فدیہ دیں) کچھ آیت کا ترجمہ تو وہی پیش کر رہے تھے جو میں عرض کر چکا ہوں لیکن من مانی تشریحات سے کام لے رہے تھے۔ لیجئے یہ کہانی ان حضرات کی زبانی سنئے۔

۱۔ مولانا نذیر احمد دہلوی

''اور جن (بیماروں اور مسافروں) کو کھانا دینے کا مقدور ہے ان پر ایک روزہ کا بدلہ ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے۔''

(ترجمۃ القرآن مولانا نذیر احمد)

اس ترجمہ کو سمجھنے کے لئے اصل آیت کو پھر دیکھئے۔ وہاں درج ہے کہ بیمار اور مسافر رمضان کے بعد گنتی پوری کر لیں۔ مولانا نذیر احمد فرماتے ہیں کہ فدیہ کا حکم انہی مسافروں یا بیماروں کے لئے ہے کہ یہ لوگ بھی فدیہ دیں اور بعد میں روزے بھی رکھیں۔ ہم لفظ فدیہ کی تشریح کے ضمن میں یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ فدیہ کسی فروگذاشت کا کفارہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ قاتل کو فدیہ (خون بہا) بھی لیں اور پھر اسے پھانسی پہ بھی لٹکا دیں یا ایک قیدی کا فدیہ لے کر اسے جیل ہی میں ٹھونسے رکھیں یا اپنی بیوی سے فدیہ لے کر اسے زنجیر زوجیت میں بدستور باندھے رکھیں۔ عربی کی مشہور لغت المنجد میں لفظ فدیہ کا مفہوم امثلہ سے یوں واضح کیا گیا ہے۔

۱. فدى الرجل من الامر

Marfat.com

فلاں نے قیدی کو قید سے فدیہ دے کر چھڑالیا۔

۲۔ فدت المراۃ نفسھا من زوجھا۔

بیوی نے فدیہ دیکر اپنے آپ کو قید وزوجیت سے آزاد کرالیا۔

۳۔ الفداء والفدی وفدیہ سے مراد وہ رقم وغیرہ ہے جو کسی کے عوض ادا کی جائے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ صوم وصلوٰۃ اور فدیہ صوم یکجا جمع نہیں ہوسکتے اگر کسی روزہ دار نے فدیہ ادا کردیا ہے تو وہ صوم کا مکلف نہیں رہا۔ مولانا نذیر احمد سے ترجمہ میں غلطی اس لئے سرزد ہوئی کہ لفظ فدیہ کا مفہوم پوری طرح ان پر واضح نہ تھا آخر مسافر اور مریض سے کونسا قصور سرزد ہوا ہے کہ وہ روزے بھی رکھیں اور فدیہ بھی ادا کریں۔ نہ سفر اپنے اختیار میں نہ مرض اپنے بس کی بات۔ اگر حکومت کا کوئی ملازم رمضان میں تبدیل ہوجائے یا کوئی شخص بیمار پڑجائے تو ان کا کیا قصور؟ تبدیلی کی صورت میں قصور حکومت کا ہے اور مرض اللہ کی طرف سے ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ لوگ پہلے جرمانہ ادا کریں گے اور پھر روزے رکھیں۔ کیوں؟:

کیا ''یرید اللہ بکم الیسرا'' (اللہ تمہیں ہر ممکن سہولت دینا چاہتا ہے) کا مفہوم یہی ہی؟

اس ترجمہ پر ایک اور اعتراض بھی وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ علمائے لسان کے ہاں مرجع ضمیر کا ذکر ایک عیب ہے جس سے کلام الٰہی لازماً مبرا ہونا چاہئے لیکن مولانا نذیر احمد یطیقون کی ضمیر کا مرجع فدیہ کو قرار دے کر قرآن میں اضمار قبل از ذکر کا عیب پیدا کررہے ہیں۔

(۲) علامہ جلال الدین محمد بن احمد الحلی الشافعی اپنی مشہور تفسیر ''جلالین'' میں یطیقون کو سلبی معنوں میں لیتے ہیں اور اس پر کافی بحث ہوچکی ہے۔

(۳) مولانا ابوالکلام آزاد:۔

''اور جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کے لئے روزہ رکھنا ناقابل برداشت ہو تو ان کے لئے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے۔''

(ترجمہ القرآن حصہ اول ص ۲۶۹)

مولانا آزاد نے بھی یطیقون کو سلبی معنوں میں استعمال کیا ہے۔

Marfat.com

(۴) مولانا محمد علی لاہوری یطیقون کو یطوقون کا مترادف سمجھ کر لکھتے (اور جنہیں روزہ گراں گزرتا ہو وہ ایک غریب کو کھانا کھلا کر اس فرض سے بچ سکتے ہیں۔

(۵) علامہ عبداللہ یوسف علی (انگریزی ترجمہ قرآن)

And those who find it hard to do so may

seek redemption by feeeding a poor man

اور جنہیں روزہ رکھنے میں تکلیف ہوتی ہو وہ ایک غریب کو کھانا کھلا کر روزے سے بچ سکتے ہیں۔

(۶) حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی:۔

''اور جن کو طاقت ہے تو بدلا ہے ایک فقیر کا کھانا''

(ترجمہ شاہ عبدالقادر)

حاشیہ پر اس کی تفسیر یوں درج ہے:۔

''اور جن کو طاقت ہے۔ یعنی بلا عذر ہیں اور چاہیں کہ پھر قضا کریں تو بالفعل ہر روزے کے بدلے ایک فقیر کو کھانا کھلا دیں۔''

ان حاشیہ نویس بزرگ سے کوئی پوچھے کہ یہ پھر قضا کریں اور بالفعل کہاں سے نکال لائے۔ اللہ نے صرف مریض اور مسافر کو قضا کی اجازت دی تھی اور آپ ہر فرد کو قضا کی رعایت سے سرفراز فرما رہے ہیں۔

(۷) مولانا اشرف علی تھانوی

''اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمے فدیہ ایک غریب کا کھانا ہے۔''

(بیان القرآن ۱۳۵۳ھ ج ۱ ص ۱۰۲)

اس ترجمہ کی تفسیر یوں کرتے ہیں۔

''اور دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی۔ یہ ہے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں اور پھر بھی روزہ رکھنے کو جی نہ چاہے تو ان کے ذمے کا فدیہ یعنی بدلا ایک غریب کو کھانا کھلا دینا ہے۔''

مولانا اشرف علی تھانوی نے آیت کا ترجمہ ہر لحاظ سے صحیح کیا تھا لیکن تفسیر میں ''جو بعد میں

Marfat.com

منسوخ ہوگئی'' کی پچر لگا کر حقیقت کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔

(۸) حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی

'اور اوپر ان لوگوں کے کہ طاقت رکھتے ہیں اس (روزے) کی بدلہ ہے کھانا ایک فقیر کا''

......مفہوم صاف ہے۔

(۹) حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی

''اور جن کو طاقت ہے روزے کی، ان کے ذمے بدلہ ہے۔ ایک فقیر کا کھانا۔''

ترجمہ صاف ہے۔ لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی، حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ یہ رعایت بعد میں منسوخ ہوگئی تھی۔

"وعلی المطیقین للصیام ان افطروا فدیہ طعام مسکین"

(جواہر القرآن طبع ۱۳۵۰ھ ج ۱ ص ۱۷۵)

اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی نہیں رکھتے وہ فدیہ دیں، یعنی ایک غریب کو کھانا کھلا دیں۔

اس آیت کی تفسیر یوں لکھتے ہیں۔

و علی الذین یطیقونہ فیطوقونہ یصرمونہ بجھد و مشقتہ...

فدیہ ای جزاء لما وقع من تقصیر فی العبادۃ۔

اور جن لوگوں کو روزے میں اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ روزہ ان کے گلے میں مصیبت کا ہار بن جاتا ہے، وہ فدیہ دیکر گلو خلاصی کرا سکتے ہیں (اور یہ فدیہ اس تقصیر فی العبادت کا بدلہ سمجھا جائے گا)۔

چونکہ ہمارے ائمۃ القرا نے ''یطیقونہ'' کی ایک قرات یطوقونہ بھی لکھ رکھی ہے اس لئے ہمارے بعض مفسرین یطیقون کی تفسیر یطوفون کرتے ہیں اور یہی علامہ طنطاوی نے کیا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت یطیقون کو پیش نظر رکھا اور تفسیر میں یطوفون۔ یہاں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ لا یطیقون اور یطوفون کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے لا یطیقون سے مراد صرف ضعیف

Marfat.com

اور سن رسید بوڑھے ہیں اور یطوقون سے مراد وہ لوگ جنہیں روزہ تکلیف دیتا ہو، خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے۔ چونکہ گرمیوں کا روزہ تقریباً ہر آدمی کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے اس لئے ہر آدمی فدیہ دے سکتا ہے۔

رعایت فدیہ ضروری ہے

چونکہ اسلام تمام زمانوں، تمام انسانوں اور تمام ملکوں کا مذہب ہے اس لئے فدیہ کی رعایت مندرجہ ذیل لوگوں کے لئے ضروری ہے۔

اول: ان ہزارہا امیدواروں کے لئے جن کے امتحانات رمضان کے معاً بعد شروع ہو رہے ہوں تا کہ وہ کماحقہ، تیاری کر سکیں اور ناکام نہ ہو جائیں۔

دوم: ان باشندگان منطقہائے حارہ کے لئے جن کے لئے روزہ ایک مصیبت بن جاتا ہو۔

سوم: ان انجن ڈرائیوروں کے لئے جو جون کی دوپہر کو سندھ اور بھکر کے صحراؤں میں ٹرینیں لئے جا رہے ہوں۔

چہارم: ان مزدوروں کے لئے جو کوئلے، پٹرول اور فولاد کے کارخانوں میں کام کر رہے ہوں۔ اگر یہ لوگ کام بند کر دیں تو قوم کو کروڑوں روپیہ کا نقصان ہو۔

پنجم: ان کسانوں کے لئے جو مئی اور جون کی لو میں ہل چلانے پر مجبور ہوں۔

ششم: ان مزدوروں کے لئے جو گرمی کی دوپہر میں سڑک کھودنے اور بوجھ اٹھانے پر مامور ہوں۔

ہفتم: ان فوجیوں کے لئے جو سرحدوں پر متعین ہوں اور جنہیں خطرہ ہو کہ اگر روزے کی وجہ سے ذرا ڈھیلے پڑ گئے تو دشمن حملہ بول دیگا۔

ہشتم: ان ملازمین حکومت کے لئے جن کا روزہ انہیں سست بنا دیتا ہو اور کام نہ نکال سکتے ہوں۔ پنجاب سیکرٹریٹ کے ہر شعبے میں ہر روز سینکڑوں خطوط اور مسلیں آتی ہیں اگر دس کلرک روزے کی وجہ سے سست ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ مسلوں کے انبار جمع ہو جائیں گے، کام تقریباً رک جائے گا اور حکومت بدنام ہو جائیگی۔

Marfat.com

نہم: ان معلمین کے لئے جو جماعت میں اس ڈر سے بولنا بند کر دیتے ہوں کہ کہیں گلے کی رگیں خشک نہ ہو جائیں اور پیاس نہ بڑھ جائے ایسے معلم جہاں ترک فرائض کے مجرم بنتے ہیں وہیں وہ طلبہ کو مہینہ بھر بیکار رکھ کر نقصان پہنچاتے ہیں۔

دہم: ناروے، سکاٹ لینڈ، فن لینڈ اور سویڈن کے ان باشندوں کے لئے جن کے ہاں دن 18 اور 20 گھنٹوں کا ہوتا ہے۔ وقس علی ھذا

فدیہ و صوم کا موازنہ

اللہ نے روزے کا مقصد تقویٰ بتایا ہے لعلکم تتقون روزے اس لئے فرض کئے گئے کہ تم متقی بنو اور تمہارے کردار میں پاکیزگی آجائے۔

اس حقیقت سے ہر مسلم آشنا ہے اور بیسیوں احادیث اس موضوع پر موجود ہیں کہ ایک بد کردار انسان کا روزہ بیکار محض ہے۔ اگر ایک شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولتا، وعدے توڑتا، رشوت کھاتا اور جواء کھیلتا ہے غیبت اور غمازی اس کا پیشہ بن چکا ہے تو وہ بیشک روزہ نہ رکھے۔ اس لئے کہ روزہ کا مقصد زبان، آنکھ، دل اور دماغ پر پہرے بٹھانا ہے اور جو روزہ اس مقصد کے لئے مفید نہیں روزہ نہیں، کچھ اور بلا ہے۔ پاکیزگی خواہشات پر قابو پانے سے حاصل ہوتی ہے اور انسان کی سب سے بڑی خواہش زر اندوزی ہے۔ ہم نے زندگی میں بار بار دیکھا ہے کہ بعض لوگوں نے جان دیدی لیکن پیسہ نہ دیا اور یہ بھی دیکھا کہ چند ٹکوں کی خاطر بڑے بڑے خوبصورت نوجوان آگ میں کود پڑے۔ آپ میں سے اکثر دو جنگ ہائے عظیم دیکھ چکے ہیں۔ انگریز نے لاکھوں نوجوان ہمارے ملک سے ستره روپے پر خرید کر جنگ کی بھٹی میں جھونک دیئے۔ ان نوجوانوں نے ستره روپوں کو اتنی بڑی دولت سمجھا کہ ان کی خاطر مرگ و ہلاکت کے کھولتے ہوئے جہنم میں کود پڑے۔

ایک چور آبادی سے دور غاروں میں رہتا ہے جہاں بھر کے مصائب جھیلتا ہے رات کو میلوں سفر کر کے دبے پاؤں کسی فصیل سے کود کر کسی گھر میں داخل ہوتا ہے۔ گھر والوں کو بے رحمانہ قتل کرتا ہے سارا شہر اس کا محاصرہ کرتا ہے۔ وہ گالیاں، اینٹ، پتھر، لاٹھیاں اور گولیاں کھاتا ہوا

Marfat.com

پھر میلوں بھاگتا ہے، جانتے ہو کس لئے؟...... صرف مال کے لئے، مال بڑی پیاری چیز ہے اتنی پیاری کہ ادھر حضور علیہ السلام کی آنکھ بند ہوئی اور ادھر ایک پورے قبیلے نے اللہ کی راہ میں مال پیش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

تحبون المال حبا جما... (قرآن)

مال کی حرص و محبت تمہاری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔

پاکستان میں ایسے امراء واغنیا کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے جو مسلم ہونے کے باوجود زکوٰۃ کا ایک پیسہ تک ادا نہیں کرتے۔ قوم پہ بڑی سے بڑی مصیبت بن جائے، وہ ایک کوڑی تک نہیں دیتے، کیوں؟ اس لئے کہ دولت بڑی پیاری چیز ہے۔ چونکہ اسلام اس طرح کی تمام انسانی خواہشات کو کچلنے کے لئے آیا تھا اس لئے اس نے زکوٰۃ کو مذہب کا اصل الاصول بنا دیا۔ اور اعلان کیا۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا ما تحبون۔

کہ جب تک ہماری راہ میں اپنی پیاری دولت خرچ نہیں کرو گے کبھی کامیاب نہیں ہو گے۔

اور ساتھ ہی دھمکایا کہ ہم تمہاری جمع کردہ دولت سے تمہارے اجسام کو داغیں گے اور تم پر ذلت ولعنت برسائیں گے۔ صحابہ کرام خدائی منشا کے سانچے میں یوں ڈھل چکے تھے کہ شہنشاہی میں بھی فقیری کو ترجیح دیتے تھے روم وایران کے خزائن، مصر وشام کے باپایاں دفائن، ان کے قدموں میں پھینک دیئے گئے تھے لیکن ان تقویٰ شعاروں نے ان انبار ہائے دولت کی طرف نگاہ تک اٹھانا نگاہ کی توہین سمجھی اور تمام خواہشات کو کچلتے ہوئے معالی حیات کی طرف اس انداز سے بڑھے کہ انسان تو ایک طرف ملائکہ ورب الملائکہ تک نے بھی ان پر تحمید وثنا کے پھول برسائے۔

ان تفاصیل سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ انسان میں مال کی محبت کتنی شدید ہے اور اس سے مال لینا گویا گوشت سے ناخن جدا کرنا ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حصول پاکیزگی میں روزہ بہترین عبادت ہے لیکن فدیہ بھی تو کوئی ایسی ویسی نیکی نہیں۔ اگر حکومت پاکستان تمام بے روزوں سے فدیہ جمع کرنے کا انتظام کرے تو

Marfat.com

پاکستان میں ایک بھی غریب نہ رہے۔ پاکستان کی موجودہ آبادی دس کروڑ ہے جن میں مکلفین روزہ کی تعداد چھ کروڑ سے کم نہیں ہوگی۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ روزہ والوں کی تعداد کہیں بھی پانچ فیصدی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے پاکستان میں صرف ۵۰ لاکھ مسلمان روزے رکھتے ہیں اور ساڑھے پانچ کروڑ فدیہ اور روزہ ہر دو ہضم کر جاتے ہیں۔ اگر ایک غریب کے طعام کا خرچ فی وقت آٹھ آنے اور یومیہ ایک روپیہ ہو تو صرف ایک روزہ خور کا فدیہ ماہ رمضان تیس روپے بنتا ہے۔ اس حساب سے ساڑھے پانچ کروڑ روزہ خوروں کا فدیہ ایک ارب پچھتر کروڑ بنے گا اور یہ رقم اتنی بڑی ہے کہ اس سے ملک کی غربت کا مسئلہ صرف ایک سال میں حل ہو سکتا ہے۔

لیکن یاد رکھئے کہ فدیہ ادا کرنا آسان نہیں۔ اگر ایک گھر میں بیوی سمیت پانچ بالغ افراد ہوں تو ان کے فدیہ کی رقم ایک سو پچاس روپیہ بنتی ہے اور یہ اتنی بڑی رقم ہے جسے ایک متوسط الحال عیال دار کسی صورت میں ادا نہیں کر سکتا۔ اگر ہماری حکومت اور رائے عامہ ہر مسلمان کو صوم یا فدیہ صوم پہ مجبور کر دے تو روزہ خوروں کی بہت بڑی اکثریت زر فدیہ سے بچنے کے لئے یا تو روزہ دار بن جائے گی اور یا اسلام چھوڑ جائے گی۔

خاتمہ

میری اس تجویز کا مقصد مسلمانوں سے روزے چھڑانا نہیں بلکہ قرآن عظیم کے ایک بھولے ہوئے حکم کو پھر زندہ کرنا ہے کہ مسلمانوں پر دو میں سے ایک چیز فرض ہے۔ صوم یا فدیہ صوم۔

جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہیں وہ ضرور رکھیں کہ یہ بڑی نیکی ہے اور جو نہ رکھیں، ان سے حکومت، مسلم لیگ یا رضا کاروں کی جماعت، فدیہ وصول کرنے کا انتظام کرے اور جو بزرگ روزہ نہ رکھیں اور نہ فدیہ دینا چاہیں بہتر ہے کہ وہ اسلام چھوڑ کر سناتن دھرم اختیار فرما لیں کہ اسلام میں نفس پرستوں اور زر پرستوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

Marfat.com

شریعت کیا ہے

آج ملک کے ہر گوشے سے یہ صدا بلند ہو رہی ہے کہ پاکستان میں شریعت کو نافذ کرو لیکن آج تک کسی عالم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ شریعت کے مفہوم پر روشنی ڈالے اور ہمیں بتائے کہ شریعت سے کیا مراد ہے؟ آیا شریعت سے مراد صرف قرآن ہے یا اس میں حدیث اور فقہ کا اجتہاد بھی شامل ہے؟ اگر صرف قرآن مراد ہے تو چشم ما روشن، دل ما شاد اور اگر حدیث و فقہ اجتہاد بھی شامل شریعت ہے تو ایسی شریعت محل نظر ہے۔

حدیث

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں خود حضور اور صحابہؓ کی وجہ کا مرکز قرآن تھا۔

ایک مرتبہ حضرت صدیقؓ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔

تم آج حدیث کے متعلق اختلاف رکھتے ہو، آئندہ نسلوں میں یہ اختلاف اور بڑھ جائے گا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ سے کوئی روایت کرو اور اگر کوئی پوچھے تو کہو کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اس نے جائز کیا ہے اسے جائز اور جو ناجائز قرار دیا ہے، اسے ناجائز سمجھو

(تذکرۃ الحفاظ۔ ذہبی)

حضرت عمرؓ اس معاملہ میں اس قدر متشدد تھے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابو الدرداؓ اور ابوذر جیسے جلیل القدر صحابہؓ کو روایت احادیث کے جرم میں قید کر دیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"تم لوگ زیادہ حدیثیں بیان نہ کرو کیا تو چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب کریں۔" (توجیہہ)

ایک مرتبہ کاتب الوحی حضرت زید بن ثابت امیر معاویہ کے دربار میں گئے اور امیر کی فرمائش پر کوئی حدیث سنائی جسے کاتب دربار نے قلمبند کر لیا۔ آپ نے وہ کاغذ لیکر چیر ڈالا اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے احادیث لکھنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ علامہ ذہبی اپنی مشہور تصنیف

Marfat.com

تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت صدیق ؓ نے ۵۰۰ احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا، لیکن ایک صبح اسے جلا ڈالا۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے احادیث جمع کرنے کا ارادہ کیا، پہلے مہینہ بھر سوچتے رہے پھر استخارہ کیا۔ اور اس کے بعد فرمایا۔

''پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوگئی تھیں کہ انہوں نے اپنے رسولوں کی احادیث لکھ لی تھیں پھر انہی احادیث پہ جھک پڑی تھیں اور کتاب الٰہی کو چھوڑ دیا۔ (مختصر جامع بیان العلم)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ سے کہا کہ جس صحابہ کے پاس کوئی حدیث لکھی ہوئی موجودہ ہو وہ لے آئے۔ چنانچہ صحابہؓ ایسی تمام احادیث لے آئے اور آپ نے اس تمام ذخیرے کو نذر آتش کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جز د خامس ص ۴۳)

عبداللہ بن یسار کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت علیؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ ہر شخص گھر پہنچتے ہی اپنے ذخیرہ احادیث کو جلا ڈالے۔ (مختصر جامع بیان العلم ص ۴۳)

حضرت علیؓ، عمرؓ، ابوبکرؓ سے زیادہ رسول کا شیدائی اور کون ہو سکتا تھا ان لوگوں نے ذخیرہ احادیث کو اس لئے تلف نہیں کیا تھا کہ معاذ اللہ ان لوگوں کو اقوال رسول سے عناد تھا بلکہ اس لئے کہ ان اقوال میں کہیں تو تحریف ہوگئی تھی اور کہیں اہل عرض کے اپنے اقوال شامل ہو گئے تھے اور احادیث کا چشمہ شفاف مکدر ہو کر رہ گیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے اقوال سے سرتابی کی جرأت کسے ہو سکتی ہے لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ صحیح اقوال کے انبار میں اقوال رسول ﷺ کو ڈھونڈنا مشکل ہو گیا تھا جب امام بخاری وفات (۲۵۶ھ) امام مسلم (وفات ۲۶۱ھ) محمد عیسٰی الترمذی (وفات ۲۷۹ھ) ابو عبداللہ بن تبرید القزوینی المعروف بن ابن ماجہ (وفات ۲۷۳ھ) ابوداؤد سجستانی (وفات ۲۷۵ھ) اور احمد بن شعیب النسائی (وفات ۳۰۳ھ) نے تدوین و تعدیل احادیث کا کام شروع کیا تو ان لوگوں کے سامنے ۱۴ لاکھ احادیث کا طور ماعظیم موجود تھا۔ جن میں امام بخاری نے صرف ۲۷۷۵ انتخاب کیں اور باقی سب کو مسترد کر دیا۔ یہی حال دیگر حضرات کا ہے۔ ان حضرات نے انتخاب احادیث میں جن اصولوں کو سامنے رکھا ان میں سے اہم دو تھے۔

اول: روایت۔ یعنی جن راویوں کے ذریعے حدیث رسول ﷺ تک پہنچ رہی ہے وہ قابل

Marfat.com

اعتماد ہوں۔

دوم: روایت۔ کہ حدیث کا مضمون قرآنی نصوص عقل اور اللہ کی سنت جاریہ سے متصادم نہ ہو۔

اصول تو نہایت عمدہ ہیں لیکن ہمارے ائمہ حدیث ان روایات میں بے بس ہو جاتے ہیں جو بعض لوگوں نے معتبر راویوں کی سند سے وضع کی تھیں۔

فقہ

اللہ نے قرآن کی وساطت سے انسان کو صرف وہیں تک راہ ہدایت دکھائی ہے جہاں تک اس کی عقل کام نہیں کر سکتی تھی یا انسانی عقول میں شدید اختلاف تھا اور جہاں کہیں انسانی عقل کام کر سکتی تھی، ایسے تمام مسائل میں انسان کو آزادی دے دی کہ حق و انصاف کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے اپنی ضروریات کا حل خود تلاش کر لے۔ بطور مثال سؤر، اور شراب کے متعلق ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ اللہ نے ان کی حرمت کا قطعی فیصلہ فرمایا اور دیگر اشیاء کے متعلق صرف اتنا کہہ کہ خاموش ہو گیا ہے۔ کہ

کلوا من طهارت ما رزقنا کم — ہماری پاکیزہ اشیاء کھاؤ

ہم نے کینچوے، سانڈھے، کچھوے، گدھے اور دیگر بیشمار اشیاء کو غلیظ سمجھ کر حرام قرار دیدیا ہے اور فاختہ، مرغابی، کبوتر، مچھلی اور دیگر پاکیزہ طیور و حیوانات کو حلال بنالیا ہے، یہ تھی انسانی دماغ کی کارستانی۔

ایک اور مثال لیجئے۔ انسانی جرائم کی فہرست کافی لمبی ہے لیکن قرآن حکیم نے صرف پانچ جرائم کی سزا بیان فرمائی ہے یعنی قتل، زنا، بہتان زنا چوری اور بغاوت کی، قتل کے لئے موت، زنا کے لئے سو درّے، بہتان زنا کے لئے اسی درّے، چوری کے لئے قطع ید، اور بغاوت کے لئے موت یا جلاوطنی یا قطع اعضاء اور باقی جرائم مثلاً مار پیٹ، گالی گلوچ، توہین، فریب، شراب نوشی، قمار بازی، جائیداد کی تباہی، اغلام اور خیانت وغیرہ کی سزا کا فیصلہ انسانی دماغ پر چھوڑ دیا ہے۔

ہمارے فقہا نے ان تمام تفاصیل کا فیصلہ کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری قرار دی ہیں۔

اول: کہ ایسی کوئی سزا جو اصول قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

دوم: تمام قوم اس پر متفق ہو۔

Marfat.com

پہلی چیز کو قیاس اور دوسری کو اجماع کہتے ہیں۔ قیاس کا مطلب تو صاف ہے کہ کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت قرآن اور صحیح احادیث میں اس کی نظائر تلاش فرمایئے یا یہ دیکھئے کہ آپ کا فیصلہ حق و انصاف کے تقاضوں کو نہیں توڑتا اور کسی صریح نص سے تو متصادم نہیں ہوتا۔ باقی رہا اجماع تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی فیصلے پر تمام علماء کا اتفاق ہو۔ اجتہادی مسائل میں علماء کبھی متفق نہیں ہوئے اور نہ آئندہ ہوں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم اپنے بہترین دماغ منتخب کرے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشا سے آگاہ ہوں۔ اور یہ دماغ مل کر اجتہادی مسائل پر غور کریں اور ان تمام کا فیصلہ کریں جن کے متعلق خدا اور رسول ﷺ خاموش ہیں۔ مثلاً جوئے، فریب، شراب نوشی کی سزائیں مقرر کریں۔ تجارت وغیرہ کے لئے قانون بنائیں۔ ریلوں، موٹروں، ہوائی جہازوں، بیمہ کمپنیوں، عدالتوں، مدرسوں اور دیگر بیشمار اداروں کے لئے قواعد وضع کریں۔ یہی اجتہاد اور اجماع ہے۔

قوم کو چاہئے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی محنت سے فائدہ اٹھائے اور اس سلسلے میں بڑے بڑے ماہرین قانون مثلاً ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ وغیرہ کے اجتہاد کو سامنے رکھے۔ جہاں کہیں ان کے وضع کردہ قواعد پسند آ جائیں انہیں اپنا لے۔ ورنہ اپنی راہ خود نکالے۔

اجتہادی مسائل میں اختلاف

ہر فرد کو زندگی میں نئے نئے مسائل پیش آتے ہیں۔ جتنے مسائل پیش آئیں، اتنے ہی حل چاہئیں اور جتنے تنازعے پیدا ہوں اتنے ہی فیصلے درکار ہیں۔ چونکہ قرآن میں بہت کم تنازعات کا ذکر ہے، یہاں تک کہ تمام قرآنی احکام کی تعداد ۲۰۰ سے زیادہ نہیں۔ اس لئے انسان ہمیشہ اجتہاد سے کام لیتا رہا۔ اجتہاد میں اختلاف کا ہونا لازمی ہے اور ایسا اختلاف کوئی بری چیز نہیں حضور پرنور کی طرف یہ قول نسب ہے کہ۔

"اگر مجتہد اجتہاد میں غلطی کر جائے تو وہ ایک اجر کا مستحق ہے ورنہ دو اجر کا۔"

اسی اجتہاد کی بنا پر بعض جلیل القدر صحابہؓ کے فیصلوں میں بھی اختلاف تھا۔ مثلاً

۱۔ امام محمد ابوحنیفہؒ سے وہ حماد سے اور حماد ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا لیکن مہر معین نہیں کیا تھا۔ وہ مجامعت سے پہلے مر گیا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس عورت کو پورا مہر دلوایا۔ حضرت علیؓ کا فیصلہ یہ تھا کہ عورت وراثت میں حق دار ہے۔ اس کے لئے عدت بھی ضروری ہے لیکن وہ مہر کی مستحق نہیں۔

۲۔ ایک مطلقہ عورت نے عدت کے زمانے میں نکاح کر لیا حضرت عمرؓ نے شوہر کو کوڑے لگائے۔ دونوں میں علیحدگی کرادی اور عورت کو حکم دیا کہ پہلے عدت کا زمانہ پورا کرے اور پھر اگر دوسرے شوہر نے مقاربت کی ہے تو دوسری طلاق کی عدت بھی پوری کرے اور ساتھ ہی دوسرے شوہر سے اس کا نکاح حرام قرار دے دیا۔ لیکن حضرت علیؓ کا خیال یہ تھا کہ پہلی عدت کے بعد دوسرا شوہر اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

۳۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابت نے فتویٰ دیا کہ اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام سے نکاح کرلے تو وہ صرف دو طلاقوں سے حرام ہو سکتی ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ حرام ہونے کے لئے تین طلاقیں چاہئیں۔

۴۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حالت مرض میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی حضرت عثمانؓ نے عدت گزر جانے کے بعد اسے ترکہ سے حصہ دلایا لیکن حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ عورت صرف عدت کے زمانے میں ترکہ سے حصہ لے سکتی ہے، بعد میں نہیں۔

۵۔ اگر کسی حاملہ عورت کا شوہر مر جائے تو حضرت عمرؓ کے ہاں اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کا قول یہ ہے کہ چار ماہ دس دن اور وضع حمل تک جونسا زمانہ لمبا ہو وہی زمانہ عدت تصور ہوگا۔

۶۔ رسول کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں ایک وقت میں تین طلاقیں ایک طلاق کے برابر تصور ہوتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ انہیں تین قرار دیکر عورت اور مرد میں علیحدگی کرادیتے تھے۔

اجتہادی مسائل میں حضرت عمرؓ کی آزادی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اخیانی بھائی نے ماں اور باپ کی موجودگی میں حقیقی بھائیوں کو وراثت سے محروم کر دیا اور اگلے سال سب کو شریک وراثت بنالیا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔

''وہ اس فیصلے کے مطابق تھا جو ہم نے پچھلے سال کیا تھا اور یہ اس فیصلے کے مطابق ہے جو

Marfat.com

ہم اس سال کر رہے ہیں۔''

(تاریخ التشریع الاسلامی مؤلفہ علامہ محمد الخضری ص ۲۲۲)

اس طرح کے کئی سو مسائل ہیں جن میں صحابہ کے فیصلے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ چونکہ کوئی فیصلہ قرآن سے متصادم نہیں ہوتا تھا اور نہ تقاضائے حق و انصاف کے خلاف تھا اس لئے ہر فیصلے کو درست سمجھنا چاہئے۔

اختلاف فقہا

رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے تقریباً ایک سو برس بعد دنیائے اسلام میں چار بڑے بڑے مجتہد پیدا ہوئے جن کے جلو میں چند چھوٹے چھوٹے مجتہد بھی آئے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) نعمان بن ثابت المعروف بہ امام حنیفہ کوفی (۸۰ھ۔ ۱۵۰ھ) اس زمانے میں تین اور بڑے بڑے فقیہ بھی کوفہ میں موجود تھے۔ یعنی سفیان بن سعید ثوری، شریک بن عبداللہ النخعی (۹۵ھ۔ ۱۷۷ھ) اور محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ (۷۴ھ۔ ۱۴۸ھ) ان سب کا اجتہادی مسائل میں شدید اختلاف رہتا تھا ابن ابی لیلیٰ شہر کے سرکاری قاضی تھے اور جب کوئی فیصلہ صادر کرتے تھے تو امام ابوحنیفہ ان کے خلاف فتویٰ دے دیتے تھے۔

امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد چار تھے (۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری (۱۱۳ھ۔ ۱۸۳ھ)، (۲) زفر بن ہذیل بن قیس کوفی (۱۱۰ھ۔ ۱۵۸ھ)، (۳) محمد بن حسن فرقد شیبانی (۱۳۲ھ۔ ۱۸۹ھ) اور (۴) حسن بن زیاد لولوی (وفات ۲۰۴ھ) یہ شاگرد صرف مقلد ہی نہیں تھے بلکہ بعض اوقات اپنے اجتہاد سے بھی فتویٰ دیتے اور اپنے استاد کے خلاف چل جاتے تھے۔ ابو یوسف اپنی مشہور تصنیف ''کتاب الخراج'' میں پہلے استاد کی رائے درج کرتے ہیں اور پھر اپنا فیصلہ دے کر استاد سے وجہ اختلاف بتاتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور تصنیف ''خلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ'' میں کسی مسئلے کے متعلق پہلے امام حنیفہ کی رائے درج کرتے ہیں اور پھر اپنا فیصلہ دیتے ہیں۔ یہ فیصلہ کبھی امام ابوحنیفہ کی تائید میں ہوتا ہے اور کبھی خلاف۔ جب ابو یوسف اور محمد ﷺ اہل حجاز کی حدیثوں سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے اپنے استاد کے بیشتر فیصلوں کو مسترد کر دیا۔ ان شاگردوں کے آگے بھی کئی شاگرد تھے۔ مثلاً ابراہیم بن رستم مروزی (وفات ۲۱۱ھ)

Marfat.com

بشر بن غیاث المریسی (وفات ۲۲۸ھ) بشر بن ولید کندی (وفات ۲۳۸ھ) عیسیٰ بن ابان بن صدقہ (وفات ۲۲۱ھ) وغیرہ۔ یہ لوگ بھی بعض معاملات میں اپنے اساتذہ کے خلاف چلتے تھے۔ بشر بن غیاث المریسی تو امام شافعی سے مناظرے کیا کرتے تھے اور یہی وہ فقیہہ ہے جس نے کہا تھا کہ گدھا حلال ہے۔

۲۔ امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر مدنی (۹۳ھ۔ ۱۷۹ھ) بڑے پایہ کے محدث اور فقیہہ تھے۔ لیکن امام شافعی نے اپنی تصنیف کتاب الام میں، نیز ابو یوسف نے اپنی تحریرات میں امام مالک کی سخت تردید کی ہے اور بعض مسائل تو ایسے ہیں کہ ساری خدائی ایک طرف، امام مالک دوسری طرف۔ مثلاً امام مالک کے نزدیک چوری کے ملزم کو چوری کا اقرار کرانے کے لئے بدنی سزا دینا جائز ہے لیکن باقی تمام فقیہہ اس کے مخالف ہیں۔ اسی طرح امام مالک کے ہاں ایک مفقود الخبر شوہر کی بیوی چار سال کے بعد نکاح کر سکتی ہے لیکن باقی امام اس کی اجازت نہیں دیتے۔

امام مالک کے بیسیوں شاگرد تھے مثلاً ابو عبداللہ، عبدالرحمن بن القاسم العتقی (وفات ۱۹۱ھ) اشہب بن عبدالعزیز، التمیمی العامری الجعدی (۱۴۰ھ۔ ۲۰۴ھ) ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قریشی (۱۲۵ھ۔ ۱۹۷ھ) وغیرہ۔ یہ سب لوگ بھی بعض مسائل کے متعلق نہ صرف آپس میں اختلاف رکھتے تھے بلکہ بعض معاملات میں استاد کی رائے کو بھی مسترد کر دیتے تھے۔

۳۔ ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس الشافعی (۱۵۰ھ۔ ۲۰۴ھ) بلند درجے کے محدث، فقیہہ اور مجتہد تھے لیکن اجتہادی مسائل میں دوسرے فقہا سے اختلاف کا یہ عالم تھا کہ جب مامون الرشید نے آپ کو بغداد میں طلب کیا تو وہاں امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد سے آپ کے کئی مناظرے ہوئے۔ حنفاء شوافع کا اختلاف اظہر من الشمس ہے۔ خود امام شافعی کے تلامذہ میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے تھے جو استاد سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک ابو ثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی البغدادی (وفات ۲۴۰ھ) تھا۔ جو وصیت کو قرض پر مقدم سمجھتا تھا اور امام شافعی مؤخر اگر خریدے ہوئے مال میں عیب نکل آئے تو امام شافعی کا فیصلہ یہ ہے کہ اسے فوراً واپس کر دو۔ لیکن ابراہیم یہ کہتے ہیں کہ بائع کی رضامندی ضروری ہے۔ اسی طرح اگر

Marfat.com

جنگل میں دو مسافر سمت قبلہ کے متعلق مختلف الرائے ہو جائیں تو ابراہیم کہتے ہیں کہ ان میں ہر ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن ان کے استاد کی رائے یہ ہے کہ ہر مسافر اس سمت کو رخ کر کے نماز پڑھے جسے وہ قبلہ سمجھتا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور بو علی الحسین بن علی الکرابیسی بھی امام شافعی کے شاگرد تھے۔ لیکن ان دونوں میں مسئلہ خلق قرآن پر شدید اختلاف رہتا تھا ابن حنبل قرآن کے الفاظ و معانی کو غیر مخلوق سمجھتے تھے اور الکرابیسی یہ فرمایا کرتے تھے کہ قرأت قرآن مخلوق ہے اور ابن حنبل اس چیز کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

امام شافعی کے ایک شاگرد احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز البغدادی المتکلم کی رائے یہ تھی کہ طلاق بالصفات (مثلاً یہ کہنا کہ جب اگلا مہینہ آئے تو میری بیوی مجھ پر حرام ہو جائے) جائز نہیں اور کسی شرط پر طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن ابن سبکی اور ابن حزم کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

۴۔ امام احمد بن حنبل بن ہلال (۱۶۴ھ۔ ۲۴۱ھ) کا شمار فقہا سے زیادہ محدثین میں ہوتا ہے، آپ کی مسند میں چالیس ہزار سے زیادہ حدیثیں ہیں۔ جب معتزلیوں کے نظریوں سے متاثر ہو کر ماموں الرشید نے علمائے اسلام کو خلق قرآن کا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دی تو آپ کے بڑے بڑے شاگرد بھی آپ کو چھوڑ گئے اور سلطنت کے تقریباً تمام علماء آپ کے مخالف ہو گئے۔

اجتہادی مسائل میں ہمارے فقہا و محدثین میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے ایک ہی مقدمہ مین علمائے عراق کا فیصلہ کچھ ہوتا تھا اور علمائے مصر و شام کا کچھ اور یہ اختلاف آج ہماری عدالتوں میں بھی ملتا ہے۔ ہند و پاکستان میں ابھی تک تعزیرات ہند رائج ہے۔ کتاب قوانین ایک ہی ہے۔ لیکن مختلف عدالتوں سے ایک ہی معاملہ کے متعلق مختلف فیصلوں صادر ہوتے رہتے ہیں آج سے بیس برس پیشتر دو ہندوؤں نے پیغمبر اسلام کے متعلق توہین آمیز تحریرات شائع کیں۔ ایک پنجابی تھا، یعنی راجپال اور دوسرا ''ورتمان'' کا ایڈیٹر غالباً یو پی سے تعلق رکھتا تھا۔ یو پی کی عدالت نے ''ورتمان'' کو سزا دی اور پنجاب ہائیکورٹ نے راجپال کو بری کر دیا۔ جرم ایک تھا، قانون ایک تھا۔ دونوں عدالتیں انگریز کی تھیں لیکن ایک جج کا فیصلہ دوسرے سے مختلف تھا۔ ایک ہی قانون کا

Marfat.com

مفہوم ایک جج نے کچھ اور سمجھا اور دوسرے نے کچھ اور۔ ہم کسی جج پر بدنیتی کا الزام نہیں لگا سکتے اس لئے کہ ایک ہی قانون کی مختلف تشریحیں ہوسکتی ہیں۔ بااستنباط مسائل واستخراج نتائج میں اختلاف ہوسکتا ہے اور یہ اختلاف کبھی بھی قابل مذمت نہیں سمجھا گیا۔

پاکستان کی آئین ساز اسمبلی قرآن کے صریح احکام کے خلاف کبھی نہیں جاسکتی لیکن جہاں قرآن خاموش ہے وہاں ہمارے دستور سازوں کو آزادی ہے کہ چاہیں تو کسی مجتہد کی پیروی کرلیں اور یا اپنے مسائل کا حل اپنی ضروریات کے مطابق خود تلاش کریں۔

ہمارے علماء سلطنت عباسیہ کے زوال تک اجتہاد سے کام لیتے رہے۔ یہ تقلید کا مرض اس وقت شروع ہوا جب مختلف خطوں کے امراء نے صرف ان علماء کے وظائف باندھنے شروع کئے جو کسی بڑے مجتہد کی تقلید میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اب کسی عالم کو کیا پڑی تھی کہ وہ اجتہاد کی ''مصیبت'' میں پھنس کر اپنی تنخواہ گنوادے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب قرآن کی جگہ طلبہ نے کسی خاص امام کی فقہ کو پڑھنا شروع کیا۔ آزادی رائے ختم ہوگئی اور جب کوئی فقیہہ کتاب لکھنے بیٹھتا تھا تو اپنے امام کے بعض فتاوے ہی کو اپنے الفاظ میں دہرا دیتا۔ امام کی رائے سے انحراف یا آزادانہ سوچنا اس کے ہاں بہت جرم تھا یہ تقلید ہمارے علماء کے رگ وریشہ میں یوں سرایت کرگئی کہ متاخرین نے فقہ ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ قرآن متروک ہوگیا مکاتب میں فقہ کا درس دیا جانے لگا اور ان مجتہدین کو اتنا بڑا درجہ دے دیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کی طرح ان کی ذات اور تعلیم پہ بھی ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا۔ دور تقلید کے ایک بہت بڑے پیشوا، امام ابوالحسن عبیداللہ الکرخی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جو آیت یا حدیث ہمارے امام کے اجتہاد سے متصادم ہوتی ہو اس کی یا تو کوئی تاویل کرو اور یا اسے منسوخ سمجھو۔ ہمارے موجودہ علماء اسی دور تقلید کی یادگار ہیں اور اس لئے یہ حضرات کبھی برداشت نہیں کرسکتے کہ کوئی شخص امام ابوحنیفہ وغیرہ کے بعد اجتہاد کے دروازے کسی اور کے لئے بھی کھلے رکھے اور نہ ہی وہ اجماع کے مفہوم میں وسعت پیدا ہونے دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اجماع ستون فقہ ہے اور اجماع سے مراد گذشتہ علماء کا اجماع تھا۔ لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ اسلام کی ساڑھے تیرہ سو سالہ تاریخ میں سے صرف دس ایسے علماء کا نام

Marfat.com

لیجئے جو کسی ایک اجتہادی مسئلے پر بھی متفق ہوئے ہوں تو غالباً نہیں بتا سکیں گے۔ ان حالات میں کیا اجماع کا صحیح مفہوم یہ نہیں کہ قوم کے بہترین دماغ مل کر بیٹھ جائیں اور تمام اجتہادی مسائل کو اپنی قابلیت اور قوت فیصلہ سے طے کریں؟ قرآن حکیم میں کوئی ایسی ہدایت موجود نہیں کہ امام ابو حنیفہ کے بعد سوچنا بند کر دو اور ان کے فیصلوں کے مطابق کورانہ چلے چلو۔

عہد حاضر کا وہ انسان جو ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔ جو ایک لمحے میں اپنی آواز چاند کی دنیا تک پہنچا رہا ہے۔ جس نے سورج کی شعاعوں کو مسخر اور کائنات کی تمام طاقتوں کو مغلوب کر رکھا ہے۔ کیا آپ اتنا نااہل اور جاہل سمجھتے ہیں کہ وہ امام شافعی اور ابو حنیفہ کی قیادت کے بغیر زندگی کے معمولی معمولی معاملات کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتا۔

نفاذ شریعت کا مقصد

ہمارے پاس قرآن شریف موجود ہے جس میں ہماری فلاح و نجات کا مکمل دستور العمل درج ہے لیکن ہمارے تعلیم یافتہ حضرات قرآن سے یوں بھاگتے ہیں جیسے کوا تیر سے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کے بعض احکام تعزیرات پاکستان میں درج کر دیئے گئے تو اس سے فرق کیا پڑے گا۔ کیا لوگ زیادہ نیک محض اس لئے بن جائیں گے کہ قرآن جزو تعزیرات بنا دیا گیا ہے؟ فرض کیجئے تعزیرات میں درج ہو جاتا ہے کہ نماز چھوڑنے والا ایک ماہ قید کی سزا پائے گا۔ کیا حکومت اتنی پولیس مقرر کر سکے گی کہ وہ ہر گاؤں میں ہر دیہاتی کی نگرانی کر سکے؟ میرا مقصد یہ ہے کہ جب تک لوگ اپنی بہتری کو خود کوشش نہ کریں حکومت کی آئین سازی مفید نہیں ہو سکتی آخر حکومت اللہ سے تو بڑی نہیں، جب اللہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے اور ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے تو حکومت کے قوانین کی کیوں پرواہ کرنے لگے۔ رشوت کا انسداد، قیام صلوٰۃ و زکوٰۃ، اوامر کی تبلیغ اور نواہی کا استحصال حکومت کا فرض ہے اور یہی مقصد شریعت ہے۔

اگر ہر وزیر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھے وزارتی بلندیوں سے اتر کر انسانی سطح پہ آ جائے۔ ہر مظلوم کی شکایت ایک انگریز کے کان سے نہیں بلکہ ایک سچے مسلمان کے کان سے سنے۔ ہر ضلع میں عام دربار لگا کر ہر مظلوم کو آزادی سے فریاد کرنے کا موقع

Marfat.com

دے۔ بے انصاف حکام اور قصور وار دفتروں کو فوری سزا دے۔ بھیس بدل کر پولیس نگرانی کرے، ہر بھوکے کو روٹی یا روزگار دے، گداگری بند کر کے گداگروں کو جیلوں میں دستکاریاں سکھائے۔ انصاف، علم، احسان، صلوٰۃ و زکوٰۃ جیسے محاسن کو عام کرے تو سمجھو کہ شریعت کا مقصد پورا ہو گیا۔

Marfat.com

ہم کیا تھے؟۔۔۔اس مضمون کو دیکھئے

ہم کیا ہیں۔۔۔اپنے آپ کو دیکھئے

۔۔۔اور

پھر سوچئے کہ ہمیں کیا ہونا چاہئے۔۔۔؟

Marfat.com

ہم

اور

ہمارے اسلاف

حکایات اسلاف جہاد

۱۔ جنگ احد (شوال ۳ھ) میں جب مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو بددلی میں حضرت عمرؓ تلوار پھینک کر زمین پہ بیٹھ گئے۔ اس اثناء میں ایک اصحابی ابن نضرؓ ان کے پاس سے گزرے اور اس شکستہ ہمتی کی وجہ پوچھی تو حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ حضور ﷺ کی شہادت کے بعد اب کیا لڑنا ہے۔ ابن نضرؓ فرمانے لگے۔ اگر واقعی رسول شہید ہو گئے ہیں تو ان کے بعد زندہ رہ کر ہم نے کیا کرنا ہے۔ یہ کہہ کر نعرہ تکبیر بلند کیا، کفار کے ہجوم میں داخل ہو گئے اور اسی سے زیادہ زخم کھا کر شہید ہو گئے۔

۲۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ کو اپنی بیوی عاتکہ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ ایک دفعہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ کو حکم دیا کہ تمہاری بیوی تم کو اللہ سے دور لے جا رہی ہے اس لئے اسے طلاق دے دو۔ تعمیل حکم کے بغیر چارہ ہی کیا تھا۔ طلاق کے بعد عبداللہ نے عاتکہ کے فراق میں نہایت دردانگیز اشعار لکھے۔ (اسد الغابہ تذکرہ عاتہ)

۳۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے لئے منادی کرائی جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو ایک نہایت ضعیف صحابی بھی شامل ہو گئے اور اپنی خدمت کے لئے تین دینار پر ایک نوکر ساتھ لے گئے۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد)

۴۔ ایک بدو اسلام لانے کے بعد صحابہ کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ ایک لڑائی میں کچھ مال غنیمت ملا۔ تو حضور نے بدو کو بھی حصہ دینا چاہا۔ بدو نے کہا کہ میں مال غنیمت کے لئے اسلام نہیں

Marfat.com

لایا بلکہ اس لئے کہ حلق میں تیر کھا کر شہادت کا مقام بلند حاصل کروں۔ اللہ کی شان ایک جنگ میں وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہو گیا اور حضور ﷺ نے اپنا جبہ کفن کے لئے عنایت فرمایا۔

(نسائی کتب الجنائز)

۵۔ جنگ بدر (رمضان ۲ ھ) میں جب دشمنوں کی فوجیں قریب آ گئیں تو حضور ﷺ نے آواز دی "اٹھو اور وہ جنت حاصل کرو، جس کی وسعت ارض و سما کے برابر ہے۔ اس اعلان کے وقت عمیر بن الحمام انصاری کھجوریں کھا رہے تھے، بلند آواز سے فرمانے لگے تو پھر یہ وقت کھجوروں میں ضائع کرنے کا نہیں۔ کھجوریں پھینک کر شیر کی طرح غرائے، دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور شہید ہو گئے۔

۶۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے میدان جنگ میں یہ حدیث بیان کی۔

الجنتہ تحت ظلال السیوف — کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے

ایک اور صحابی اٹھ کر پوچھنے لگے کہ کیا واقعی رسول ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے۔ بولے "ہاں" انہوں نے فوراً تلوار کھینچ لی، نیام چیر کر دور پھینک دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

(مسلم۔ کتاب الامارۃ)

۷۔ حضرت عمر بن الجموع بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے۔ غزوہ بدر میں انہیں جہاد کی اجازت نہ ملی۔ جنگ احد کا موقعہ آیا تو جانے پر اصرار کرنے لگے۔ جب بیٹوں نے کہا کہ آپ کو رسول کریم ﷺ نے جہاد سے مستثنٰی فرمایا ہے تو جھٹ بول اٹھے۔ تم لوگوں نے بدر کے موقعہ پر مجھے جنت سے محروم رکھا اور اب پھر محروم کرنا چاہتے ہو یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ چنانچہ جنگ احد میں شامل ہوئے اور شہادت سے پہلے حضور سے پوچھنے لگے۔ کہ اگر میں مر گیا تو کیا لنگڑاتے لنگڑاتے جنت تک پہنچ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ "ہاں" یہ سن کر یوں جم کر لڑے کہ وہیں شہید ہو گئے۔

(اسد الغابہ)

۷۔ حضرت ابو ایوب انصاری وہ ممتاز صحابی ہیں جن کے گھر میں سرور دو عالم ﷺ ہجرت

Marfat.com

کے بعد چھ ماہ تک رہے تھے۔ ابو ایوب تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ جب امیر معاویہ نے ۵۲ھ میں روم پر چڑھائی کی تو باوجود کبر سنی اور ضعف کے حضرت ابو ایوب بھی فوج میں شامل ہو گئے اور راہ میں بیمار پڑ گئے۔ جب زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو فوج کے سپہ سالار یزید کو کہنے لگے کہ اگر میں مر جاؤں تو میری لاش فوج کے ساتھ لے جانا اور وہاں دفن کرو جہاں سے آگے تمہاری فوج کا جانا ناممکن ہو جائے۔ چنانچہ آپ قسطنطنیہ کی دیواروں کے سایہ میں دفن ہوئے۔

۹۔ جب جنگ احد میں بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ گئے تو حضرت انس بن نضریہ کہہ کر کہ "مجھے احد سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور وہ دیکھو جنت سامنے ہے۔" والہانہ میدان جنگ کی طرف بڑھے اور شہید ہو گئے۔

۱۰۔ احد میں عین اس وقت جب حضور کی شہادت کا چرچا ہو رہا تھا۔ حضرت سعد بن ربیع گھائل ہو کر گر پڑے۔ دم ٹوٹ رہا تھا لیکن پھر بھی اپنے ساتھیوں کو کہہ رہے تھے۔

"تم لوگ لیلۃ العقبہ میں رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہو۔ اگر رسول خدا شہید ہو گئے اور تم زندہ رہے تو اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔" (اسد الغابہ ج ۲۔ ص ۲۷۷۔۲۷۸)

۱۱۔ حضرت حسان بن ثابت کی منزلت سے کون آگاہ نہیں، آپ دربار نبوت کے شاعر اور حضور پر نور کے خاص اصحاب میں سے تھے، لیکن بزدلی کی وجہ سے جہاد میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" ج ۲ ص ۲۴۸ میں لکھتے ہیں کہ اس بناء پر حسان کو بعض صحابہ لعین کہا کرتے تھے۔

۱۲۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص ان فوجوں کے سپہ سالار تھے جو ایران پہ بڑھ رہی تھیں۔ محرم ۱۴ھ۔ ۶۳۶ء میں فرات کے کنارے قادسیہ کے مقام پر مشہور جنگ ہوئی۔ چونکہ حضرت سعد گنٹھیا کی تکلیف میں مبتلا تھے اس لئے ایک مکان کی بالائی منزل پر بیٹھ کر افواج کو ہدایات دینے لگے۔ ان کی زوجہ محترمہ سلمیٰ بھی ہمراہ تھیں۔ ایک موقعہ پر جب ہاتھی آگے بڑھے اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو حضرت سعد غصے سے پیچ و تاب کھانے

Marfat.com

لگے۔ اس موقعہ پر سلمیٰ نے طنزاً کہا۔ کاش آج مثنیٰ موجود ہوتا تو مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔ حضرت سعد نے سلمیٰ کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ سلمیٰ کہنے لگی۔ ''سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی'' یہ اس بات پر طعنہ تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہیں تھے۔

۱۳۔ قادسیہ کی جنگ میں سعد نے عرب کے ایک مشہور بہادر شاعر ابو محجن ثقفی کو شراب پینے کے جرم میں بیڑیاں پہنا کر ایک مکان میں مقید کر دیا تھا۔ ابو محجن دریچے سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے اور شوق شہادت میں بیتاب ہو رہے تھے۔ آخر ضبط نہ کر سکے تو جنابہ سلمیٰ سے گڑگڑا کر درخواست کی کہ اس وقت مجھے آزاد کر دو۔ میں شام کو اگر زندہ رہا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا تو آپ نے نہایت پر درد لہجہ میں اشعار پڑھنا شروع کیے۔

ایک شعر یہ تھا:

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا

واترل مشد ودا علی وفاقبا

اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی کہ سوار نیزہ بازی کر رہے ہوں اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں۔

ان اشعار نے سلمیٰ کو متاثر کیا۔ چنانچہ انہوں نے بیڑیاں کاٹ دیں اور ابو محجن ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس دلیری سے حملہ آور ہوا کہ جس طرف کا رخ کرتا صفوف اعدا میں بھاگڑ پھیل جاتی۔ حضرت سعد یہ دیکھ کر حیرت سے فرمانے لگے خدا جانے یہ شاہسوار کون ہے، انداز تو ابو محجن کا معلوم ہوتا ہے۔ جب شام کو ابو محجن نے واپس آ کر دوبارہ بیڑیاں پہن لیں تو سلمیٰ نے سب حالات سعد سے کہہ دیئے۔ سعد نے انہیں رہا کر دیا اور فرمایا کہ میں اسلام کے ایسے جانثار فرزند کو کبھی سزا نہیں دونگا۔ اس پر ابو محجن نے شراب سے توبہ کر لی۔

۱۴۔ ۵ رجب ۱۵ھ۔ ۷ ۶۳۶ء کو یرموک کے مقام پر رومیوں اور مسلمانوں میں جنگ ہوئی۔ اس میں حباش بن قیس بھی شامل تھے۔ گھمسان میں کسی نے ان کے پاؤں پر اس زور سے تلوار ماری کہ پاؤں ٹانگ سے علیحدہ ہو گیا اور حباش کو خبر تک نہ ہوئی، شام کے وقت جب جنگ کا

Marfat.com

ہمہمہ تھم گیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا۔ (فتوح البلدان ص س ۱۳۱)

یہ تو تھے صحابہ کے چند واقعات۔ اب ذرا ہماری خواتین کے چند کارنامے ملاحظہ فرمائیے۔

۱۵۔ جنگ احد میں جب حضور پر نور ﷺ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے اور آپ کی حیات مطہرہ خطروں میں محصور ہو گئی تو ایک صحابیہ ام عمارہ بنت کعب دوڑ کر حضور کے آگے آ گئیں اور اپنا سینہ سپر کر دیا۔ جب کفار آگے بڑھتے تو وہ کبھی تیروں کی بارش سے اور کبھی تلوار سے کفار کے ریلے کو روکتیں۔ جب ابن قمیہ ڈراتا ہوا حضور کے قریب پہنچ گیا تو ام عمارہ سامنے آ گئیں۔ چنانچہ کندھے پر وہ تلوار پڑی کہ ایک گہرا غار بن گیا۔ لیکن آپ نے ابن قمیہ کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ جنگ مسیلمہ میں ام عمارہ نے ۱۲ زخم کھائے تھے اور ایک ہاتھ کٹ کر زمین پر جا پڑا تھا۔

(ابن ہشام ص ۱۸۴ ابن سعد ج ص ۳۰۴)

۱۶۔ جنگ خندق میں حضور نے تمام امہات اور دیگر خواتین کو ایک قلعہ میں بھیج دیا تھا۔ اور حضرت حسان بن ثابت کو ان کا نگران مقرر کیا تھا۔ ایک یہودی اس قلعہ کے ارد گرد گھومتا ہوا نظر آیا۔ خواتین نے حضرت حسان سے کہا کہ اسے پکڑو۔ جب حسان نے بزدلی کی وجہ سے انکار کر دیا تو حضور کی ایک زوجہ حضرت صفیہؓ اٹھ لے کر نکلیں اور یہودی کو قتل کر ڈالا۔

۱۷۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیم بنت ملحانؓ کو دیکھا کہ پائینچے چڑھائے ہوئے مشکیں بھر بھر کر لاتیں تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

۱۸۔ ام حکیم بنت حارث ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ ۸ھ میں اسلام لائیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اپنے شوہر کے ہمراہ رومیوں کے خلاف جہاد میں شامل ہوئیں۔ دمشق کے قریب جنگ ہو رہی تھی کہ رومی فوج کا ایک دستہ عورتوں کے خیمہ کی طرف بڑھا۔ آپ نے خیمہ کی ایک چوب نکال کر اس دلیری سے حملہ کیا کہ سات کافر واصل بہ جہنم ہو گئے۔

۱۹۔ خنساء بنت عمر جاہلیت میں ایک معمولی عورت تھی۔ جب اس کے لڑکے صخر کا انتقال ہو

Marfat.com

گیا تو خنسا کو اس قدر شدید صدمہ ہوا کہ اس نے شعروں میں رونا شروع کر دیا اور انہی مراثی کی بدولت وہ عرب کی سب سے بڑی شاعرہ کہلائی۔ اس کا دیوان بیروت میں ۱۸۸۸ء کو طبع ہوا تھا۔

لیکن اسلام لانے کے بعد خنساء میں اس قدر انقلاب آیا کہ جنگ قادسیہ میں اپنے چار جوان بیٹوں کو لے کر پہنچی۔ چاروں گھوڑوں پر سوار تھے اور رجز پڑھتے ہوئے اس دلیری سے جم کر لڑے کہ چاروں شہید ہو گئے۔ جب خنساء کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو سجدہ شکر میں گر کر کہنے لگی۔ ''اے اللہ میں کس زبان سے تیرا شکر یہ ادا کروں کہ تو نے میری یہ حقیر نذر قبول فرمائی''۔

(اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۲)

۲۰۔ ام حرامؓ بنت ملحان حضور کے رشتہ داروں میں سے تھیں۔ آپ مدینہ کی بستی قبا کی طرف جاتے تو واپسی پر حرام کے ہاں عموماً تشریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی کچھ کھا بھی لیتے۔ ایک دن حضور ﷺ ام حرام کے گھر کھانا تناول فرمانے کے بعد سو گئے۔ کچھ دیر بعد جاگے، مسکرائے اور فرمانے لگے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری امت کے لوگ جہاد کے ارادے سے جہازوں میں سوار ہو رہے ہیں۔ ام حرام نے التجا کی کہ حضور دعا فرمایئے۔ اللہ مجھے بھی اس فوج میں شمولیت کا فخر عطا فرمایئے۔ آپ نے دعا کی اور پھر سو گئے، جاگنے کے بعد کہنے لگے، مجھے پھر ویسا ہی خواب نظر آیا ہے اور تم پہلے گروہ کے ساتھ سوار ہو رہی ہو۔

حضرت عثمان کا زمانہ تھا۔ جناب امیر معاویہؓ حاکم شام نے جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کے لئے ایک بیڑہ تیار کیا اور فوجیں بھی حمص کے ساحل سے سوار ہوئیں تو ان میں حضرت ام حرام بھی شامل تھیں۔ قبرص فتح ہوا اور واپسی پر سواری سے گر کر فوت ہو گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

(زرقانی ج ۱۱ ص ۶۱ بخاری)

۲۱۔ جنگ یرموک میں حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اسماء ام ابان، ام حکیم خولہ ہند اور ام المومنین حضرت جویریہ بھی شامل ہوئیں۔ تلوار چلانے کے علاوہ ہماری مائیں چند اور خدمات بھی سرانجام دیتی تھیں۔ مثلاً پانی پلانا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، کھانے کا انتظام کرنا، تیر اٹھا کر دینا، رجز پڑھنا اور قبریں کھودنا۔ سبحان اللہ شاہد یثربی کی ایک نظر نے ان اکھڑ لوگوں کو کیا سے کیا بنا دیا تھا۔

(وصلی اللہ علی نور کزو شد نور ہا پیدا)

Marfat.com

ہمارے اسلاف کا انصاف

انصاف کا دوسرا نام میزان یا توازن ہے۔فضائے آسمانی میں ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے کروڑوں کرے بے پناہ تندہی سے گھوم رہے ہیں اور یہ حیرت انگیز نظام میزان یعنی توازن کا رہین منت ہے۔

والسماء رفعھا ووضع المیزان... اللہ نے آسمانوں کی تخلیق کے بعد ان میں توازن قائم کردیا (قرآن)

سطح زمین پر اقوام کا سلسلہ حیات بھی عدل وتوازن کے بل پر قائم ہے اوران اقوام کا زندہ رہنا محال ہے، جو جوہر انصاف سے عاری ہوں۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔

الحکومتہ تبقی مع الکفر والاتبقی مع الظلم۔ کافر کی حکومت تو زندہ رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی حکومت کبھی باقی نہیں رہ سکتی

ہمارے اسلاف، زندگی کے اس راز سے آشنا تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ کسی حالت میں یہاں تک کہ جنگ میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے شام کی طرف فوج روانہ کی تو سپہ سالار کو مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

۱۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔

۲۔ آبادیوں کو ویران نہ کرنا۔

۳۔ پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا۔

۴۔ بکریوں اور اونٹوں کو ذبح نہ کرنا۔

۵۔ باغوں میں آگ نہ لگانا۔

۶۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔

Marfat.com

۷۔ اور کسی حالت میں بدعہدی نہ کرنا۔

ان ہدایات کا موازنہ اقوام حاضرہ کے عمل سے کرو۔ آج کل لڑائی کا پہلا اصول ''ساڑ پھونک'' ہے۔ یعنی جب کسی شہر کو چھوڑنا پڑے تو اس کی بنیادیں تک کھود ڈالو۔ باغوں، کھیتوں، نہروں اور چشموں کو کلیۃً تباہ کر ڈالو۔ اپنی ہمسائیگی ہی میں دیکھو، بچوں اور بوڑھوں کا بے تحاشا قتل نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری اور لوٹ کھسوٹ۔ دوسری طرف مسلمانوں کے انصاف کا یہ عالم تھا کہ اگر دشمن کے ہاتھ سے اتفاقاً تلوار گر پڑتی تو یہ بھی ہاتھ روک لیتے، اور اگر دشمن زخمی ہو جاتا تو یہ بھی نیچے اتر آتے۔ انصاف ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور زندگی کے کسی شعبے میں بھی یہ اسے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

ا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کاروبار سے تھک کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی فریاد لے کر آپ کے پاس آیا آپ نے کوڑا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ فریادی واپس چلا گیا۔ لیکن معا بعد آپ اس کے پیچھے دوڑے دربار خلافت میں اسے واپس لائے، کوڑا اس کے سامنے رکھ دیا اور اصرار کرنے لگے۔ کہ اپنا بدلہ لو۔ اس آدمی نے بڑی مشکل سے یہ کہہ کر جان چھڑائی۔ کہ میں خدا کے لئے آپ کو معاف کرتا ہوں۔ (اسد الغابہ)

۲۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کے دونوں بیٹے بصرہ گئے۔ اس وقت وہاں ابوموسیٰ اشعری گورنر تھے۔ انہوں نے دونوں بھائیوں کو خزانے سے کچھ رقم دیکر کہا کہ آپ اس سے مال تجارت خریدیں اور مدینہ جا کر بیچ ڈالیں۔ نفع خود رکھ لیں اور اصل رقم سرکاری خزانہ میں جمع کر دیں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا ابوموسیٰ باقی لوگوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں یا صرف تمہیں خلیفہ کی اولاد سمجھ کر یہ امتیاز بخشا ہے۔ اس کے بعد اصل اور نفع دونوں سرکاری خزانے میں داخل کرا دیئے۔ (موطاء امام مالک کتاب البیوع)

۳۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ لوگ شہد لے آئے ہاتھ میں پیالہ لیکر فرمانے لگے۔ ''اگر میں اسے پی لوں تو اس کی مٹھاس چلی جائیگی اور تلخی دیر تک باقی رہے گی۔''

Marfat.com

یہ کہہ کر واپس کر دیا۔

۴۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس عتبہ بن فرقد آئے۔ دیکھا کہ فاروق اعظمؓ سوکھے ہوئے ٹکڑے کھا رہے ہیں۔ عتبہ کہنے لگے۔ ’’آپ میدے کی روٹی کیوں نہیں کھاتے؟‘‘ فرمانے لگے کہ باقی مسلمانوں کو میدہ مل سکتا ہے۔ کہا ’’نہیں‘‘ فرمایا تو کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسی چیزیں کھاؤں جو باقی مسلمانوں کو میسر نہیں۔

۵۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے سالن میں روغن زیتون ڈال کر حضرت عمرؓ کے سامنے رکھ دیا۔ فرمانے لگے کہ میں یہ غذائیں تا دم مرگ نہیں کھاؤں گا اس لئے کہ میری رعایا کو ایک غذا بھی میسر نہیں۔ (اسد الغابہ تذکرہ عمرؓ)

۶۔ جب حضرت عمرؓ شام کے دورے پر گئے تو شہر کے نزدیک اپنے اونٹ پر اپنے غلام سالم کو سوار کر دیا۔ جب لوگوں میں کانا پھوسی ہونے لگی تو کہنے لگے۔ ’’یہ لوگ شاہان عجم کے جلوس کا انتظار کر رہے تھے۔‘‘ (موطا امام محمد باب الزہد والتواضع)

۷۔ حضرت قدامہ بن نطعون بڑے رتبے کے صحابی اور حضرت عمرؓ کے سالے تھے۔ انہوں نے شراب پی لی تو حضرت عمرؓ نے انہیں سزا دینا چاہی۔ چونکہ وہ بیمار تھے اس لئے صحابہ نے مخالفت کی۔ فرمایا کہ اگر کوڑوں سے یہ مر جائے تو زیادہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو سزا دینے کی ذمہ داری میری گردن پر رہے۔ لاؤ ایک مضبوط کوڑا۔

۸۔ جبلہ بن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا۔ اس نے ایک مسلمان کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ شکایت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی۔ آپ نے حکم دیا کہ مضروب جبلہ کی آنکھ پر تھپڑ رسید کرے۔ جبلہ نے بھڑک کر کہا کہ کیا میری اور اس کی آنکھ برابر ہے، میں رئیس وہ ایک معمولی انسان۔ یہ کہہ کر مدینہ سے بھاگ گیا اور روم جا کر مرتد ہو گیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۲)

Marfat.com

۹۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک بچے کو دیکھا کہ ماں کی گود میں رو رہا ہے اور باوجود بہلانے کے خاموش نہیں ہوتا۔ آپ نے اس عورت سے وجہ پوچھی تو کہنے لگی۔ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے، اس لئے روتا ہے۔ آپ نے دودھ چھڑانے کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگی کہ بیت المال سے وظیفہ اس وقت تک نہیں ملتا جب تک بچوں کا دودھ نہ چھڑایا جائے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمانے لگے۔ خدا جانے میں اس طرح کتنے بچوں کو رلا چکا ہوں۔ آپ فوراً واپس آئے اور حکم جاری کر دیا کہ آئندہ بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ جاری کر دیا جائے۔

۱۰۔ ایک رات حضرت عمرؓ گشت کو نکلے اور مدینہ سے تین میل دور ایک گاؤں صرار میں پہنچے دیکھا کہ ایک عورت ہانڈی میں خالی پانی ڈال کر بچوں کو فریب دے رہی تھی۔ اور بچے دو تین دن سے بھوکے ہیں۔ آپ فوراً لوٹے اور...... بیت المال سے آٹے وغیرہ کی ایک بوری بھر کر غلام سے کہنے لگے کہ میری پیٹھ پر رکھ دو۔ غلام نے اصرار کیا کہ میں اٹھاتا ہوں فرمانے لگے۔ مسلمانوں کا خادم میں ہوں یا تم اور پھر قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائیگا؟ جب آپ نے یہ سامان اس عورت کے حوالے کیا۔ تو کہنے لگی۔ خلیفہ بننے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ۔

۱۱۔ زید بن سعد ایک یہودی تھا۔ جس نے رسول کریم ﷺ سے کچھ قرض لینا تھا۔ ایک دن بھرے مجمع میں حضور ﷺ سے گستاخانہ کلام کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ جو بھڑکے تو حضور نے فرمایا۔ عمرؓ تم ظلم کر رہے ہو، قرض میں نہیں دیتا اور تم خواہ مخواہ قرض خواہ سے الجھ رہے ہو۔ (شرح شفائی)

۱۲۔ حضرت عمرؓ اپنے حکام اور گورنروں کو مقرر کرنے سے پہلے ان سے ان باتوں کا عہد لیا کرتے تھے...... کہ

(۱) وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے۔

(۲) باریک کپڑے نہیں پہنیں گے۔

(۳) چھنا ہوا آٹا نہیں کھائیں گے۔

(۴) چپڑاسی نہیں رکھیں گے۔

Marfat.com

(۵) اور اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔

انہیں آسامیوں پر بھیجنے سے پہلے ان کے سامان کی فہرست بنوا لیتے تھے اور اگر واپسی پر ان کے سامان میں کوئی اضافہ ہوتا تھا تو سخت مواخذہ کرتے تھے۔ جس عامل کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ بیماروں کی عیادت کو نہیں جاتا یا کمزور اس کے دربار تک نہیں پہنچ سکتا تو اسے فوراً موقوف کر دیتے۔ (کتاب الخراج ص ۶۶)

۱۳۔ ایک مرتبہ مصر کے حاکم عیاض بن غنم کے متعلق رپورٹ پہنچی کہ وہ باریک کپڑا پہنتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے پولیس آفیسر محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ مصر میں پہنچے تو دیکھا کہ دروازے پر دربان موجود ہے اور عیاض باریک کپڑے پہن کر بیٹھا ہوا ہے۔ آپ اسے اسی حالت میں لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا، پھر بکریوں کا گلہ منگوا کر فرمایا، کہ تم انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہو، جاؤ اور بکریاں چرایا کرو۔ (کتاب الخراج ص ۶۶)

۱۴۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ فاتح ایران سعد ابی وقاص نے کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا ہے۔ تو آپ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا۔ کہ جاؤ اور اس محل کو آگ لگا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ (مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۵۴)

۱۵۔ ایک مرتبہ حج کے میدان میں ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں گورنر نے مجھے ثبوت جرم کے بغیر درے لگائے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو حکم دیا کہ سر محفل گورنر کو درے لگائے۔ وہ درے لگانے کو ہی تھا کہ دو سو اشرفی کے عوض عمر بن عاص نے صلح کرا دی۔

۱۶۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت خاجہ بن حذاف نے مصر میں ایک دو منزلہ مکان بنوایا ہے۔ آپ نے مصر کے گورنر عمر بن عاص کو لکھا کہ اس کے بالاخانے کو فوراً گرا دو۔

(حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۵۹)

۱۷۔ ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد نے کوئی لذیذ سی چیز پکوا کر حضرت عمرؓ کو بھیجی، آپ نے

Marfat.com

"پوچھا کہ کل مسلمان یہی کھاتے ہیں" بولے "نہیں"۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ کی کمائی نہیں ہے کہ یوں عیاشیوں میں برباد کرتے پھرو۔ تمہیں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ وہی چیزیں کھاؤ جو عوام کھاتے ہیں۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۱۶۸)

۱۸۔ حضرت عمرؓ کی اس سخت گیری نے سب کو صراط مستقیم پر رکھا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ ایک گورنر سعد بن عامر دربار میں آئے، ان کے پاس ایک تھیلہ، ایک لاٹھی اور ایک پیالہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا تمہارا سامان صرف اتنا ہی ہے۔ کہا، بس اتنا ہی۔ لاٹھی کے ساتھ تھیلا لٹکا دیتا ہوں اور پیالے میں کھانا کھالیتا ہوں۔ (استیعاب تذکرہ سعد بن عامر)

۱۹۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مصر کے گورنر عمرو بن عاص کو لکھا کہ جب ہم نے تمہیں گورنر مقرر کیا تھا تو اس وقت تمہارے پاس اتنا سامان نہیں تھا جتنا اب ہے، اس لئے فالتو سامان بیت المال میں جمع کراؤ۔ (فتوح البلدان ص ۲۳۶)

۲۰۔ حضرت ابو ہریرہؓ بحرین سے واپس آئے تو اپنے ساتھ بارہ ہزار روپے لائے۔ حضرت عمر نے رقم لیکر خزانہ میں داخل کردی اور فرمایا۔ تم نے خدا کا مال چرایا ہے۔
(فتوح البلدان ص ۹۲)

۲۱۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے تمام گورنروں کے سامان کا جائزہ لیا اور سب کا مال سرکاری خزانے میں داخل کر کے صرف جوتوں کا ایک ایک جوڑا رہنے دیا۔ (فتوح البلدان ص ۳۹۲)

۲۲۔ فتح خیبر کے بعد رسول کریم ﷺ اور اہل خیبر میں ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی رو سے زرعی پیداوار نصف نصف کرلی گئی تھی۔ جب کھیتیاں تیار ہوگئیں تو حضور نے عبداللہ بن رواحہ کو تقسیم کے لیے بھیجا۔ پیداوار کے دو حصے کئے اور اہل خیبر کو اختیار دیا کہ وہ جو حصہ چاہیں لے لیں۔ ان لوگوں نے عورتوں کے زیور جمع کر کے آپ کو رشوت دینا چاہی آپ نے فرمایا۔ مجھے یقین ہے کہ تم لوگ اسلام کے دشمن ہو۔ لیکن یہ یقین مجھے بے انصافی کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ تم نے

Marfat.com

پیش کر کے مجھے اشتعال دلایا ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ اس اشتعال کے باوجود میں انصاف کو نہیں چھوڑوں گا۔ یہ سن کر یہودیان خیبر نے کہا۔ خدا کی قسم زمین و آسمان اسی عدل و انصاف کے بل پر قائم ہیں۔ (موطائے امام مالک کتاب المساقات)

غیر مسلم شور مچاتے ہیں کہ اسلام ان پر جزیہ لگاتا ہے۔ حالانکہ اسلام جو کچھ مسلمان سے وصول کرتا ہے۔ مثلاً عشر، زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ وہ اس جزیہ سے بہت زیادہ ہے۔

جزیہ کی مقدار خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ تھی۔

۱۔ سرمایہ دار۔ ۴ درہم ماہوار (درہم ۳% کے برابر ہوتا ہے)

۲۔ متوسط جماعت ۲ درہم ماہوار۔

۳۔ نسبتاً غریب ایک درہم ماہوار۔

حضرت ابوبکرؓ نے نادار، معذور اور بیکار غیر مسلموں کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ چونکہ غیر مسلموں کی حفاظت مسلمانوں کے فرائض میں شامل تھی اور ان کے لئے فوج میں بھرتی ہونا ضروری نہیں تھا اس لئے یہ معمولی سا ٹیکس ان سے وصول کیا جاتا تھا اور وہ لوگ اس ٹیکس کے عوض تمام رعایات سے مستفید ہوتے تھے۔

۲۳۔ جب بعض حالات کی بنا پر حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو حمص چھوڑنا پڑا تو آپ نے شہر کے تمام یہود و نصاریٰ کو بلا کر فرمایا کہ ہم نے تم سے جزیہ تمہاری حفاظت کی خاطر لیا تھا۔ چونکہ اب ہم جا رہے ہیں اور تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے یہ اپنا جزیہ واپس لے لو۔ اس پر یہود و نصاریٰ نے قسم کھا کر کہا کہ اگر ہمیں اپنا بادشاہ منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو ہم تمہیں ہی انتخاب کریں گے۔

۲۴۔ حضرت عمرؓ نے وفات سے پہلے غیر مسلموں کے متعلق فرمایا تھا میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلموں سے کئے ہوئے معاہدے نبھائے۔ ان کی حفاظت کے لئے جان تک لڑا دے اور انہیں تکلیف نہ دے۔

Marfat.com

۔خالد نے جس قدر معاہدے غیر مسلموں سے کئے تھے، ان میں یہ تحفظات لازماً موجود ہوتے تھے۔

۱۔ کہ ان کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائیگا۔

۲۔ انہیں اختیار ہوگا کہ وہ جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں۔ صرف اوقات نماز کا خیال رکھیں۔

۳۔ وہ جب چاہیں مذہبی جلوس نکالیں۔

۴۔ کسی پادری کو اس کے عہدے سے الگ نہیں کیا جائیگا۔ (کتاب الخراج)

۲۵۔ ایک مرتبہ غیر مسلموں کا ایک وفد حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا کہ میرے حکام آپ کو تنگ تو نہیں کرتے، انہوں نے جواب دیا۔

مارأینا منھم الاوفاء و ملکته۔ (طبری ص ۲۵۶۰) ہم نے ان میں وفاداری اور بہترین سلوک کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا

۲۶۔ خلفاء نے کئی غیر مسلموں کو ملکی عہدے دے رکھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابوزید نامی ایک عیسائی کو گورنر مقرر کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ایک عیسائی کو اپنا میر منشی بنایا تھا۔ امیر معاویہؓ کے دربار میں سب سے زیادہ با اقتدار شخص ابن آثال نصرانی تھا جس کو انہوں نے حمص کا کلکٹر مقرر کیا تھا خلفائے عباسیہ کے درباروں میں تو عیسائیوں کو بہت زیادہ نفوذ حاصل تھے۔

(یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۵)

۲۷۔ جب شام کے ایک شہر عربسوس کے عیسائیوں نے معاہدے کو توڑ کر رومیوں سے ساز باز شروع کر دی اور ان کو جلاوطن کرنا ضروری سمجھا گیا، تو حضرت عمرؓ نے وہاں کے حاکم عمیر بن سعد کو ہدایت کی کہ جلاوطنی سے پہلے عیسائیوں کو ان کی تمام جائیداد اور سامان کی دگنی قیمت ادا کرو اور ایک سال کی مہلت دو۔ (فتوح البلدان ص ۶۴)

Marfat.com

ہمارے اسلاف کی دیانتداری

۱۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیمار ہو گئے اور دوا کے لئے شہد کی ضرورت پڑی۔ اتفاقاً بیت المال سے تھوڑا سا شہد مل گیا۔ استعمال سے پہلے عوام کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے۔ کہ یہ شہد مسلمانوں کا ہے۔ اگر آپ سب مجھے اجازت دیں تو میں لے لوں، ورنہ مجھ پر یہ حرام ہے۔

(نزہتہ الابرار تذکرہ عمرؓ)

۲۔ ایک بار حضرت عمرؓ حج کو گئے اور آمد و رفت پر 80 درہم (تقریباً ۱۷ روپے) خرچ ہو گئے۔ اس پر انہیں اتنا افسوس ہوا کہ ہاتھ ملتے اور فرماتے۔

ما خلقنا ان نسرف فی مال اللہ۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۷) ہم اس لئے نہیں پیدا کئے گئے کہ اللہ کے مال کو یوں بیدردی سے اڑاتے پھریں

۳۔ ایک دفعہ شاہ روم کا قاصد آیا تو آپ کی زوجہ محترمہ نے عطر کی ایک شیشی ہدیۃً ملکہ روم کو بھیج دی۔ اس نے جواباً وہی شیشی موتیوں سے بھر کر واپس کی۔ حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو آپ نے موتی بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی اور عطر کی اصل قیمت اپنی بیگم کے حوالے کی۔

۴۔ حضرت عبُداللہ بن عمرؓ نے تجارت کی غرض سے اونٹ خریدے اور انہیں فربہ کرنے کے بعد منڈی میں فروخت کرنے کے لئے گئے۔ اوپر حضرت عمرؓ آ گئے۔ اونٹوں کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ لوگوں نے تمہیں امیر المومنین کا بیٹا سمجھ کر اپنی چراگاہوں میں اونٹ چرانے کی اجازت دی۔ اس لئے یہ لو اونٹوں کی اصل قیمت اور اونٹ بیت المال میں داخل کرا دو۔

۵۔ ایک مرتبہ کسی رئیس نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے لئے ہدیۃً دو چادریں بھیجیں۔ حضرت علیؓ خطبہ دے رہے تھے کہ بیٹوں پر نظر پڑ گئی۔ فوراً چادریں چھین کر بیت المال میں داخل کرا دیں۔

(نزہتہ الابرار تذکرہ حضرت علیؓ)

Marfat.com

٦۔ایک دفعہ اصفہان سے کچھ مال آیا جس میں کچھ گھی اور شہد بھی تھا گھی اور شہد حضرت علیؓ کی دختر کلثوم نے لے لیا۔ حضرت علیؓ کو علم ہوا تو آپ نے قیمت وصول کر کے خزانے میں جمع کرا دی۔ (نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت علیؓ)

سیدۂ عالم حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی پیسنے سے چھالے پڑ گئے تھے۔ مشک میں پانی بھر بھر کر کندھوں اور سینے پر تسموں کے نشان تھے۔ جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے میلے ہو جاتے اور چولھا پھونکنے سے بالوں میں راکھ پڑ جاتی۔ ایک مرتبہ جب آپ نے والد محترم حضرت سرور دو عالم سے خدمت کے لئے ایک نوکر مانگا تو حضور ﷺ غصے میں فرمانے لگے۔ بیت المال فقراء یتامیٰ کا حق ہے اور تمہارا باپ ابھی زندہ ہے۔

٨۔ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو سونے کا ایک ہار دیا رسول اکرم ﷺ نے دیکھ لیا تو فرمایا۔ کیوں فاطمہ! تم لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول کی بیٹی نے آگ کا ہار پہن رکھا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے فوراً وہ ہار اتار پھینکا۔

٩۔ایک مرتبہ سرور کائنات ایک لڑائی سے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے خوشی میں دروازے پر رنگین پردے لٹکا دیئے اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنا دیئے۔ آپ جونہی گھر میں داخل ہوئے ابروئے نبوت پر شکن پڑ گئے اور فرمایا۔

''اے اللہ! میں نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیت دنیوی آلائشوں سے آلودہ ہوں'' حضرت فاطمہؓ نے پردے فوراً چاک کر دیئے اور کنگن اتار ڈالے۔ (ابوداؤد نسائی)

١٠۔ذیقعد ١٤ھ۔ ٦٣٦ء میں منمل کے مقام پر جو شرق اردن کے شہر طبریہ سے ١٧/١٦ میل دور ہے۔ رومی اور اسلامی فوجیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں۔ جنگ سے پہلے عیسائیوں کی درخواست پر حضرت ابوعبیدہ نے معاذ بن جبل کو شرائط صلح پر بحث کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ رومیوں کے آراستہ و پیراستہ دربار میں پہنچے تو قالینوں کو الٹ کر زمین پر بیٹھ گئے اور

Marfat.com

فرمانے لگے کہ جو فرش غریبوں کا حق چھین کر تیار کیا گیا ہو، میں اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔

۱۱۔ ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا تو حضرت عمرؓ کی دختر اور سرور کائنات کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہؓ بھی کچھ لینے کے لئے آئیں۔ حضرت عمرؓ کی نگاہ ان پر پڑی تو طیش میں آ کر بولے۔ ''حفصہؓ تم کیوں آئیں؟ تم اپنے باپ کے مال سے تو حصہ لے سکتی ہو۔ یہ مالِ غنیمت ہے تمہارے باپ کا نہیں۔ حضرت حفصہ خفیف سی ہو کر چلی گئیں۔ (مسند امام حنبل)

Marfat.com

ہمارے بزرگوں کی سادگی انکسار اور قناعت

۱۔ایک سفر میں جب صحابہ کرام کھانے کا انتظام کرنے لگے تو سرور دو عالم نے فرمایا۔ کہ میں جنگل سے ایندھن اکٹھا کروں گا۔ تمام صحابہ نے بیک زبان التماس کی کہ آپ آرام فرمائیں ہم سب کام کرلیں گے۔ لیکن حضور نہ مانے اور فرمایا! اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو ساتھیوں سے بڑا بنتا ہو۔ (زرقانی ص ۲۰۶)

۲۔ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری پر صحابہ تعظیم کے لئے اٹھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو کہ یہ اہل عجم کے آداب ہیں۔ (ابن ماجہ)

۳۔ایک مرتبہ ایک شخص کاشانہ نبوت میں آیا اور ہیبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ ڈرومت کہ میں ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔

۴۔ایک دفعہ ایک صحابی نے حضور کو میرے آقا کہہ کر پکارا۔ آپ نے فرمایا۔ ''میں عبداللہ کا بیٹا ہوں اور اللہ کا قاصد۔ بس اس سے زیادہ مجھے ہرگز نہ سمجھو۔'' (صحیح مسلم)

۵۔جب بنی عامر کے نمائندے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک نے کہا ''آپ ہم سے افضل ہیں'' حضور نے فرمایا۔ ''بات کہنے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ تمہاری زبان شیطان کے قابو میں تو نہیں۔'' (ابوداؤد)

۶۔جب محرم ۷ھ۔(۶۲۹ئ) میں خیبر کا مشہور شہر سر ہوا تو صحابہ کے اصرار پر حضور شہر میں بحیثیت ایک فاتح کے داخل ہوئے لیکن ہیئت یہ تھی کہ گدھے پر سوار تھے اور لگام کی جگہ گدھے کے گلے میں کھجور کے پتے ڈال رکھے تھے۔ (مشکوٰۃ)

۷۔ایک دن حضرت عمرؓ نے خطبہ میں فرمایا۔ ''ایک دن وہ تھا کہ سوکھی کھجوروں کے عوض

Marfat.com

اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

خطبہ کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا۔ کہ خطبہ میں آپ نے اپنی تنقیص کیوں کی؟ فرمایا۔ آج تنہائی میں میرا نفس مجھے کہنے لگا کہ تم امیرالمومنین اور نائب رسول ہو، تم سے بڑا کون ہوسکتا ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ سر محفل نفس کو اپنی حقیقت سے آگاہ کروں۔

(نزہتہ الابرار تذکرہ عمرؓ)

۸۔ایک دن حضرت عمرؓ کو زید بن ثابت سے کوئی کام پڑ گیا۔ ان کے گھر آئے تو حضرت زید نے کہا۔ ''آپ مجھے بلا بھیجتے، تکلیف کیوں فرمائی'' ضرورت تو مجھے تھی تمہیں کیوں بلاتا۔

(ادب المفرد باب من کان لہ حاجتہ)

۹۔حضرت عثمانؓ اس قدر سادہ زندگی بسر کرتے کہ مسجد میں سر کے نیچے چادر رکھ کر لیٹ جاتے اور جب اٹھتے تو جسم پر کنکریوں کے نشان نظر آتے تھے اور لوگ کہا کرتے تھے، یہ ہیں ہمارے امیرالمومنین۔

۱۰۔حضرت علیؓ زمین پر لیٹنے کی وجہ سے بوتراب (مٹی کا باپ) کہلاتے تھے وہ اپنا سودا سلف خود بازار سے خریدتے عہد خلافت میں ایک دن بازار سے کھجوریں خرید کر آرہے تھے کہ ایک شخص نے کہا ''اے امیرالمومنین لائیے میں پہنچا دوں'' فرمانے لگے بچوں کی خدمت کا حق باپ ہی کو پہنچتا ہے۔ (ادب المفرد۔ باب الکبر)

۱۱۔حضرت علیؓ نے زندگی میں کوئی گھر نہ بنایا اور لب پر ہمیشہ یہی دعا رہتی تھی۔ ''اے اللہ مجھے دنیا پر فریفتہ نہ کرنا'' بدن پر ہمیشہ گاڑھے کی پھٹی پرانی قمیص، ویسا ہی تہبند اور ایک موٹی چادر اوپر ہوتی تھی۔ اسی ہیبت میں وہ درہ لئے گلیوں اور بازاروں میں گشت فرماتے اور لوگوں کا محاسبہ کیا کرتے۔ ایک مرتبہ تہ بند پھٹ گیا تو آپ نے مسجد نبوی ﷺ میں آکر اپنی تلوار نیلام کر کے تہ بند خریدا۔

(اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ)

۱۲۔حضرت ابوبکرؓ عہد خلافت میں باہر نکلتے تو چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں دوڑ کر پاس

Marfat.com

آتیں اور دامن تھام کر کہتیں۔ ''اے ہمارے بزرگوار باپ ہمیں دعا دیجئے۔'' آپ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ بسا اوقات بچیاں انہیں کھینچ کر گھر لے جاتیں اور کہتیں کہ ہماری بکریوں کا دودھ دوہیے۔ چنانچہ وہ ان معصوم فرمائشوں کو پورا فرماتے۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ ج ۲ ص ۳)

۱۳۔ مدینہ کے ایک گوشہ میں ایک بے کس بڑھیا رہتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ عہد خلافت میں رات کو چھپ کر اس کے گھر جاتے، صحن میں جھاڑو دیتے، گھڑوں میں پانی ڈالتے اور دیگر ضروریات پوری کر کے واپس آجاتے۔ (اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکرؓ)

۱۴۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

جعلنی اللہ فداک (مجھے اللہ آپ پر قربان کرے) آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ اذا یھینک (اگر یہ ارادے ہیں تو خدا تمہیں ذلیل و خوار کرے گا)

۱۵۔ جب حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ سرور دو عالم کے عقد میں آئیں تو حضور نے ان کو ایک چکی، ایک گھڑا اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ عنایت فرمایا اور یہی سامان باقی ازواج کو بھی عطا ہوا تھا۔ (مسند امام حنبل ج ۶ ص ۲۹۵)

۱۶۔ جب سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی شادی ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے ایک بان کی چارپائی، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشک، دو چکیاں اور چمڑے کا تکیہ جہیز میں دیا۔

۱۷۔ ایک دن حضرت علیؓ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے حضرت حسینؓ اور امام حسنؓ رو رہے ہیں۔ آپ سے برداشت نہ ہو سکا اور باہر چلے گئے۔ اتفاقاً زمین پر پڑی ہوئی ایک اشرفی مل گئی، اس کا آٹا اور گوشت خریدا۔ لیکن محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ حضور کو مدعو کیے بغیر کھانا نہ کھایا۔ (ابوداؤد کتاب اللقطہ)

Marfat.com

۱۸۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ تمام عمر سرور کائنات کے کپڑوں کا صرف ایک ہی جوڑا رہا۔ (ترمذی)

۱۹۔حضور کے گھر دو دو مہینے آگ نہ جلتی تھی، گزارہ پانی اور کھجور پر ہوتا۔ تمام عمر چپاتی نہیں کھائی اور نہ ہی ساری زندگی میں کوئی ایسا دن آیا کہ آپ کو دونوں وقت کھانا نصیب ہوا ہو۔

(بخاری ابن ماجہ ترمذی)

۲۰۔ایک دن سخت بھوک کی حالت میں رسول کریم ﷺ ابو ایوب انصاری کے ہاں گئے، حضرت انصاری نے فوراً ایک بکری ذبح کی۔ جب تیار ہو گئی تو فرمایا کہ اس میں سے کچھ میری بیٹی کو بھیج دو کہ کئی روز سے بھوکی ہیں۔ (ترغیب وترہیب ج ۲)

۲۱۔اسی طرح ایک دن حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ سید کونین کئی روز سے بھوکے ہیں۔ آپ ایک یہودی کے باغ میں گئے اور کہا کہ مجھ سے کوئی کام لیکر کھجوریں دے دو۔ یہودی نے کہا کہ کنوئیں سے ڈول نکال کر باغ کو پانی دو، ہر ڈول کے عوض ایک کھجور دونگا۔ چنانچہ آپ نے ڈول نکالے اور کھجوریں لاکر حضور کی خدمت میں پیش کیں۔ (سنن ابن ماجہ)

۲۳۔رسول اللہ چاشت کے وقت عبادت سے فارغ ہو کر گھر جاتے اور گھریلو کاموں میں مصروف ہو جاتے تھے، اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے جوتے مرمت کرتے، دودھ دوہتے، آٹا گوندھتے اور صحن میں جھاڑو دیتے تھے۔ (بخاری وترمذی)

۲۴۔رسول اکرم کا ہمیشہ یہ شعار رہا ہے کہ جب کوئی شخص راستے میں ملتا سلام میں پہل فرماتے۔

۲۵۔ایک مرتبہ خباب بن ارت کسی ضرورت کے لئے سفر پر گئے چونکہ ان کے گھر میں کوئی آدمی نہیں تھا اس لئے رسول اکرم خود جا کر ان کی بکریوں کا دودھ دوہتے۔ (بیہقی)

Marfat.com

۲۶۔ایک دن حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ بدو آ کر کہنے لگا۔ ''محمد ﷺ! تم سے ایک ضروری کام ہے، ابھی آؤ۔'' چنانچہ آپ نماز چھوڑ کر چلے گئے اور نماز واپس آ کر مکمل کی۔(ابوداؤد ترمذی)

۲۷۔حضور ہمیشہ یہ دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! مجھے زندگی میں مسکین رکھ، مسکینی میں موت دے اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر، اس لئے کہ مسکین چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (مشکوٰۃ)

خدمت خلق

ا۔حضرت عمرؓ کا یہ قاعدہ تھا کہ جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوتے ان کے گھر جاتے، دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کہتے اور پھر پوچھتے تمہارا کیا حال ہے، کس چیز کی ضرورت ہے۔ ''کوئی تکلیف تو نہیں؟ پیسے دو کہ میں تمہیں سودا سلف بازار سے لا دوں۔ جن کے گھروں میں غلام ہوتے وہ غلاموں کو ہمراہ بھیج دیتے اور جن کے پاس غلام نہ ہوتے ان کا سودا خود خرید لاتے۔ شوہروں کے خطوط آتے تو خود گھروں پر جاتے دروازے سے باہر کھڑے ہو کر سناتے اور عموماً جواب بھی خود ہی لکھتے۔ جب باہر سے قافلے آتے تو ان کا حال پوچھنے جاتے، اگر کوئی بیمار یا لولا لنگڑا مسافر نظر آتا تو اس کے لئے سواری کا انتظام کرتے، قافلہ روانہ ہوتا تو کوس بھر پیچھے پیچھے جاتے، قافلے کی کوئی چیز گر پڑتی تو دوڑ کر پہنچاتے۔

حضرت علیؓ کا دستور تھا کہ وہ جنگلوں میں جا کر بھولے بھٹکے مسافروں کو راستے پر ڈالتے، بازاروں میں قلیوں کا بوجھ اٹھواتے اور اگر کسی کے جوتے کا تسمہ بھی گر جاتا تو اٹھا کر اس کے حوالے کرتے۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۲ ص ۴)

جب حضرت عمرؓ کو جنگ قادسیہ کی فتح وظفر کی بشارت ملی تو آپ نے مجمع عام میں ایک پر اثر تقریر کی جس کا آخری فقرہ یہ تھا۔

میرے بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بناتا پھروں، بلکہ میں تو اللہ کا ایک ادنی

Marfat.com

غلام ہوں چونکہ خلافت کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے اس لئے میری نجات اسی میں ہے کہ میں آپ کی خدمت کروں اور آپ چین سے گھر میں سوئیں۔ اگر خدانخواستہ مجھ میں یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ میں آرام کروں اور آپ لوگ میرے گھر کے سامنے دربانی کے فرائض انجام دیں تو سمجھ لیجئے کہ میرے ادبار و ہلاکت کے دن شروع ہو گئے، میں آپ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہوں زبان سے نہیں بلکہ عمل سے۔

۳۔ حضرت عمرؓ رات کو عموماً گلیوں میں پہرہ دیتے۔ ایک رات آپ گشت کرتے ہوئے ایک خیمے کے پاس پہنچے، خیمے سے کراہنے کی آواز آئی آپ نے پوچھا کیا تکلیف ہے؟ ایک بدو باہر آیا اور کہنے لگا۔ میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ حضرت عمرؓ واپس آئے اور اپنی زوجہ حضرت ام کلثوم کو ہمراہ لیا اور خیمے میں پہنچا دیا۔ خود خیمے سے باہر زمین پر بیٹھ کر بدو سے باتیں کرتے رہے۔ جب بچہ پیدا ہوا تو ملکہ نے آواز دی۔

''امیر المومنین! اپنے دوست کو بچے کی مبارک باد دیجئے، امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونکا اور مؤدب ہو کر معافی مانگنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! بحیثیت خادم میرا یہ فرض تھا۔ کل تم میرے پاس آنا میں اس بچے کی تنخواہ مقرر کر دونگا۔ (کنزل العمال ج ۲ ص ۳۴۳)

۴۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص پر نظر پڑی جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ پوچھا دائیں ہاتھ میں کیا تکلیف ہے؟ کہنے لگا...... جنگ موتہ ۸ھ میں کٹ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہو گئی اشک آلود آنکھوں سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا اور کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ اس کے بعد آپ نے سرکاری خرچ پر ایک نوکر اس کے حوالے کیا اور تمام چیزیں بھی ساتھ دیں۔

۵۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں زمینوں کے بندوبست کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان کو حکم دیا کہ وہ عراق کی زمینوں کی پیمائش کر کے لگان مقرر کریں چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے مندرجہ ذیل رپورٹ مرتب کی۔

Marfat.com

''عراق لمبائی میں ۲۷۵، اور چوڑائی میں ۲۴۰ میل ہے اور قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہے۔ لاوارثوں اور مفروروں کی زمینیں ضبط کر لی گئی ہیں اور باقی ماندہ پر حسب ذیل لگان عائد کیا گیا ہے۔

	جنس	فی جریب یعنی پون بیگھ پر لگان
(۱)	گندم	دو درہم سالانہ (درہم ۳۰/ کا ہوتا ہے
(۲)	جو	ایک درہم سالانہ
(۳)	گنا	چھ درہم سالانہ
(۴)	روئی	پانچ درہم سالانہ
(۵)	انگور	دس درہم سالانہ
(۶)	کھجوروں کے باغ	دس درہم سالانہ
(۷)	تل	آٹھ درہم سالانہ
(۸)	ترکاری	تین درہم سالانہ''

اس رپورٹ کو پڑھ کر حضرت عمرؓ کا چہرہ چمک اٹھا اور فرمانے لگے۔ خدا کی قسم اگر میں چندے اور زندہ رہا تو اپنے بعد بھی عراق کی بیواؤں اور بے کسوں کو کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہونے دوں گا۔ (بخاری کتب المناقب)

حضرت عمرؓ کا یہ جملہ صاف صاف بتا رہا ہے کہ اسلامی حکومت کا نصب العین کیا تھا۔

Marfat.com

صدقہ۔۔۔ایثار۔۔۔فیاضی

ا۔ حضرت ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ آیت صدقہ نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام بازاروں میں جا کر مزدوری کرتے اور جو کچھ کماتے صدقہ کر دیتے۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

۲۔ حضرت اسماء نے ایک لونڈی فروخت کی۔ شوہر نے آ کر رقم مانگی تو بولیں میں تو اسے صدقہ میں دے چکی ہوں۔ (مسلم)

۳۔ قریش کی مشہور یادگار دارالندوۃ حضرت حکیم بن حزام کے قبضے میں تھی۔ امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں اسے ایک لاکھ درہم پہ خریدا اور حضرت حکیم نے یہ رقم غربا میں بانٹ دی۔ (اسد الغابہ)

۴۔ حضرت سلمان فارسی مدائن کے گورنر تھے۔ ان کی تنخواہ پانچ ہزار درہم تھی۔ جب تنخواہ ملتی تو صدقہ کر دیتے اور خود مزدوری کر کے اپنا گزارہ چلاتے۔ (استیعاب)

۵۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

من الذی یقرض اللہ قرضاً حسنا (اللہ کو کون قرض حسنہ دینا چاہتا ہے)۔ تو حضرت ابو الدحداح اپنے باغ میں گئے اور بیوی کو جو وہیں رہتی تھی آواز دی۔ ''ام واحداح! باغ سے باہر نکلو۔ کہ میں نے یہ باغ خدا کو بطور قرض حسنہ دے دیا ہے۔ (استیعاب)

۶۔ سرور کائنات کا وقت رحلت قریب آیا تو نہایت کمزور آواز میں حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ میرے سرہانے کے نیچے چند اشرفیاں پڑی ہوئی ہیں انہیں فوراً غریبوں میں بانٹ ڈالو، ورنہ اللہ محمد ﷺ سے بدگمان ہو کر ملے گا۔ (سیرت نبوی شبلی)

۷۔ عہد رسالت میں حضرت مالک بن ثعلبہ ایک دولت مند صحابی تھے ایک دن رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

والذین یکنزون الذھب والفضہ۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں ان کے ماتھے اور پہلوؤں کو انہی سے داغا جائے گا۔

(الخ)

کہ حضرت مالک پاس سے گزرے۔ یہ آیت سن کر فرمانے لگے کہ انشاءاللہ آج شام تک مالک کے پاس ایک درہم بھی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ سب کچھ خیرات کر دیا۔ (اسدالغابہ)

۸۔ ہجرت کے بعد عبدالرحمن بن عوف مہاجر کو سعد بن ربیع کے ہاں مدینہ میں ٹھہرایا گیا تھا آپ نے نہ صرف آدھی جائیداد ابن عوف کو دیدی بلکہ ایک بیوی بھی ان کے حوالے کرنا چاہی لیکن آپ نے اسے منظور نہ فرمایا۔ (کتاب المناقب)

۹۔ حضرت سعید بن عاص کا یہ دستور تھا کہ اگر ان سے کوئی سائل کچھ مانگتا اور پاس کچھ نہ ہوتا تو ایک معین رقم کا پرونوٹ لکھ دیتے اور جب رقم ہاتھ آئی تو پہلے اس سائل کا قرض ادا کرتے۔

(ابدالغابہ)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس کہیں سے ۲۰ ہزار درہم آگئے آپ نے تقسیم کر دیئے اور جو حاجت مند ذرا دیر سے پہنچے انہیں اس طرح راضی کیا کہ پہلے حاجت مندوں سے کچھ رقم بطور قرض لے لی۔

ابن عمرؓ عموماً روزہ رکھا کرتے تھے اور جب کوئی مہمان آجاتا تو روزہ توڑ دیتے تاکہ مہمان یہ نہ سمجھے کہ میزبانی سے کتراتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

۱۱۔ ایک مرتبہ ابن عمر بیمار ہو گئے اور انگوروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بڑی مشکل سے پانچ انگور دستیاب ہوئے۔ جب ان کے سامنے لائے گئے تو اوپر سے ایک سائل آگیا۔ آپ نے یہ انگور اس کو دیدیئے۔ دوستوں نے ہر چند کہا کہ آپ بیمار ہیں یہ فیاضی نہ کیجئے لیکن آپ نہ مانے۔

Marfat.com

آخر احباب نے وہی انگور اس سائل سے خرید کر دوبارہ آپ کو دیئے۔

(طبقات ابن سعد تذکرہ عبداللہ بن عمرؓ)

۱۲۔ حضرت اسماء نے ایک جائیداد حضرت عائشہؓ سے وراثتاً پائی تھی جسے امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم پہ خرید لیا۔ حضرت اسماء نے یہ رقم دونادار صحابہ کو بخش دی۔

ہمسایہ نوازی

ہمسایہ نوازی عربوں کا بہت بڑا وصف تھا۔ دور جہالت میں ایک شخص کو اس کی بیوی نے طعنہ دیا کہ تمہارا کنبہ بہت مختصر سا ہے۔ اس کے جواب میں شاعر نے کہا۔

تعیرنا انا قلیل و جارنا
عزیز و جارا الا کثیرین ذلیل

(مجھے میری بیوی طعنہ دیتی ہے کہ ہمارا کنبہ چھوٹا سا ہے۔ کیا وہ دیکھتی نہیں کہ ہم اپنے ہمسایوں سے اتنا اعلیٰ سلوک کرتے ہیں گویا وہ ہمارے کنبہ میں شامل ہیں حالانکہ بہت سے لوگ اپنے ہمسایوں کو بہت ذلیل رکھتے ہیں۔)

اسلام نے عربوں کے اس جوہر کو اور چمکا دیا۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ جب گھر میں کوئی اچھی چیز آتی تو پڑوسی کو بھی شامل کر لیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک بکری ذبح کرائی اور گھر والے یہودی کو گوشت بھیجنا بھول گئے۔ اس پر حضرت عبداللہ سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے۔

"ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبریل نے ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق اس قدر تاکید کی کہ مجھے شک پڑ گیا کہ غالباً ہمسایوں کو شریک وراثت بنا دیا جائیگا۔

(ابوداؤد باب فی حق الجوار)

۲۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت جابرؓ کے پاس تھوڑا سا گوشت دیکھا تو فرمانے لگے۔

Marfat.com

"تمہارا ہمسایہ بھوکا ہے اور تم کھانے کا انتظام کر رہے ہو کیا تم اپنے ہمسایہ کی خاطر بھوکے بھی نہیں رہ سکتے۔ (موطائے امام مالک کتاب الجامع)

غلاموں سے سلوک

صحابہ کرام اپنی اولاد اور غلاموں سے ایک جیسا سلوک کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر جو زیور اپنی بیٹیوں کو دیتے تھے وہی لونڈیوں کو بھی پہناتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ سے ملنے کو آئے تو دیکھا کہ آپ کو غلام کے گلے میں بھی سونے کا ہار ہے وہ لوگ متعجب ہوئے تو آپ نے مزاحاً فرمایا۔ "تمہاری نگاہ برائیوں پر ہی پڑتی ہے۔" (ادب المفرد)

۲۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری نے اپنے غلام کو ڈانٹا تو رسول اللہ نے فرمایا۔ "ابوذر! تم میں جاہلیت کا اثر ابھی تک باقی ہے یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں انہیں وہی کھلاؤ اور پہناؤ جو خود کھاتے اور استعمال کرتے ہو۔" (بخاری کتاب الایمان)

۳۔ حضرت عثمانؓ سحر کے وقت عبادت کے لئے جاگتے تو خود ہی وضو کے لئے پانی تلاش کرتے ایک دن کسی نے کہا۔ آپ جو اندھیرے میں اتنی تکلیف کرتے ہیں غلام کو کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ انتظام کر دیا کرے فرمانے لگے اللہ نے رات آرام کے لئے بنائی ہے۔

(طبقات ابن سعد ذکر عثمانؓ)

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام سے محبت

ا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ وہ چھوٹے سے چھوٹے سفر میں بھی روزہ افطار کرتے ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رمضان میں سفر کو نکلے ابھی شہر کے در و دیوار اوجھل بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے روزہ کھول دیا بعض ہمراہیوں نے اعتراض کیا تو فرمانے لگے تم لوگ رسول کریم کے اسوہ حسنہ سے منہ موڑ رہے ہو۔ (ابوداؤد)

۲۔ ایک بار حضرت دحیہ بن خلیفہ دمشق کے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے فاصلہ صرف تین میل کا تھا۔ آپ نے روزہ توڑ دیا لیکن ساتھیوں نے روزہ جاری رکھا۔

Marfat.com

آپ فرمانے لگے۔اے اللہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں، امت رسول ﷺ اسوۂ رسول سے انحراف کر رہی ہے۔خداوندا مجھے اب دنیا سے اٹھالے۔ (ابوداؤد)

۳۔ایک مرتبہ حضرت سعید بن یسار عبداللہ بن عمرؓ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ایک موقعہ پر پیچھے رہ گئے ابن عمرؓ نے وجہ پوچھی، تو کہنے لگے میں وتر پڑھ رہا تھا۔فرمایا کیا تمہیں سرور دو عالم کا اسوہ پسند نہیں۔وہ سفر میں اونٹ ہی پر وتر پڑھا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ)

۴۔ایک مرتبہ ایک صحابی حضور کی خدمت میں آیا۔دیکھا کہ آپ کی قمیض کا تکمہ کھلا ہے۔ اس صحابی نے حب رسول کی بنا پر عمر بھر اپنا تکمہ کھلا رکھا۔ (ابوداؤد)

۵۔مدینہ میں حویصہ اور محیصہ دو بھائی تھے۔حویصہ چھوٹا تھا اور محیصہ بڑا۔ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے یہودیوں کی عہد شکنی، اسلام دشمنی اور مسلسل ایذا رسانی سے تنگ آکر ان کے قتل کا حکم دیدیا۔اس وقت حویصہ اسلام لا چکا تھا اور محیصہ بدستور کافر تھا۔حویصہ نے اپنے بڑے بھائی کے ایک گہرے دوست کو جو یہودی تھا قتل کر دیا۔اس پر محیصہ سخت ناراض ہوا اور حویصہ کو پیٹنا شروع کر دیا حویصہ نے اپنے بھائی کے غصے اور مار پیٹ کا صرف ایک جواب دیا کہ جس ہستی نے مجھے یہودیوں کے قتل کا حکم دیا اگر تمہارے قتل کا بھی اشارہ کر دے تو میں تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دوں۔محیصہ حیرت سے پوچھنے لگا کیا واقعی تم بڑے بھائی کی جان لینے سے دریغ نہیں کرو گے؟ حویصہ نے کہا خدا کی قسم میں یقیناً تمہیں مار ڈالوں گا" محیصہ کچھ سوچنے کے بعد کہنے لگا۔"جس مذہب نے تم میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا" اور فوراً مسلمان ہو گیا۔ (اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۳۴)

۶۔جب ابوطلحہ انصاری نے حضرت ام سلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا تو ام سلیم نے جواب دیا کہ مسلمان ہوں اور تم کافر اس لئے یہ رشتہ نہیں ہو سکتا، ہاں اگر تم اسلام قبول کر لو تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

Marfat.com

چنانچہ ابوطلحہ مسلمان ہو گئے۔ جب مہر معین کرنے کا وقت آیا تو ام سلیم نے فرمایا۔ ابوطلحہ کا اسلام ہی میرا مہر ہے۔ حضرت ثابت کہا کرتے تھے کہ کوئی عورت ام سلیم سے بہتر مہر مقرر نہ کرا سکی۔

۷۔ سمیہ بنت خیاط، یاسر عبسی کی زوجہ تھیں۔ بڑھاپے میں اسلام لائیں۔ اسلام لانے والوں میں آپ کا نمبر ساتواں تھا۔ قریش نے بے شمار مظالم کئے لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ یہاں تک کہ ایک دن ابوجہل نے برچھی سے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ آپ اسلامی تاریخ میں پہلی شہیدہ تھیں۔ (استیصاب ص ۷۶۰)

۸۔ آغاز اسلام میں ان حضرات پر بے پناہ مظالم توڑے گئے لیکن یہ لوگ جادۂ حقانیت سے منحرف نہ ہوئے۔

۱۔ حضرت عمرؓ کی بہن اسلام لائیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا۔

۲۔ جب ابوذر غفاری اسلام لائے تو کفار نے انہیں کعبہ میں لٹا کر سخت سزا دی۔

۳۔ یہی حال بلالؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا ہوا تھا۔

۴۔ حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے کئی روز رسیوں سے باندھے رکھا۔

۵۔ زبیر بن عوام کو ان کا چچا چھت سے لٹکا کر ناک میں دھواں دیا کرتا تھا۔

۶۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے انہیں اتنا پیٹا کہ وہ مردہ سمجھ لئے گئے اور لوگ انہیں کپڑوں میں لپیٹ کر گھر پھینک آئے لیکن کچھ دیر بعد ہوش میں آ گئے اور پہلا سوال یہ پوچھا کہ رسول اللہ کا کیا حال ہے۔

۷۔ سعید بن اسلام، عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت سلمہ بن ہشام اور کئی دوسرے صحابہ کو بے انداز اذیتیں دی گئیں۔ مثلاً پیٹ پر لوہا باندھ کر گرم ریت پر پھینک دیا، گلیوں میں گھسیٹا، دیواروں سے پٹخا، لاٹھیوں اور گھونسوں سے مارا لیکن انہوں نے اللہ اور رسول کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑا۔

حضور پرنور ﷺ کبھی کبھی حضرت ام سلیم کے گھر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو وہیں آرام فرماتے۔ جب آپ بستر سے اٹھتے تو ام سلیم آپ کے ٹوٹے ہوئے بالوں اور پسینے کے قطروں کو

Marfat.com

بوتلوں میں جمع کرلیتیں۔ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کی مشک سے پانی منہ لگا کر پیا تو آپ نے مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ (مسند جلد ۶ ص ۳۷۶)

مساوات

۱۔حضرت ابوعبیدہ شامی فوج کے سپہ سالار تھے۔ایک مرتبہ چند شامی روسا نے پر تکلف کھانے ابوعبیدہ کی خدمت میں پیش کیے۔آپ نے پوچھا کہ کیا میری فوج کو بھی یہی کھانا بھیجا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ نہیں "فرمایا" تو سب واپس لے جاؤ۔ابوعبیدہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے افضل نہیں سمجھ سکتا جو اسلام کے لیے خون بہا رہے ہوں۔ میں وہی کھاؤں گا جو میری فوج کو ملتا ہے۔ (طبری ص ۲۱۷۱)

۲۔ایک موقعہ پر رومیوں نے ایک جاسوس بھیجا کہ وہ عربی فوج کے حالات معلوم کرے۔اس نے پلٹ کر خبر دی کہ یہ لوگ رات کو زاہد و عابد اور دن کو شہسوار بن جاتے ہیں۔اگر ان کا بادشاہ بھی کوئی چیز چرا لے تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں۔اگر وہ جرم زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سنگسار کر ڈالتے ہیں۔رومی سپہ سالار نے یہ سن کر کہا۔"اس قوم کے خلاف لڑنے سے خود کشی ہزار درجے بہتر ہے۔" (طبری ص ۲۱۲۶)

۳۔جنگ فحل (۱۴ھ) میں رومیوں کی درخواست پر حضرت معاذ بن جبل کو شرائط صلح طے کرنے کے لیے بھیجا گیا۔وہاں مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

رومی:۔آپ قالینوں کو الٹ کر زمین پر بیٹھ گئے۔

معاذ:۔میں اس فرش پر نہیں بیٹھنا چاہتا جو غریبوں کا حق چھین کر تیار کیا گیا ہو۔

رومی:۔ہم تمہاری عزت کرنا چاہتے تھے۔لیکن افسوس کہ تمہیں اپنی عزت کا خیال نہیں۔

معاذ:۔جسے تم عزت سمجھتے ہو، میرے ہاں وہ ذلت ہے۔

رومی:۔لیکن زمین پر غلام بیٹھا کرتے ہیں۔

Marfat.com

معاذ:۔ مجھ سے بڑا خدا کا غلام کون ہوسکتا ہے؟

رومی:۔ کیا مسلمانوں میں تم سے بڑا کوئی اور آدمی بھی موجود ہے۔

معاذ:۔ یہ فخر کیا کم ہے کہ میں سب سے چھوٹا ہوں۔

رومی:۔ تم ہمارے لئے کیا پیغام لائے ہو۔

معاذ:۔ پیغام یہ ہے کہ اسلام لاؤ، شراب چھوڑ دو، سور کا گوشت ترک کردو، تمام بدکاریوں سے بچو، اس صورت میں ہم تم بھائی بن جائیں گے اگر یہ نامنظور ہوتو جزیہ ادا کرو، ورنہ کل میدان میں تلوار ہمارا تمہارا فیصلہ کریگی۔

رومی:۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ ہماری فوج آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہے، پھر تم کس برتے پر ہمارے منہ آرہے ہو۔

معاذ:۔ فتح وشکست کا انحصار کثرت وقلت پر نہیں بلکہ سچائی پہ ہے۔

رومی:۔ ہمارا شہنشاہ اتنا طاقتور ہے کہ کروڑوں انسانوں کی زندگی اس کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے بادشاہ سے لڑنا کوئی دانائی نہیں۔

معاذ:۔ تمہارے بادشاہ کو تمہارے جان ومال پر اختیار ہوگا لیکن جسے ہم نے اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں بھی ہم سے بڑا نہیں۔ اگر وہ زنا کرے گا تو اس کو درے لگائے جائیں گے اور اگر وہ چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔ وہ حاجت مندوں سے گھبرا کر پردوں میں چھپ کر نہیں بیٹھتا اور اس کا کام ہماری خدمت ہے۔

رومی:۔ ہم بلقا کا ضلع اور اردن کا حصہ جو تمہاری قلمرو سے ملا ہوا ہے دینے کے لئے تیار ہیں۔ اگر تم جنگ کے ارادے سے باز آجاؤ۔

معاذ:۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ ہمارا مقصد ملک گیری نہیں بلکہ گناہ کے خلاف لڑنا ہے۔ معاذ واپس آگئے اور پیچھے پیچھے رومیوں کا ایک قاصد بھی آن پہنچا۔ اس نے ہر طرف دیکھا کہ شاید کوئی سجا سجایا خیمہ نظر آئے جس کے باہر پہرہ لگا ہوا ہو اور اندر سپہ سالار بیٹھا ہوا ہو لیکن اسے مایوسی ہوئی یہاں سب ہر لحاظ سے برابر تھے۔ اس نے گھبرا کر کسی سے پوچھا کہ سپہ سالار کہاں ہے۔ چنانچہ وہ

Marfat.com

ابوعبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اگر آپ واپس جانے پر رضامند ہو جائیں تو ہم فی سپاہی دو دو اشرفیاں دینے کو تیار ہیں۔ جواب میں حضرت ابوعبیدہ نے فوج کی کمر بندی کا حکم دیدیا اور چندروز بعد سارا میدان رومیوں کے لہو سے رنگیں ہو گیا۔ (فتوح الشام۔ ازدی)

۴۔ جنگ یرموک (۱۵ھ) میں حضرت خالد سفیر بن کر رومیوں کے ہاں گئے۔ جب وہاں پہنچے تو رومی سپہ سالار ماہان نے اپنی تقریر میں پہلے حضرت عیسیٰ کا نام لیا اور پھر قیصر کا، اور فخراً کہا ہمارا قیصر شاہوں کا بادشاہ ہے۔ حضرت خالد نے بات کاٹ کر فرمایا۔ ''تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہمارے سردار کو ایک لمحہ کے لئے بھی بادشاہی کا خیال آجائے تو ہم فوراً اسے معزول کر دیں۔''

ایفائے عہد

ا۔ امیہ بن خلف مکہ کا ایک کافر تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اسے کہہ بیٹھے کہ اگر تم کسی وقت مدینہ میں آئے تو میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ جب کفار مکہ جنگ بدر میں مدینہ کی طرف بڑھے تو امیہ بھی ان میں شامل ہو گیا دوسری طرف اسلامی فوج میں عبدالرحمن بن عوف بھی تھے۔ ایک طرف ایفائے عہد، دوسری طرف اپنے فرض کا تقاضا۔ چنانچہ جب چند اسلامی سپاہی امیہ کی طرف بڑھے تو عبدالرحمن آڑے آگئے۔ جس طرف سے تلوار آتی آپ سامنے آجاتے۔ اس اثنا میں امیہ زمین پر گر گیا عبدالرحمن اس پر لیٹ گئے اور اس کے جسم کو ہر طرف سے ڈھانپ لیا لیکن ایک منچلے مسلمان نے ایک طرف سے تلوار داخل کر کے امیہ کا کام تمام کر ڈالا۔

۲۔ جب اسلامی افواج رومیوں کے خلاف صف آرا تھیں تو ایک رومی قیدی نظر بچا کر نکل گیا اور ہرقل قیصر روم کے پاس جا پہنچا۔ قیصر نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے تو اس نے کہا۔

''وہ لوگ رات کو زاہد اور دن کو شہسوار ہوتے ہیں۔ کسی قوم سے معاہدہ کرتے ہیں تو ان سے ہر چیز بہ قیمت لیکر کھاتے ہیں اور جس شہر میں داخل ہوتے ہیں کسی کو قطعاً کوئی تکلیف نہیں دیتے۔''

Marfat.com

یہ سن کر ہرقل کہنے لگا۔

''اگر یہ سچ ہے تو یہ لوگ بہت جلد اس زمین کے مالک بن جائیں گے جو آج میرے قدموں کے نیچے ہے۔'' (طبری ص ۲۳۹۵)

۳۔ ایک مرتبہ حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں حضرت عائشہ نے فرمایا کہ مجھے تم سے اس قدر ہمدردی ہے کہ اگر میرے پاس دس ہزار درہم بھی ہوتے تو تمہیں دے دیتی۔ خدا کی شان اسی دن امیر معاویہ نے دس ہزار درہم حضرت عائشہؓ کو بھیجے اور آپ نے فوراً وہ رقم منکدر کے ہاں بھیج دی۔

(طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہ)

عفوودرگذر

ا۔ جنگ حنین میں جب صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کفار کی بے پناہ تیر اندازی نے قیامت کا سماں باندھ دیا تو رحمۃ اللعالمین نے ہجوم مصائب میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ لوگ یہ سمجھے کہ آپ کفار کے لئے کسی فوری عذاب کی دعا مانگیں گے لیکن اس رحمت مجسم کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

اے خدائے تبارک وتعالیٰ میری قوم کو سیدھے راستے پر ڈال کہ یہ غریب جہالت کی وجہ سے بھٹک رہے ہیں۔ (طبری)

۲۔ عہد خلافت میں حضرت علیؓ کا ایک مقام سے گذر ہوا۔ دور سے ایک خارجی نے دیکھ لیا اور لگا منہ سے اناپ شناپ بکنے۔ ساتھیوں نے کہا۔ ''حضور یہ گستاخ بدزبانی سے کام لے رہا ہے۔'' مدینۃ العلم نے جواب دیا علی نام کے کئی اور آدمی بھی موجود ہیں کسی اور کو کوس رہا ہوگا۔'' بعد میں اس واقعہ کو آپ نے یوں نظم فرمایا''۔

Marfat.com

ولقد صررت علی اللیم بسبنی

فمر رت ثمہ قلت الا یعیننی

میں ایک بد بخت کے پاس سے گذرا جو مجھے گالیاں دے رہا تھا۔ میں یہ کہہ کر وہاں سے گذر گیا کہ کسی اور کوس رہا ہوگا۔

۳۔کعب بن زہیر عرب کا ایک مشہور شاعر تھا جو دیہات میں پھر کر اپنی آتش بیانی سے قبائل کو بھڑکاتا اور اسلام کے لئے پریشانیوں کے اسباب مہیا کرتا تھا۔ اس کی ان فتنہ سامانیوں سے تنگ آ کر حضور ﷺ نے اس کی موت کے حکم صادر فرما دیئے۔ احکام کا نکلنا تھا کہ ہر چہار طرف اس کی تلاش شروع ہوگئی جب وہ خطروں میں محصور ہوگیا تو ایک شام بھیس بدل کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاں پہنچا اور دوسرے روز بزم رسول میں حاضر ہوا۔ اتفاقاً اس وقت حضور ﷺ فرما رہے تھے جو شخص اسلام لے آئے وہ ہمارا بھائی بن جاتا ہے۔کعب نے اٹھ کر کہا ''خواہ وہ کعب بن زبیر ہی کیوں نہ ہو۔'' فرمایا۔ بے شک۔کعب نے منہ سے چادر اٹھالی۔حضرت عمرؓ بھپرے ہوئے شیر کی طرح تلوار سونت کر آگے بڑھے لیکن اس عفو مجسم نے روک لیا۔ اس پر کعب نے ۵۲ اشعار کا وہ قصیدہ فی البدیہہ کہا۔ جو قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے اور جسے بعض لوگ صبح کی تلاوت کے بعد بطور تبرک پڑھا کرتے ہیں اس قصیدے کے تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

نبئت ان رسول اللہ اوعدنی

والعفو عند رسول اللہ مامول

مجھے بتایا گیا تھا کہ رسول خدا نے مجھے دھمکی دی ہے۔لیکن ساتھ ہی مجھے یقین تھا کہ حضور معاف فرما دیں گے۔

لقد آیت رسول اللہ معتذرا

والعذر عند رسول اللہ مقبول

میں رسول کریم کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر ہوا ہوں اور آپ گنہگار کا عذر سن ہی لیا کرتے ہیں۔

Marfat.com

جب کعب اس شعر پر پہنچا۔

ان الرسول یسف یستفاء بہ

مھند من سیوف الھند مسلول

رسول خدا ہندوستان کی وہ فولادی تلوار ہیں جن سے تجلیاں حاصل کی جاتی ہیں۔

توحضور ﷺ نے اپنی چادر مبارک بطور انعام کعب کی طرف پھینک دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ دوسرے مصرعوں میں ''ہند کی جگہ اللہ کردو کہ میں ہندوستانی نہیں بلکہ خدائی تلوار ہوں۔''

مذکور ہے کہ امیر معاویہ نے اپنے عہد امارت میں یہ چادر ۲۰ ہزار درہم میں خرید لی تھی۔

عیاشی اور لہولعب سے احتراز

ا۔جب رومیوں کو دمشق وحمص میں پیہم شکستیں ہوئیں تو قیصر نے چند فوجی سرداروں کو پایہ تخت (انطاکیہ) میں طلب کر کے پوچھا کہ ''عرب تم سے طاقت تعداد اور سامان جنگ میں کم تھے پھر وہ جیت کیسے گئے؟ اس پر ایک بوڑھے سردار نے کہا۔

''اصلی طاقت اخلاق کی طاقت ہے جو عربوں کے پاس موجود ہے اور ہمارے پاس نہیں، عرب رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے اور ان میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ دوسری طرف ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں اور زنا کرتے ہیں۔ وعدوں کی پابندی نہیں کرتے اور خلق خدا پر ظلم توڑتے ہیں۔''

۲۔حضرت عمرؓ نے نعمان بن عدی کو میسان کا حاکم مقرر کیا تھا۔نعمان عیش وعشرت میں پڑ گئے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین تسوہ

تناد منابا الجوسق المتھدم

شاید امیر المومنین کو یہ خبر یقینا ناگوار گذرے گی کہ ہم لوگ محلوں میں عیش اڑا رہے ہیں۔

یہ خط امیر المومنین کے ہاتھ آ گیا۔آپ نے فوراً نعمان کی معزولی کے احکام صادر فرمائے

Marfat.com

اور ساتھ ہی لکھا۔ واقعی یہ خبر ہمیں نہایت ناگوار گذری ہے۔ (اسد الغابہ۔ ذکر نعمان بن عدی)

۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک موقعہ پر فرمایا۔

''میں مردار کی بدبو برداشت کرلوں گا لیکن غیر عورت کی خوشبو کو کبھی برداشت نہیں کروں گا۔'' (طبقات ابن سعد ذکر موسیٰ اشعری)

۴۔ مسجد نبوی میں ایک جوان صحابیہ بھی شریک نماز ہوا کرتی تھیں۔ تمام صحابہ اگلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے تاکہ اس کے کسی حصہ جسم پر نظر نہ پڑ جائے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر ڈھول اور باجے کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور فرماتے کہ رسول خدا بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ۔ باب الدف)

۶۔ کسی گھر میں کوئی تقریب تھی اور حضرت عائشہؓ بھی مدعو تھیں۔ وہاں ایک شخص نے گردن ہلا ہلا کے گانا شروع کر دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا یہ شیطان ہے اسے باہر نکالو۔

(ادب المفرد۔ باب اللہو)

۷۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ لوگ رہتے تھے۔ جب ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو آپ نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم نے آئندہ یہ حرکت کی تو اس گھر میں نہیں رہ سکو گے۔

عبداللہ بن عمر کسی کو نرد کھیلتے دیکھتے تو اسے مارتے اور نرد توڑ ڈالتے ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے دو آدمیوں کو شطرنج کھیلتے دیکھا تو یہ آیت پڑھی۔

ما هذه التماثيل التي انتم لها عاكفون۔ یہ تصویریں کیا ہیں جن کے سامنے تم نے سر جھکایا ہوا ہے

نوٹ:۔ یہ آیت دراصل بتوں کے متعلق ہے لیکن الفاظ کچھ ایسے ہیں کہ شطرنج باز بھی لپیٹ میں آجاتے۔ (طبقات ابن سعد۔ ذکر میسرہ بن حبیب)

Marfat.com

۸۔ایک مرتبہ دو شخصوں نے مرغوں کی بازی لگائی۔حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے غصے میں آکر مرغوں کو مارڈالنا چاہا۔لیکن یہ سوچ کر رک گئے کہ آخر ان پرندوں کا کیا قصور ہے۔

(ادب المفرد۔باب قمار الدیک)

۹۔ایک مرتبہ حضرت نصار بن عبیدہ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ نرد کھیل رہے ہیں۔برہم ہوکر اٹھے اور فرمایا جو لوگ نرد کی کمائی کھاتے ہیں وہ سور کا گوشت کھاتے ہیں اور خون سے وضو کرتے ہیں۔ (ادب المفرد باب اللہو)

صبرو ثبات

ا۔اموی خلیفہ عبدالملک کا زمانہ تھا۔اہل مکہ نے عبداللہ بن زبیر کو اپنا امیر مقرر کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔عبدالملک نے حجاج بن یوسف (عراق کا مشہور ظالم گورنر) کو عبداللہ بن زبیر کے خلاف فوج دے کر بھیجا۔جب عبداللہ گرفتار ہونے کے بعد پھانسی پر لٹکا دیئے گئے تو حجاج نے ایک آدمی بھیجا کہ جاؤ اور عبداللہ کی والدہ حضرت اسماء کو بلا لاؤ۔اسماء نے آنے سے انکار کر دیا۔اس نے دوبارہ آدمی بھیجے کہ بالوں سے گھسیٹ کر لاؤ لیکن اتنی گستاخی نہ کر سکے۔اس پر حجاج خود آیا اور کہنے لگا۔دیکھا تم نے کہ میں نے اللہ کے دشمن یعنی تمہارے بیٹے سے کیا سلوک کیا ہے۔اسماء نے کہا۔اور یہ بھی دیکھا میرے بیٹے نے تمہاری کیا درگت بنائی ہے۔حجاج نے حیران ہوکر پوچھا وہ کیسے؟ اسماء نے فرمایا۔تم نے اس کی دنیا خراب کی اور اس نے تمہاری آخرت تباہ کر دی۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ ثقیف میں ایک سیاہ کار ظالم و کذاب پیدا ہوگا اور وہ یقیناً تو ہے۔حجاج اٹھ کر چل دیا۔بعد میں حضرت اسماء بھی باہر گئیں۔کیا دیکھتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی لاش صلیب کے ساتھ لٹک رہی ہے۔آپ نے یہ منظر دیکھا تو نہ آنسو بہائے اور نہ آہ و فغاں کی بلکہ حجاج کو مخاطب کر کے نہایت بے اعتنائی سے فرمانے لگیں "کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟ (استیصاب ذکر عبداللہ بن زبیر)

Marfat.com

راست گوئی

۱۔ جب سرور کائنات مکہ سے نکلے تو کفار مکہ نے حضور ﷺ کی گرفتاری یا قتل کے لئے بھاری انعام مقرر کیا اور لوگ ہر طرف آپ کی تلاش میں نکل پڑے۔ ایک دن ایک مسلح کافر سامنے آ گیا، وہ حضرت ابوبکرؓ کو جانتا تھا اور رسول کریم ﷺ سے ناواقف تھا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کسی حالت میں بھی جھوٹ نہیں بولتے چنانچہ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا من ھذا (یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟) حضرت ابوبکرؓ بڑی مشکل میں پھنس گئے، جھوٹ کہیں تو آن جاتی ہے اور سچ بولیں تو جان۔ اس لئے آپ نے ایسا جواب دیا کہ آن اور جان دونوں بچ گئیں۔ فرمایا رجل یھدینی السبیل (یہ ایک ایسا آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھا رہا ہے) نبی سے بڑھ کر راستہ دکھانے والا اور کون ہوتا ہے۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ عرب کے ریگستانوں میں رہبر کے بغیر سفر ناممکن تھا۔

۲۔ ایک سفر میں مدینہ کے منافق اعظم عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم واپس جا کر ان ذلیل مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیں گے حضرت زید بن ارقم نے یہ بات سن لی۔ آپ نے اپنے چچا سے کہہ دی۔ اور چچا نے رسول خدا سے کہہ دی حضور نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا۔ تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ یہ خبر غلط ہے۔ چنانچہ رسول ﷺ نے باور کر لیا اور زید بن ارقم کو جھوٹا قرار دیدیا۔ زید کو اس بات کا اتنا صدمہ ہوا کہ فرط غم سے آپ کی گردن جھک گئی، گھر سے نکلنا چھوڑ دیا اور اس وقت تک مسلمانوں کے سامنے نہ آئے جب تک وحی نے ان کی صداقت کا اعلان نہ کر دیا۔ (ترمذی تفسیر سورۃ المنافقین)

خوف قیامت

۱۔ ایک مرتبہ دو صحابہ میں جائیداد کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ گواہ کسی کے پاس نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یاد رکھو کہ میں انسان ہوں عالم الغیب نہیں ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی چرب زبانی اور لسانی کی بدولت مجھے دھوکا دینے میں کامیاب ہو

Marfat.com

جائے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں لیکن یہ یاد رہے کہ ایسا شخص جائیداد کے ساتھ اپنے گلے میں آگ کا طوق بھی ڈال رہا ہوگا۔

یہ سن کر دونوں بزرگ خوف سے لرزنے لگے اور ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو وہ جائیداد دینا چاہی۔ (ترمذی تفسیر سورۂ حج)

والدین سے محبت

حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد حضرت امام حسنؓ خلیفہ بنے تو آپ کی زوجہ محترمہ جناب عائشہؓ نے کہا۔ خلافت مبارک ہو آپ کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں اور برہم ہو کر فرمایا کہ تم مجھے میرے والد محترم کی وفات پر مبارک باد دے رہی ہو، دور ہو جا میری نظروں سے اور ساتھ ہی طلاق دیدی حضرت عائشہؓ کو بڑا صدمہ ہوا اور کچھ دیر بعد جب حضرت امام حسنؓ نے مہر کی رقم بھیجی تو جناب عائشہؓ نے آہ بھر کر فرمایا۔ جدا ہونے والے دوست کے مقابلے میں یہ رقم نہایت حقیر ہے۔ (دار قطنی۔ کتاب الطلاق)

کنبہ پروری

حکومت کے کسی منصب پر ایک نااہل شخص کو محض اس لئے مقرر کرنا کہ وہ حاکم کا رشتہ دار ہے، ایک ایسی ناانصافی ہے کہ سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قابل لوگ دردر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور حکومت نالائقوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ نالائق۔ نہ نظم وضبط قائم رکھ سکتے ہیں اور نہ حکومت کے کام آسکتے ہیں، دوسری طرف قابل لوگ حکومت کے خلاف بے اطمینانی کا زہر پھیلاتے رہتے ہیں یعنی حکومت دو قسم کے دشمنوں میں گھر جاتی ہے، نالائق حکومت کے اندر رہ کر اس کی بنیادیں کھوکھلی کرتے ہیں اور قابل باہر رہ کر۔

ا۔ حضرت عمرؓ نے وفات سے پہلے چند ایک قابل صحابہ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا اور ساتھ ہی وصیت فرمائی کہ میرے بیٹے عبداللہ کا خلافت میں کوئی حق نہیں، اس لئے کہ وہ اس کار عظیم کے لئے موزوں نہیں۔ (بخاری)

Marfat.com

سبحان اللہ۔ انصاف و دیانت کی کتنی تابناک مثال ہے۔

۲۔ حضرت عمرؓ بڑے جوہر شناس تھے، ایک مرتبہ فرمایا۔ کاش کہ ابو عبیدہ، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان جیسے آدمی مل جائیں تا کہ میں انہیں سلطنت کے اہم مناصب پر مقرر کروں۔
(اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۹۲)

اولوالعزمی

اسلام کی ساری تاریخ ہماری اولوالعزمی کی داستانوں سے لبریز ہے۔ یہاں صرف ایک خاتون کی حکایت درج کی جاتی ہے۔

۱۔ جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف فوج کشی کی اور حضرت عبداللہ کو بچ نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئی تو اپنی والدہ اسماء سے کہا کہ میں حجاج سے صلح کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اسماء کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور کڑک کر فرمانے لگیں۔

یاد رکھو عبداللہ، کہ عزت کی حفاظت میں تلوار چلانا، ذلت میں کوڑے کھانے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

اس بلند عزم خاتون کے اس جملے کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبداللہ آخر دم تک لڑتے رہے اور آخر سولی پر چڑھ گئے۔ (استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶)

خواتین کا جذبہ تبلیغ و اشاعت علم

اشاعت اسلام میں ہمارے آباؤ اجداد نے جو حصہ لیا اس سے ہر لکھا پڑھا آگاہ ہے۔ لیکن یہ حقیقت شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ عہد نبوی میں ہماری مائیں بھی بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے چکی ہیں۔ یہ ایک خاتون فاطمہ بنت خطاب کا کمال تھا کہ فاروق اعظم حلقہ بگوش اسلام بنے۔ یہ سعدی بنت کریز کی برکت تھی کہ حضرت عثمان داخل اسلام ہوئے۔ یہ حضرت ام سلیم کی ترغیب کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوطلحہ نے دہلیز نبوت پر سر جھکا دیا تھا۔ یہ حضرت ام حکیم کا جذبہ ایمانی اور حضرت ام شریک کی مسلسل مساعی تھیں جنہوں نے سینکڑوں خواتین قریش

Marfat.com

کے سینوں میں چراغ ایمان روشن کیا تھا۔

تبلیغ کے علاوہ ہماری ماؤں کے علمی کارنامے بھی کچھ کم قابل فخر نہیں تھے حضرت عائشہؓ ام سعد، ام سلمہ، حضرت حفصہ، ام ہشام، اور ہند بنت اسید کو پورا قرآن شریف یاد تھا۔ بعض خواتین تفسیر قرآن کا درس دیا کرتی تھیں۔ حدیث کی اشاعت میں بھی صحابیات نے ممتاز حصہ لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے ۲۲۱۰ اور ام سلمہ سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں، اسی طرح ام عطیہ، اسماء بنت ابوبکر، ام ہانی اور فاطمہ بنت قیس سے کافی احادیث منقول ہیں۔

فقہی مسائل پر حضرت عائشہؓ کے فتوؤں سے کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہے۔ سلمہ۔ حضرت صفیہ، ام حبیبہ، حضرت فاطمہ، ام الدردا، عاتکہ، مہلہ، ام شریک اور درجنوں دیگر صحابیات کے فتوے کتب سیر و تاریخ میں محفوظ ہیں۔

بدگوئی سے احتراز

گذشتہ ۴۷ برس میں مجھے مسلمانوں کی ہر سوسائٹی میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا ہر جگہ میں نے تین چیزوں کو بہت بدلگام پایا۔ یعنی دل، نگاہ اور زبان۔ یہ حقیقت کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ تہذیب نفس نام ہے ان تین چیزوں پر ضبط رکھنے کا۔ اگر دل خواہشات بد سے لبریز ہو، نگاہ بدبین ہو اور زبان بدگو ہو تو انسان اور ابلیس میں کوئی حد فاصل باقی نہیں رہتی۔ اتسر شاہ خوارزم کے دربار میں ایک شاعر رشید وطواط رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شاعر قصیدہ پڑھ رہا تھا اور بادشاہ کے سامنے میز پر ایک دوات رکھی ہوئی تھی چوں کہ شاعر بہت پست قد تھا اس لئے بادشاہ نے مزاحا کہا کہ دوات ہٹا دو تا کہ شاعر نظر آتا رہے۔ رشید وطواط نے فوراً کہا۔ الر باصغریہ قلبہ ولسانہ (انسان دو چھوٹی چیزوں سے بنتا ہے یعنی دل اور زبان)

سرور کائنات کا ارشاد ہے:۔

من وقاه الله شر اثنتين و لج الجنه ما بين شقتيه وما بين رجليه۔

جس شخص کو اللہ نے دو چیزوں کے شر سے بچا دیا وہ جنت میں پہنچ گیا۔ وہ

Marfat.com

ہیں شرمگاہ اور زبان۔ (موطائے امام مالک)

ا۔ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن سلیم کو چند نصیحتیں کیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہا کرو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد انسان تو ایک طرف میں نے اونٹ اور بکری کی نسبت بھی نا ملائم الفاظ استعمال نہیں کئے۔ (استیعاب۔ ذکر جابر بن سلیم)

۲۔ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے ربیعہ اسلمی کو سخت سست کہا اور پھر ندامت کی حالت میں ربیعہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے کہ میں نے جو الفاظ تمہارے حق میں استعمال کئے ہیں وہی تم میرے لئے استعمال کرو۔ ربیعہ نے انکار کیا تو آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لے گئے۔ حضور نے فرمایا کہ ربیعہ! تم نے اچھا کیا۔ اب تم ابوبکر کے لئے دعا کرو۔ جب ربیعہ نے دعا کی تو حضرت ابوبکرؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ (مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۵۸)

۳۔کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو زبان پر مکمل قابو حاصل نہیں تھا جب کبھی کوئی ناگوار بات منہ سے نکل جاتی تو پہروں پشیمان رہتے۔ ایک مرتبہ زبان کو پکڑ کر توڑ مروڑ رہے تھے کہ اوپر سے حضرت عمرؓ آ گئے۔ پوچھا ابوبکرؓ یہ کیا کر رہے ہو۔ فرمانے لگے کہ مجھے اس کی خبر لینے دو کہ اسی نے مجھے خراب کر رکھا ہے۔ (موطائے امام مالک کتاب الجامع)

مہاجرین کے لئے انصار کا ایثار

ا۔ہجرت کے پانچ ماہ بعد حضور ﷺ نے حضرت انسؓ کے مکان پر ایک میٹنگ طلب کی اور مہاجرین و انصار میں برادری قائم کر دی۔ یعنی بعض مہاجروں کو بعض انصار کا بھائی بنا دیا۔ مثلاً

ا۔ حضرت جعفر ایاز (مہاجر) کو معاذ بن جبل (از انصار) کا بھائی قرار دیا۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق (مہاجر) کو خارجہ بن زبیر کا بھائی بنا دیا۔

۳۔ حضرت عمر بن خطاب (مہاجر) کو عتبان بن مالک کا بھائی بنا دیا۔

۴۔ حضرت ابوعبیدہ (مہاجر) کو سعد بن معاذ کا بھائی بنا دیا۔

۵۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف (مہاجر) کو سعد بن ربیع کا بھائی بنا دیا۔

Marfat.com

۶۔ حضرت عثمان بن عفان (مہاجر) کو اوس بن ثابت کا بھائی بنا دیا۔

۷۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ (مہاجر) کو کعب بن مالک کا بھائی بنا دیا۔

۸۔ حضرت ابوذر غفاری (مہاجر) کو منذر بن عمر کا بھائی بنا دیا۔

۹۔ حضرت عمار بن یاسر (مہاجر) کو حذیفہ بن یمان کا بھائی بنا دیا۔

۱۰۔ حضرت سلمان فارسی (مہاجر) کو ابوالدردا کا بھائی بنا دیا۔

۱۱۔ حضرت بلال حبشی (مہاجر) کو ابورویحہ کا بھائی بنا دیا وغیرہ وغیرہ۔

انصار نے اپنی نصف جائیدادیں مہاجرین کے حوالے کرنے کا اعلان کیا لیکن رسول ﷺ مقبول ﷺ نے اس سکیم سے اتفاق نہ فرمایا اور فیصلہ کیا کہ مہاجرین بحیثیت مزارعین انصار کی زمینیں کاشت کریں اور پیداوار آدھی بانٹ لیں۔ (صحیح مسلم)

۲۔ انصار نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ان کی وفات کے بعد مہاجرین ان کی جائیدادوں کے وارث ہونگے۔ چنانچہ یہ طریقہ کچھ مدت تک چلتا رہا اور جب یہ آیت (اولکل جعلنا موالی) نازل ہوئی تو یہ طریقہ منسوخ ہوگیا۔ (صحیح بخاری)

۳۔ جب حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ربیع کے بھائی بنائے گئے تو حضرت سعد نے گھر آتے ہی اپنی نصف جائیداد اور ایک بیوی اپنے مہاجر بھائی کی خدمت میں پیش کی، آپ نے انکار کر دیا اور حضرت سعد کے لئے نہایت خلوص سے دعا مانگی۔ (صحیح بخاری)

۴۔ فتح بحرین کے بعد حضور ﷺ نے انصار کو وہاں کچھ زمین دینا چاہی تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا۔ ہم کوئی ایسی چیز نہیں لینا چاہتے جس میں ہمارے مہاجر بھائیوں کا حصہ نہ ہو۔
(صحیح بخاری)

۵۔ انصار مدینہ نے مہاجرین کے لئے کیا کچھ نہیں کیا تھا؟ مکانات دیئے جائیدادیں دیں ہر جنگ میں ۸۵ اور ۱۵ کی نسبت سے شامل ہوتے رہے یعنی مہاجرین صرف ۱۵ ہوتے تھے۔

Marfat.com

لیکن جب رحلت رسول ﷺ کے بعد خلیفہ منتخب کرنے کا وقت آیا تو انصار نے بہ رضائے تمام ایک مہاجر یعنی حضرت ابوبکرؓ کو اپنا امیر منتخب کرلیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی انصار نے اپنی طرف سے کوئی امیدوار کھڑا نہ کیا۔

خاتمہ

جنگ خیبر میں جب سید الکونین نے ایک صبح اسلامی افواج کی قیادت کا علم حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا تو ساتھ ہی چند نصائح بھی ارشاد فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی۔

ان یھدی اللہ یك رجلا خیر لك من حمر النعم۔	اگر تمہیں سرخ اونٹ مل جائے تو اس سے بہتر ہے کہ کوئی شخص تم سے ہدایت حاصل کرلے۔

میں بھی اپنے آپ کو ''سرخ اونٹ'' کا مالک سمجھوں گا۔ اگر سطور بالا پڑھنے کے بعد ایک قدم بھی راہ مستقیم پہ چل نکلا اور ایک دل بھی نور ہدایت سے منور ہو گیا۔

مضمون لمبا تھا۔ ممکن ہے آپ کو یاد نہ رہا ہو کہ میں آپ کو کیا کہہ گیا ہوں اس لئے ایک بات اور سن لیجئے تا کہ بھولے ہوئے سبق کا اعادہ ہو جائے۔

سرور کائنات کو حضرت معاذ بن جبل سے خاص محبت تھی اور غالباً حضرت معاذ تنہا وہ صحابی ہیں جنہیں رسول کریم ﷺ نے بہ خلوت وجلوت اپنے نصائح سے بہت زیادہ مستفیض فرمایا۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

۱۔ معاذ سنو! صدقہ گناہ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو پانی کی طرح بجھا دیتا ہے۔

۲۔ اسلام کو ایک اونٹ سمجھو جس کا کوہان جہاد ہے۔

۳۔ معاذ نے پوچھا حضور ﷺ! جو کچھ ہم بولتے ہیں کیا اس پر مواخذہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا! بہت سے لوگ صرف زبان کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

۴۔ شرک نہ کرنا خواہ تمہیں کوئی شخص آگ میں پھینک دے والدین کو دکھ نہ دینا خواہ وہ تمہیں جائیداد اور اولاد سے محروم کردیں شراب نہ پینا کہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے۔

Marfat.com

گناہ کے قریب نہ جانا کہ گنہگار پر اللہ کا غصہ حلال ہو جاتا ہے۔ جہاد میں پیٹھ نہ دکھانا خواہ سارا لشکر خاک وخون میں لوٹ چکا ہو۔

۵۔ حضور ﷺ نے معاذ کو پانچ چیزوں کی تاکید فرمائی اور ساتھ ہی کہا کہ جو شخص انہیں پورا کریگا، اللہ اس کے ساتھ رہے گا۔

ا۔ مریض کی عیادت، ۲۔ جنازہ میں شمولیت، ۳۔ جہاد، ۴۔ اچھے عالم کی عزت، برے حاکم کی ذلت، ۵۔ ایذا رسانی عیب جوئی اور غیبت سے بچنا۔

۶۔ اے معاذ! مظلوم کی بددعا سے ڈر کہ مظلوم اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں۔

۷۔ آنحضرت ﷺ نے معاذ کو یمن کا حاکم مقرر کرتے وقت فرمایا۔

ا۔ عیاشی سے دور رہنا کہ اللہ کو عیاشی سے نفرت ہے۔

۲۔ جس طرح اکیلی بکری کو بھیڑیا پکڑ لیتا ہے اسی طرح شیطان اس انسان کو اپنے بس میں کر لیتا ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

❁❁❁

Marfat.com

مصنف کی دیگر کتب

- من کی دنیا
- دو قرآن
- عظیم کائنات کا عظیم خدا
- اللہ کی عادت
- مہماتِ رسول ﷺ
- ایک اسلام
- میری آخری کتاب
- امام ابن تیمیہ
- مضامین برق
- اسلام اور عصر رواں
- ہم اور ہمارے اسلاف
- سلاطین اسلام
- بھائی بھائی
- رمز ایمان
- فرمانروایان اسلام
- حرف محرمانہ
- حکمائے عالم (ترجمہ)
- جہان نو
- معجم القرآن
- معجم البلدان
- تاریخِ حدیث
- دانش عرب وعجم
- دانش رومی وسعدی
- مسائل نو
- میری داستان حیات
- ہماری عظیم تہذیب
- لمعاتِ برق
- فلسفیانِ اسلام
- یورپ پر اسلام کے احسان
- الحاد مغرب اور ہم
- برق بے تاب
- گل ہائے ایران
- فروغ جاوداں
- عالم اسلام
- تحقیق عارفانہ

ISBN 969-503-926-X
9799695039266

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور